الرّفیقُ الفصِیح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ۱۸
افادات
حضرت علاّمہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہٗ

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۱۸

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

تفصیلات

نام کتاب...... الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۱۸

افادات .... حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

مرتب .... محمد فاروق غفرلہٗ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ .... نجم الحسن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت .... ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۵ء

صفحات ۵۱۰

قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد: ہشت دہم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح

جلد ہشت دہم

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۴۵	حکایت ----------	۱۰۷
	﴿کتاب القصاص﴾	
۱۴۷	(قصاص کا بیان)	۱۰۸
۱۴۸	﴿۱﴾......قصاص کے لغوی معنی ----------	۱۰۹
۱۴۹	﴿۲﴾......قصاص کے شرعی معنی ----------	۱۱۰
//	﴿۳﴾......ثبوت قصاص ----------	۱۱۱
۱۵۱	﴿۴﴾......قانون قصاص کی حکمت؟ ----------	۱۱۲
۱۵۳	﴿۵﴾......قصاص واجب ہونے کی شرطیں؟ ----------	۱۱۳
//	قاتل سے متعلق ----------	۱۱۴
۱۵۴	مقتول سے متعلق ----------	۱۱۵
۱۵۵	﴿۶﴾......اگر مرد عورت کا قاتل ہو؟ ----------	۱۱۶
۱۵۶	﴿۷﴾......غیر مسلم کا قتل؟ ----------	۱۱۷
۱۵۷	﴿۸﴾......غلام کا قتل ----------	۱۱۸
۱۵۸	﴿۹﴾......ایک شخص کے قتل میں متعدد لوگوں کی شرکت ----------	۱۱۹
۱۵۹	﴿۱۰﴾......بالواسطہ قتل کرنا؟ ----------	۱۲۰
//	﴿۱۱﴾......مطالبہ قصاص کا حق کس کو ہے؟ ----------	۱۲۱
۱۶۰	﴿۱۲﴾......حق قصاص کون وصول کرے؟ ----------	۱۲۲
۱۶۱	﴿۱۳﴾......اسلام سے پہلے انتقام کے طریقے؟ ----------	۱۲۳
۱۶۲	﴿۱۴﴾......جزوی نقصان کا قصاص؟ ----------	۱۲۴
۱۶۳	﴿۱۵﴾......قصاص کب ساقط ہوجاتا ہے؟ ----------	۱۲۵

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۱۲	﴿۸﴾......موجبات کفر	۳۸۸
۳۱۳	ایسی چیزیں جن کا تعلق ایمان واسلام کے ساتھ ہے	//
۳۱۴	﴿۹﴾......وہ کلمات کفر جن کا تعلق اللہ کی ذات یا صفات سے ہے	۳۹۰
۳۱۵	﴿۱۰﴾......انبیاء علیہم السلام سے متعلق چند کلمات کفر	۳۹۸
۳۱۶	﴿۱۱﴾......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق کلمات کفر	۴۰۰
۳۱۷	﴿۱۲﴾......آنحضرت محمد ﷺ سے متعلق کلمات کفر	۴۰۱
۳۱۸	﴿۱۳﴾......فرشتوں کے متعلق کلمات کفر	۴۰۳
۳۱۹	﴿۱۴﴾......قرآن کریم سے متعلقہ کلمات کفر	۴۰۴
۳۲۰	﴿۱۵﴾......نماز سے متعلق کلمات کفر	۴۰۶
۳۲۱	﴿۱۶﴾......زکوۃ سے متعلق کلمات کفر	۴۰۹
۳۲۲	﴿۱۷﴾......رمضان سے متعلق کلمات کفر	۴۱۰
۳۲۳	﴿۱۸﴾......علم وعلماء سے متعلق کلمات کفر	۴۱۱
۳۲۴	﴿۱۹﴾......حلال وحرام سے متعلق کلمات کفر	۴۱۴
۳۲۵	﴿۲۰﴾......قیامت کے دن سے متعلقہ امور میں کلمات کفر	۴۱۷
۳۲۶	﴿۲۱﴾......تلقین کفر سے متعلق چند کلمات کفر	۴۲۰
۳۲۷	﴿۲۲﴾......ایک اہم قاعدہ	۴۳۲
۳۲۸	﴿۲۴﴾......ارتداد کے تحقق کی صورتیں	۴۳۳
۳۲۹	﴿۲۵﴾......بغاوت کی سزا کی بنیاد	//
۳۳۰	﴿۲۶﴾......بغاوت کی دوصورتیں ہیں	۴۳۴
۳۳۱	﴿۲۷﴾......پہلی قسم کے باغیوں کا حکم	۴۳۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَابُ الْاَیْمَانِ وَالنُّذُوْرِ

قسموں اور نذروں کا بیان

باب کے شروع میں چند باتیں بطور فائدہ بیان کی جارہی ہیں تاکہ آنے والی احادیث وروایات کو سمجھنے میں مکمل بصیرت حاصل ہو۔

ذیل میں بائیس مباحث ہیں اولا اجمالی کے ساتھ پھر تفصیل کے ساتھ بالترتیب ذکر کئے جارہے ہیں جو انتہائی تحقیق اور باحوالہ ہیں قارئین حضرات ان کو اگر ذہن نشین کرلیں تو آئندہ یمین سے تعلق رکھنے والی احادیث وروایات خوب از بر قابل حفظ ہو جائیں گی۔

(۱) ماقبل سے مناسبت۔ (۲) ایمان ونذور میں مناسبت اور وجہ الجمع۔

(۳) یمین کے لغوی وشرعی معنی۔ (۵) قسم کی مشروعیت۔

(٦) قسم کھانے کا حکم۔ (۷) قسم کارکن۔

(۸) حروف قسم کیا ہیں؟ (۹) قسم کی قسمیں۔

(۱۰) قرآن مجید کی قسم۔ (۱۱) غیر اللہ کی قسم۔

(۱۲) ورنہ میں یہودی ہوں گا۔ (۱۳) یمین منعقد ہونے کی شرطیں۔

(۱۴) مطلق اور مقید قسمیں۔ (۱۵) یمین فوراً اور اس کا حکم۔

(۱٦) یمین کی ایک اور صورت۔ (۱۷) قسم کا کفارہ۔

(۱۸) حانث ہونے سے قبل کفارہ ادا کرے یا بعد میں۔ (۱۹) مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

(۲۰) مسکینوں کے لئے کپڑوں کا انتظام۔ (۲۱) اگر کوئی شخص اپنے اوپر کوئی چیز حرام کرے؟

(۲۲) قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا یا کھلانے والے کی؟

تنبیہ: مذکورہ مباحث ایمان سے متعلق ہیں ایمان کے مباحث کو بالتفصیل بیان کرنے کے بعد ہم نذور کی اولا اجمالی پھر بالتفصیل شرح کریں گے، کیونکہ باب کے دو جز ہیں ایمان اور نذور، آگے چل کر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب اور باندھا ہے "**باب فی النذور**" لیکن باب اول میں ایمان ونذور دونوں کی احادیث کا تذکرہ ہے لیکن آئندہ باب میں صرف نذور کا تذکرہ ہے اس لئے ہم نذور کے مباحث کو یہیں پر ذکر کریں گے۔

(۱)......ماقبل سے مناسبت

بہت سے مصنفین کا طریقہ ہے کہ وہ نکاح طلاق عتاق کے بعد یمین کو بیان فرماتے ہیں اور وجہ مناسبت ان تمام کے اندر یہ ہے کہ نکاح، طلاق، عتاق اور یمین ہزل واکراہ میں مشترک ہیں ان کے اندر یہ مؤثر نہیں ہوتے ہیں۔

پھر نکاح کو ان تمام پر مقدم اس لئے کیا گیا کہ نکاح عبادات کے زیادہ قریب ہے، پھر طلاق، ایلائ، وغیرہ کو بیان فرمایا کیوں کہ نکاح کا تحقق ہو جانے کے بعد طلاق، ایلائ، خلع، سے وہ ختم ہو جاتا ہے پھر عتاق، کو ایمان، سے خاص کیا کیوں کہ عتاق، کو طلاق، سے زیادہ مناسبت ہے عتاق کے طلاق کے معنی اسقاط میں مشارکت ہونیکی وجہ سے یعنی طلاق میں جس طرح سے اسقاط وازالہ ہوتا ہے، عتاق میں بھی اسی طرح اسقاط اور ازالہ ملک ہوتی ہے پھر ان کے بعد ایمان کو بیان فرمایا ہے۔ (فتح القدیر:۵۹/۵)

عتق اور یمین میں ایک مناسبت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر یمین میں کوئی شخص حانث ہو جائے تو اسکا کفارہ غلام آزاد کرنا بھی ہے۔

(۲)......ایمان ونذور میں مناسبت اور وجہ الجمع

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عام طور سے کتب حدیث میں ایمان اور نذور دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ یہاں بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں، جس کی وجہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے

طرز سے معلوم ہوئی کہ انہوں نے اپنی سنن میں ایک عنوان قائم کیا "**ابواب الکفارات**" اور پھر اس کے تحت اولا چند ابواب ایمان سے متعلق اور اس کے بعد پھر چند ابواب نذر سے متعلق ذکر کئے ان کے اس صنیع سے ایمان ونذور کو یکجا جمع کرنے کی لم معلوم ہوئی ہے، وہ یہ کہ یہ دونوں حکم کفارہ میں مشترک ہیں۔ تو جس طرح بعض ایمان کے احکام میں وجوب کفارہ ہے اسی طرح نذر کی بعض صورتوں میں بھی مشترک کفارہ واجب ہوتا ہے ابوداوٗد میں ایک حدیث ہے "**کفارة النذر کفارة الیمین**" اور ترمذی میں ہے "**کفارة النذر اذالم یسم کفارة الیمین**" اور اسکی وجہ اصولا یہ ہے کہ یمین نذر کے موجبات اور لوازم میں سے ہے "**لان النذر ایجاب المباح وهو یستلزم تحریم الحلال وتحریم الحلال یمین بدلیل قوله تعالیٰ، یایها النبی لم تحرم ما احل الله لك**، اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسے کیوں حرام کرتے ہو، اور اللہ بہت بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔ (سورۃ التحریم) **قاله الشیخ الدهلوی، فی اللمعات کمافی حاشیة ابن ماجه الدر المنضود: ۵/۲۸۷)**

(۳)......یمین کے لغوی وشرعی معنی

ایمان: یمین کی جمع ہے یمین کے لغوی معنی ید کے ہیں، داہنا ہاتھ پھر اس کا اطلاق ہونے لگا حلف پر، "**لانهم کانو اذا تحالفو اخذ کل بیمین صاحبه**" یعنی لوگوں کی عادت ہے، کہ جب وہ آپس میں قسمیں کھاتے ہیں تو اس وقت ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتا ہے، اس مناسبت سے حلف پر یمین کا اطلاق ہونے لگا اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ دائیں ہاتھ کا کام کسی چیز کو محفوظ رکھنا ہے، پھر اس کا اطلاق حلف پر اسی لئے کیا کہ محلوف علیہ کی آدمی رعایت اور حفاظت کرتا ہے اور یمین کی شرعا یہ تعریف کی گئی ہے "**توکید شیٔ بذکر اسم او صفة للله تعالیٰ**" کہ کسی چیز کو مضبوط اور مؤکد کرنا اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کی صفت ذکر کر کے، "**قال الحافظ وهذا اخصر التعریف واقربها**" (الدر المنضود: ۲۸۷/۵)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یمین کی تعریف کی ہے "**عقد قوی به عزم الحالف علی الفعل او الترک**" یعنی کسی کام کرنے یا نہ کرنے پر قوی ارادے کا اظہار کرنا یمین ہے۔ (شامی ۴۵/۳)

(۴)......قسم کی مشروعیت

قسم کھانا تو جائز ہے لیکن قسم کھانے میں افراط اور بات بات پر قسم کھانا کراہت سے خالی نہیں، خود اللہ تعالیٰ نے زیادہ قسم کھانے والوں کی مذمت فرمائی ہے (القلم: ۱۰) اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام نامی کو اپنی قسموں کے لئے کھلونا نہ بناؤ، (البقرہ: ۲۲۴) البتہ حسب ضرورت قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی لئے اہل علم نے حکم کے اعتبار سے قسم کی پانچ صورتیں کی ہیں:

(۱) **واجب،** اگر قسم کا مقصود کسی بے گناہ جان کو ہلاکت سے بچانا ہو تو اس موقع پر قسم کھانا واجب ہے، چنانچہ حضرت سوید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلے، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ تھے ان کے ایک دشمن نے ان کو پکڑ لیا، لوگ قسم کھانے سے کترا رہے تھے، لیکن میں نے قسم کھالی کہ میرے بھائی ہیں اس طرح ان کی جان بچ گئی، ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا کیونکہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ "**المسلم اخو المسلم**" مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔

(ابن ماجہ شریف: ۱۵۳/۱)

راقم الحروف کا خیال ہے کہ عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے بھی اس طرح کی قسم کھائی جا سکتی ہے، کیونکہ شریعت میں انسانی عصمت اور عزت وآبرو کی جو اہمیت ہے اس کے تحت فقہاء نے ان دونوں کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے۔

(۲) **مستحب:** اگر دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے یا کسی مسلمان سے شر اور مضرت کو دور کرنے کے لئے قسم کھائی جائے تو یہ مستحب ہے۔

(۳) **مباح،** کسی مباح چیز کے کرنے یا چھوڑنے کی قسم کھانا یا کسی سچی بات کی خبر دینے کے لئے قسم کھانا یا کسی بات کو مطابق واقعہ سمجھ کر قسم کھانا حالانکہ وہ خلاف واقعہ تھی، یہ سب صورتیں مباح قسم کی ہیں، اسی طرح اپنے جائز حقوق کو حاصل کرنے کے لئے قسم کھانا بھی مباح ہے۔

(۴) **مکروہ:** کسی مکروہ کام کے کرنے یا مستحب کام کے نہ کرنے پر قسم کھانا مکروہ ہے، چنانچہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی مدد نہ کرنے کی قسم کھالی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس قسم پر نکیر فرمائی۔(النور:۲۲)

(۵) حرام، جھوٹی بات کی قسم یا معصیت کے ارتکاب یا کسی واجب کے ترک پر قسم کھانا حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسی جھوٹی قسم کھانے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔(المجادلہ:۱۴) بلکہ خود جھوٹ کی حرمت صریح وصحیح نصوص سے ثابت ہے، اور اس پر امت کا اجماع واتفاق ہے تو جھوٹی قسم تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی۔(ملخص المغنی:۳۸۷، ۹/۳۸۹)

(۵)......قسم کا رکن

اللہ کی قسم کا رکن وہ کلام ہے جس کے ذریعہ قسم کھائی جائے، **"فھو اللفظ الذی یستعمل فی الیمین باللہ تعالیٰ"** (بدائع الصنائع:۳/۵)

اس سے ظاہر ہے کہ یمین زبان کا فعل ہے صرف دل کا فعل نہیں، اگر انسان کسی بات کا ارادہ کرلے لیکن زبان سے اس کا تکلم نہ کرے تو یمین منعقد نہیں ہوگی۔

یمین دو چیزوں سے مرکب ہوتی ہے ایک وہ کہ جس کی قسم کھائی جائے، اسکو **"مقسم بہ"** کہتے ہیں اور دوسرے وہ بات کہ جس پر قسم کھائی جائے اس کو **"مقسم علیہ"** کہا جاتا ہے۔ مقسم بہ یا تو اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ہوگا، یعنی اللہ کے لفظ سے قسم کھائی جائیگی، یا اللہ تعالیٰ کی اسم صفت سے، جیسے رحمن وہ صفت اللہ ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو، جیسے خالق یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہ ہو، جیسے کریم، حکیم، وغیرہ بہرصورت یمین منعقد ہوجائے گی۔ کیونکہ گو بعض اسماء صفاتی میں غیر اللہ کو بھی مراد لینا ممکن ہے، لیکن چونکہ اللہ ہی کی قسم کھانے کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی قسم کھانا مراد ہے۔
(بدائع الصنائع:۳/۵)

دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ہی میں قسم کھائی جائے، یہ صفات تین طرح کی ہوسکتی ہیں۔

اول وہ صفات جو عرف میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کے لئے استعمال ہوتی ہوں جیسے اللہ کی عزت

وجلال کی قسم، اللہ کی کبریائی کی قسم، یہ صورت یمین کی ہوگی۔

دوسری صفات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی بولی جاتی ہیں، اور غیر اللہ کے لئے بھی، یعنی دونوں ہی طریقوں پر ان کا استعمال برابر ہے، جیسے: اللہ کی قدرت، اللہ کی رضا، اللہ کی محبت، ایسی صفتوں سے کھائی جانے والی قسم بھی معتبر ہے، البتہ بعض صفات کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ اس دائرہ میں آتی ہیں یا نہیں؟ جیسے اللہ کی امانت۔

حنفیہ کے یہاں ظاہر روایت یہ ہے کہ اسکی بھی قسم کھائی جاسکتی ہے، امام طحاوی کے نزدیک اس سے یمین منعقد نہیں ہوگی۔

تیسری قسم کی صفات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی بولی جاتی ہیں اور غیر اللہ کے لئے بھی لیکن غیر اللہ کے لئے ان صفات کا استعمال غالب ہے، جیسے: اللہ کے علم، رحمت، غضب، کلام وغیرہ کی قسم کھائی جائے، اس سے یمین منعقد نہیں ہوگی۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے ایک اصولی بات لکھی ہے کہ ان مسائل میں اصل حیثیت عرف کی ہے۔ عرف میں جس تعبیر اور جس صفت سے قسم مراد لی جاتی ہو اس سے قسم ہو جائے گی اور جن کے بارے میں عرف ایسا نہیں ہو ان سے قسم نہیں ہوگی، چنانچہ فرماتے ہیں: **"وعن مشائخنا من قال ماتعارفه الناس يمينا يكون يمينا الا ماورد الشرع بالنهي عنه ومالم يتعارفوه يمينا لايكون يمينا"** (بدائع الصنائع:۶/۳)

ہمارے مشائخ سے منقول ہے کہ جس بات کو لوگ عرف میں قسم کے طور پر کہتے ہیں تو وہ قسم ہوگی، سوائے اس کے کہ شریعت نے اس کی ممانعت کی ہو، اور جس بات کو لوگ عرف میں قسم نہ سمجھتے ہوں وہ قسم نہ ہوگی۔ (قاموس الفقہ:۳۵۳/۵)

(۶)......حروف قسم کیا ہیں؟

عربی میں قسم کیلئے تین حروف ہیں (۱) و (۲) ب (۳) ت۔

مثلا یوں کہا جائے واللہ، یا باللہ یا تاللہ، ان تینوں کا مفہوم یہ ہے کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، عربی

زبان واسلوب کے مطابق بسا اوقات یہ حروف مقدر ہوتے ہیں یعنی لفظوں میں ان کا ذکر نہیں ہوتا، لیکن حقیقت میں ان کے معنی مراد ہوتے ہیں، جیسے یوں کہا جائے "**الله افعله**" تو یہ معنی ومفہوم کے اعتبار سے "**والله افعله**" کے ہوگا۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۳۰۰)

(۷)......قسم کی قسمیں

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو قسم کھائی جاتی ہے، اس کی تین قسمیں ہیں: یمین غموس، یمین منعقدہ اور یمین لغو۔

یمین غموس: غموس کے اصل معنی ڈوبنے کے ہیں، اس قسم کے ذریعہ گویا انسان گناہ اور پھر دوزخ کی آگ میں اپنے آپ کو غرق کرلیتا ہے، اس لئے اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔

(شامی: ۳/۴۷)

تعریف: گذرے ہوئے زمانہ یا موجودہ زمانہ کے بارے میں کسی واقعہ کے ہونے یا نہ ہونے کی بابت قصداً جھوٹی قسم کھانے کو یمین غموس کہتے ہیں۔ (بدائع الصنائع: ۳/۳)

حکم: ایسی قسم سے آدمی گنہگار ہوجاتا ہے اور اس پر توبہ واستغفار واجب ہے، کفارہ قسم اس صورت میں واجب نہیں۔ (شامی: ۳/۴۷)

یہی رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے۔ (شرح الصغیر: ۲/۲۰۴، المغنی: ۹/۳۹۲)

بلکہ اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے کہ اس قسم کا گناہ اتنا شدید ہے کہ سوائے توبہ کے کوئی عمل اس کا کفارہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اسی لئے احادیث وآیات میں ایسی قسم پر کفارہ کے وجوب کا ذکر نہیں ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صراحتاً مذکور ہے کہ قسم کی جن صورتوں میں کفارہ واجب نہیں ہوتا، ہم ان ہی میں یمین غموس کو شمار کرتے تھے۔ (المغنی: ۹/۳۹۲)

شوافع کے نزدیک یمین غموس میں بھی کفارہ واجب ہوتا ہے۔ (شرح مہذب: ۱۸/۱۳)

یمین منعقدہ: مستقبل کے بارے میں کسی ایسی بات کی قسم کھانا جو ممکنات میں سے ہو، یمین منعقدہ ہے، قسم مستقبل ہی سے متعلق ہو، لیکن ایسی چیز کے بارے میں ہو جو ممکن نہیں، جیسے قسم کھائے کہ میں

نہیں مروں گا یا کہے کہ سورج غروب نہیں ہوگا، تو پھر یہ یمین غموس سمجھی جائے گی۔ اگر یمین منعقدہ کو پورا نہیں کیا تو کفارہ واجب ہوگا، اس پر فقہا کا اتفاق ہے۔

(شامی:۴۹/۳، شرح الصغیر:۲۰۴/۲، شرح مہذب:۱۳/۱۸، المغنی:۳۹۲/۹)

خود قرآن مجید نے ایسی قسم پر کفارہ واجب قرار دیا ہے۔ (المائدہ:۸۹) جس بات کی قسم کھائی تھی چاہے وہ بہتر عمل ہو یا گناہ کا کام ہو، کسی واجب کے کرنے کی قسم ہو یا کسی مباح یا مستحب کے ترک کرنے کی، قسم پوری نہ کرنے پر کفارہ واجب ہوگا۔ (بدائع الصنائع:۱۷/۳)

البتہ خدانخواستہ کسی گناہ کے ارتکاب جیسے زنا، قتل یا شراب پینے کی قسم کھائی تو کفارہ کے ساتھ ساتھ توبہ واستغفار کرنا بھی واجب ہے۔ (بدائع الصنائع:۱۷/۳) اسے پورا کرنا چاہئے اور ایسی صورت میں حنفیہ کے نزدیک قسم اس نے اپنی مرضی سے کھائی ہو یا جبر واکراہ کے تحت، خطاء کھائی ہو یا بھول کر، بھول کر قسم کھانے سے مراد یہ ہے کہ قسم نہ کھانے کی قسم کھایا ہوا تھا، اتفاق سے یہ بات ذہن میں نہیں رہی اور قسم کھالی، اسی طرح قسم تو کھائی جانتے بوجھتے اور بلا اکراہ لیکن جبر ودباؤ (اکراہ) کے تحت یا بھول کر یا غلطی سے اس کام کا ارتکاب ہو، جس کے نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی، تو اس صورت میں بھی حانث ہو جائے گا، اور کفارہ واجب ہوگا، یہاں تک کہ اگر بے ہوشی اور جنون کی حالت میں اس کا ارتکاب کیا ہو جب بھی کفارہ ادا کرنا ہوگا، البتہ بے ہوشی یا جنون کی حالت میں قسم کھائی ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔ (شامی:۴۹،۵۰/۳)

مالکیہ کے نزدیک بھی نسیاناً، خطاء اور اکراہاً قسم کھانے والے کی یمین منعقد ہو جاتی ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اکراہ ونسیان وغیرہ کی قسم منعقد نہیں ہوتی۔ (الشرح الصغیر:۲۳۱/۲، المغنی:۳۹۱/۹)

(۸)......یمین لغو

یمین لغو سے مراد یہ ہے کہ گذرے ہوئے زمانہ کے بارے میں اپنی دانست میں سچ جانتے ہوئے کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے کی قسم کھائی جائے حالانکہ وہ خلاف واقعہ ہو۔ (بدائع الصنائع:۱۷/۳)

حنفیہ کے علاوہ یہی رائے مالکیہ اور حنابلہ کی بھی ہے۔ (شرح الصغیر:۲۰۹/۲)

شوافع کے نزدیک یمین لغو کی صورت یہ ہے کہ بلا ارادہ زبان پر قسم کے الفاظ جاری ہو جائیں۔

(شرح مہذب:۱۲/۱۸)

یمین لغو کے حکم کے بارے میں اتفاق ہے کہ نہ اس کی وجہ سے کفارہ واجب ہوگا اور نہ وہ گنہگار ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ یمین لغو پر مواخذہ نہیں ہوگا، **"لایؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم"** (البقرہ:۲۲۵)

لیکن ظاہر ہے کہ اس حکم کا اطلاق فقہاء کی اپنی اپنی رائے کے مطابق ہوگا، حنفیہ وغیرہ کے یہاں چونکہ یمین منعقدہ ہونے کے لئے قصد وارادہ ضروری ہے، اس لئے جس صورت کو شوافع یمین لغو کہتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک وہ صورت یمین منعقدہ کی ہے، اور اگر اس کو پورا نہ کیا جائے تو حنفیہ کی رائے پر کفارہ واجب ہوگا۔ (قاموس الفقہ:۳۵۶/۵)

(۹)......جن الفاظ سے قسم نہ ہوگی

(۱)......اگر فلاں کام کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے یا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، یا وہ زانی ہے یا چور ہے یا شراب پینے والا ہو یا سود خور ہو۔

(۲)......حق اللہ یا حق اللہ یہ کام نہ کروں گا یہ قسم نہ بنے گی، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس کو قسم مانتے ہیں۔

(۳)......یہ بھی قسم نہیں کہ جو کہے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤں یا بیوی پر طلاق کی قسم ہے یہ قسم نہ بنے گی۔

(۴)......اگر کوئی شخص اپنی کسی مملوکہ چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے تو وہ چیز حرام نہ ہوگی البتہ اس کو استعمال کرنے کی صورت میں اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا، مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے اپنے اوپر روٹی حرام کرلی اس طرح کہنے سے روٹی تو حرام نہ ہوگی، لیکن اگر روٹی کھائے گا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔

(۵)......اگر کوئی شخص اس طرح کہے کہ تمام حلال اشیاء مجھ پر حرام ہیں تو اس کا اطلاق کھانے پینے کی جملہ اشیاء پر ہوگا یعنی اگر وہ کوئی حلال چیز استعمال کرلے گا تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہو جائیگا۔

(۶)......اسی طرح کہنے سے اسکی بیوی پر طلاق ہو جائے گی، خواہ اس نے نیت نہ کی ہو، اسی پر فتویٰ ہے۔

(۷)......اس طرح کہنا کہ حلال چیز مجھ پر حرام ہے، یا اس طرح کہنا کہ میں اپنے دائیں ہاتھ میں جو چیز لوں وہ مجھ پر حرام ہے، اس کا بھی اوپر والا حکم ہے۔

(۸)......اگر کوئی شخص اپنی قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہے تو وہ قسم توڑنے والا نہ بنے گا، یعنی وہ قسم ہی نہ بنی اس کی مخالفت سے قسم ٹوٹنا اور کفارہ لازم نہ ہونا چہ معنی دارد۔ (مظاہر حق: ۳۰۷/۴)

(۱۰)......قرآن مجید کی قسم

جہاں تک قرآن کریم کی قسم کھانے کی بات ہے تو فقہاء حنفیہ کی اصل رائے تو یہی ہے کہ اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی لیکن ائمہ ثلثہ کے نزدیک اس سے قسم منعقدہ ہو جاتی ہے۔ (المغنی: ۳۹۹/۹)

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے قرآن کریم کی قسم غیر درست ہونے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اس طرح قسم کھانا متعارف نہیں ہے، لیکن ہمارے زمانہ میں قرآن کریم سے قسم کھانا مروج معروف ہے اس لئے قرآن کریم کی قسم معتبر ہوگی۔ (فتح القدیر: ۶۹/۵)

(۱۱)......غیر اللہ کی قسم

قسم بھی من جملہ حقوق اللہ کے ہے، اس لئے غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، کسی پیغمبر، کسی بزرگ، ماں باپ، اولاد، کسی کی زندگی اور موت، یا کسی متبرک چیز جیسے کعبہ، زمزم، قبر وغیرہ کی قسم کھانا جائز نہیں مکروہ ہے، اور بالاجماع ایسی قسمیں غیر معتبر ہیں۔ (فقہ الاسلام وادلتہ: ۳۸۷/۳)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طاغوت (معبودان باطلۃ) اور اپنے آباء واجداد کی قسم نہ کھاؤ۔ (ابن ماجہ شریف: ۱۵۲/۱)

اور ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی کو قسم کھانی ہو تو اللہ کی قسم کھائے ورنہ نہیں کھائے۔ (نصب الرایہ: ۲۹۵/۳)

خاموش رہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر و شرک کیا۔ (ترمذی شریف: ۲۸۰/۱)

اس لئے غیر اللہ کی قسم کھانے سے پورا پورا اجتناب کرنا چاہئے، یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

(۱۲)......ورنہ میں یہودی ہوں گا

اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائے کہ اگر میں فلاں کام نہ کروں تو یہودی ہوں گا یا عیسائی ہوں گا، تو کیا یہ قسم متصور ہوگی؟

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس سے یمین منعقدہ ہوجائے گی اور اگر اس نے قسم پوری نہیں کی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

مالکیہ اور شوافع کے نزدیک اس سے یمین منعقدہ نہیں ہوگی۔ (المغنی:۴۰۰/۹)

(۱۳)......یمین منعقدہ ہونے کی شرط

یمین کے منعقدہ ہونے کے لئے کچھ شرطیں ہیں، ان میں سے بعض وہ ہیں جو قسم کھانے والے (حالف) سے متعلق ہیں، بعض اس کام سے متعلق ہیں جس کی قسم کھائی جائے، اس کو اصطلاح میں **"محلوف علیہ"** کہتے ہیں، اور بعض شرائط خود رکن یمین سے تعلق رکھتی ہیں۔

قسم کھانے والے سے متعلق شرط یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ اور مسلمان ہو فاتر العقل نہ ہو نابالغ کی قسم کا بھی اعتبار نہیں۔ گو ذی شعور ہو، اسی طرح حالت کفر کی بھی قسم غیر معتبر ہے۔ (بدائع الصنائع:۱۱/۳)

جس بات پر قسم کھائی گئی ہو اس کا پایا جانا ممکن بھی ہو، مثلاً کسی ایسے شخص کے بارے میں جس کا انتقال ہو چکا ہو کہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا یا گلاس کا پانی ختم ہو چکا ہو اور قسم کھائے کہ اس گلاس میں جو پانی ہے، میں اسے پیوں گا، تو قسم معتبر نہیں ہوگی، البتہ اگر ایسی بات کی قسم کھائے جو عادۃً ممکن نہیں لیکن فی نفسہ ممکن ہے مثلاً کوئی شخص آسمان چھونے کی قسم کھائے تو یہ معتبر ہے، اور اس صورت میں موت سے پہلے پہلے کفارہ قسم واجب ہوگا، کیونکہ آسمان کا چھونا گو عادۃً ممکن نہیں لیکن ملائکہ اور انبیاء کیلئے اس کو من جانب اللہ واقع فرمایا گیا ہے۔ جو اس کے فی نفسہ ممکن ہونے کی دلیل ہے۔ (بدائع الصنائع:۱۱، ۱۲/۳)

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اگر قسم کسی خاص وقت سے متعلق ہو تو اس وقت تک اس کا باقی رہنا ممکن ہو۔ (بدائع الصنائع:۱۱، ۱۲/۳)

خود **"رکن یمین"** یعنی قسم کی عبارت سے متعلق شرط یہ ہے کہ وہ ایسے استثناء سے خالی ہو جو کلام

ماسبق کو بے اثر کردے، جیسے کوئی شخص قسم کھا کر کہے **"انشاء اللہ الا ماشاء اللہ"** اگر اللہ نے میرے لئے اس کو آسان فرمادیا سوائے اس کے کہ مجھے دوسری بات بہتر محسوس ہو، اگر قسم کے ساتھ اس طرح کے مشروط فقرے کہے گئے تو یہ قسم معتبر نہیں ہوگی، البتہ یہ حکم اس وقت ہے، جب کہ قسم کھانے کے بعد متصلاً ان شاء اللہ وغیرہ کہا جائے، اگر کوئی شخص قسم کھا کر خاموش ہو جائے اور کسی قدر وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہے تو اس کا اعتبار نہیں۔ (بدائع:۱۵/۳)

{۱۴}......مطلق اور مقید قسمیں

قسم کسی وقت یا مدت سے متعلق ہو یا نہ ہو، اس لحاظ سے اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مطلق (۲) مقید۔

مطلق یہ ہے کہ قسم میں کسی وقت یا مدت کی قید نہیں لگائی گئی ہو، ایسی قسم اگر اثباتی نوعیت کی ہو جیسے کہے کہ خدا کی قسم میں یہ روٹی ضرور ہی کھاؤں گا، تو جب تک قسم کھانے والا موجود ہو اور وہ شئ موجود ہو جس پر قسم کھائی گئی ہو، وہ حانث نہیں ہوگا، اگر قسم کھانے والا فوت ہو جائے یا وہ شئ ضائع ہو جائے جس کے بارے میں قسم کھائی گئی تھی تو وہ حانث ہو جائے گا اور کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ اگر اسی طرح قسم کسی منفی بات پر کھائی مثلاً یوں کہا ''خدا کی قسم میں روٹی نہیں کھاؤں گا'' ایسی صورت میں قسم کھانے والا اور وہ شئ جس کے بارے میں قسم کھائی تھی، ان میں سے کوئی ایک ہلاک وضائع ہو جائے تو اب وہ حانث نہیں ہوگا۔

(بدائع:۱۲/۳)

مقید: اگر وقت وزمانہ کی قید کیساتھ قسم کھائی گئی ہو، جیسے کہے کہ میں آج یہ روٹی کھا کر رہوں گا، تو جب تک حالف اور محلوف علیہ موجود ہوں اور مقررہ وقت باقی ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا، اگر وقت گذر جائے اور یہ دونوں باقی ہوں تو بالاتفاق حانث ہو جائے گا، اگر قسم کھانے والا باقی ہو اور وقت بھی باقی ہو لیکن جس چیز پر قسم کھائی تھی وہ چیز باقی نہیں رہی، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اس کی قسم باطل اور کالعدم ہو جائے گی، اور اس قسم کا کوئی اثر ہی مرتب نہیں ہوگا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قسم باقی رہے گی اور وقت مقررہ گذرنے کے بعد وہ حانث ہو جائے گا۔

{۱۵}......یمین فور اور اس کا حکم

موقت یعنی وقت کی قید کے ساتھ کھائی جانے والی قسم کی ایک اور صورت ہے جسے **"یمین فور"** کہتے ہیں پہلی بار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قسم کی اس خاص صورت کو واضح فرمایا ہے جسے عام طور پر فقہاء نے تحسین کی نظر سے دیکھا ہے، یمین فور سے مراد یہ ہے کہ قسم میں تو کسی وقت کی صراحت نہ ہو لیکن دلالت حال اور قرائن سے اندازہ ہوتا ہو کہ اس قسم کا تعلق فی الفور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے ہے جیسے ایک شخص نے کسی کو کھانے پر بلایا اور اس نے کہا: ''بخدا! میں کھانا نہیں کھاؤں گا'' تو گو بظاہر یہ مطلق نہ کھانے کی قسم ہے، لیکن اگر وہ شخص تھوڑی دیر کے بعد کھائے یا اپنے گھر جا کر کھائے تو حانث نہیں ہوگا اور سمجھا جائے گا کہ یہ قسم اس کھانے سے متعلق تھی جس پر اس کو مدعو کیا تھا۔ (بدائع:۱۲/ ۳)

{۱۶}......یمین کی ایک اور صورت

یمین کا اصل مقصد کسی حلال یا جائز چیز کو اپنے لئے ممنوع کرنے کا قوی عزم ہوتا ہے، اسی لئے اگر کوئی شخص کسی جائز چیز کو کسی مشکل اور آدمی پر دشوار گذرنے والی شرط کے ساتھ مشروط کردے تو اس کو بھی فقہاء کی اصطلاح میں یمین ہی کہتے ہیں جیسے کوئی شخص کہے، کہ اگر میں فلاں چیز کھاؤں تو مجھ پر روزہ ہے یا میری بیوی کو طلاق ہو جائے، یہ شرط دو قسم کی ہو سکتی ہے، یا تو وہ عبادت اور تقرب الی اللہ والے افعال کی قبیل سے ہو، جیسے نماز، روزہ، حج عمرہ، قربانی وصدقہ ایسی صورت میں اگر وہ اپنی شرط کو پورا نہ کر پائے تو جو اس نے ارادہ کیا تھا اس کو ادا کرنا ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کا زیر قربت سے قسم کو متعلق نہ کیا ہو، جیسے: طلاق، اس صورت میں اگر اس نے اپنی قسم کی خلاف ورزی کی، یا قسم کی خلاف ورزی ہوئی تو طلاق واقع ہو جائے گی جیسے کہا کہ اگر میں اس مکان میں داخل ہوا تو تم کو طلاق، اور وہ مکان میں داخل ہو گیا، یا اپنی بیوی سے کہا: اگر تم داخل ہوئی تو تم کو طلاق یا کسی اور شخص کے داخل ہونے سے طلاق کو متعلق کر دیا اور وہ شخص داخل ہو گیا، ان تمام صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

جو شرطیں اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے سے متعلق اوپر ذکر کی گئی ہیں وہی شرطیں اس یمین سے بھی متعلق ہیں، کہ جو شرط وہ مستقبل سے متعلق ہو، ابھی موجود نہ ہو، جیسے کوئی شخص کہے کہ، اگر آسمان ہمارے اوپر ہو تو تم کو طلاق، تو یہ شرط معتبر ہوگی، اور طلاق فوراً واقع ہو جائے گی، جبکہ مستقبل میں اس شرط کا پایا جانا ممکن بھی ہو، اگر ممکن نہ ہو تو یمین غیر معتبر ہوگی، جیسے کوئی شخص کہے کہ اگر سوئی کے ناکہ میں اونٹنی داخل ہو جائے تو تم کو طلاق تو یہ یمین غیر معتبر ہوگی اور طلاق واقع نہیں ہوگی، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ یمین کے ساتھ متصلا ایسا استثنائی کلمہ داخل ہوگیا ہو جو اس طلاق کو بے اثر کردے، جیسے یوں کہے، اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو انشاء اللہ تم پر طلاق واقع ہو، اس فقرہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

البتہ چونکہ بنیادی طور پر یمین کی یہ صورت طلاق سے متعلق ہے، اس لئے یہ بات ضروری ہوگی کہ اس یمین کا تکلم کرنے والا شرعاً طلاق دینے کا اہل ہو اور اس کی طلاق معتبر مانی جاتی ہو، نیز جس کو اس نے طلاق کا مخاطب بنایا ہے وہ اس مرد کے حق میں طلاق کا محل بن سکتی ہو۔ (ملخص از بدائع: ۲۱، ۳۰/ ۳)

{۱۷}......قسم کا کفارہ

اگر کوئی شخص قسم کھائے اور حانث ہو جائے یعنی اس کو پوری نہ کر پائے تو اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کفارہ کی تفصیل ذکر کی ہے، ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ یمین لغو پر تمہارا مواخذہ نہیں فرمائیں گے، لیکن جس قسم کا تم ارادہ کرو گے اس کے بارے میں تماری پکڑ ہوگی، اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اوسط درجے کا کھانا جو تم اپنے اہل خانہ کو کھلاتے ہو، دس مسکینوں کو کھلایا جائے، یا ان کو کپڑا پہنایا جائے ایک غلام آزاد کیا جائے، جو شخص اس کی گنجائش نہ پاتا ہو تو وہ تین دنوں کے روزے رکھے، اگر تم قسم کھاؤ تو یہ تمہارے قسم کا کفارہ ہے۔ اور اپنے قسموں کی حفاظت کرو، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنے احکام بیان کرتے ہیں تا کہ تم خدا کے شکر گذار بنو۔

(المائدہ: ۸۹)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی قسم کو پوری نہ کر پائے تو اس پر کفارہ کی ادائیگی واجب ہے، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کفارہ کی پہلی تین صورتیں مسکینوں کو کھانا کھلانا، کپڑے پہنانا اور غلام آزاد

کرنا......میں سے کسی بھی صورت کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کفارہ ادا نہ کرسکتا ہو تو اب اسے روزوں کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے کی اجازت ہوگی، اور اگر ان میں سے کسی پر قادر رہو تو روزہ رکھنا کافی نہیں ہوگا، ان ساری باتوں پر قریب قریب فقہاء کرام متفق ہیں، البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ تین روزے مسلسل رکھے جائیں گے، یا متفرق طور پر رکھ سکتے ہیں؟ احناف کے یہاں یہ تین روزے مسلسل رکھے جائیں گے، انہوں نے اس کو کفارۂ ظہار پر قیاس کیا ہے، اور اس امر کو بھی پیش نظر رکھا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں تین روزوں کے ساتھ مسلسل **"فصیام ثلثة ایام متتابعات"** کی قید لگائی گئی ہے، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک چونکہ آیت میں مطلق تین روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے ان روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری نہیں۔ (فتح القدیر: ۸۱ / ۵)

اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ مالی کفارہ سے روزہ یعنی بدنی کفارہ کی طرف منتقل ہونے کے لئے کس وقت کا فقر معتبر ہے؟ حنفیہ کے نزدیک جس وقت کفارہ ادا کرنے کا ارادہ کیا، اگر اس وقت مالی کفارہ ادا کرنے پر قادر نہیں تھا تو اس کے لئے روزہ رکھ کر کفارہ ادا کرنے کی گنجائش ہے، اور حنابلہ کے نزدیک یہ اجازت اس وقت ہے، جب کہ حانث ہونے کے وقت ہی وہ کفارۂ مالی ادا کرنے کے لائق نہ ہو، اگر ایک شخص حانث ہونے کے وقت کفارۂ مالی ادا کرنے پر قادر تھا لیکن اس نے تاخیر کی یہاں تک کہ اب کفارہ مالی ادا کرنے کے لئے لائق نہیں رہا، تو حنابلہ کے نزدیک اب روزے رکھنا کافی نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک روزے رکھنے کی گنجائش ہے، یہی رائے مالکیہ اور شوافع کی بھی ہے۔

(فتح القدیر: ۸۳ / ۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴۹۰، ۴۹۱ / ۳)

{۱۸}......حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کرے یا بعد میں؟

کفارہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں اس بات میں اختلاف ہے کہ حانث ہونے سے پہلے ہی کفارہ ادا کر دینا کافی ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک پہلے کفارہ ادا کرنا درست نہیں اگر حانث ہونے سے پہلے ہی کفارہ ادا کر دیا تو یہ کافی نہیں ہوگا، اس لئے کہ کفارہ کا سبب حانث ہونا ہے تو جب تک کسی چیز کے واجب ہونے کا سبب ہی نہ پایا جائے اس کی ادائیگی کیوں کر درست ہوسکتی ہے، مالکیہ شوافع اور حنابلہ کے

نزدیک حانث ہونے سے پہلے بھی کفارہ کا ادا کردینا کافی ہے۔(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ:۸۰/ ۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم کسی چیز کی قسم کھاؤ اور دوسری بات کو اس سے بہتر پاؤ تو قسم کا کفارہ ادا کرو، اور جسے بہتر سمجھے ہو اسے کر گذرو۔

(بخاری شریف: ۶۷۲۲)

جواب: حنفیہ کا خیال ہے کہ اس حدیث میں ترتیب بتلانا مقصود نہیں کہ پہلے کفارہ ادا کرو، پھر قسم کی خلاف ورزی کرو، بلکہ مقصود صرف اس قدر ہے کہ ایسی قسم پر اصرار نہ کیا جائے، چنانچہ یہ روایت ابو داؤد میں بھی نقل کی گئی ہے، اور اس میں فرمایا گیا ہے کہ جس بات کو بہتر سمجھتے ہو اسے کرلو اور قسم کا کفارہ ادا کرو۔ یعنی قسم توڑنے کا ذکر پہلے ہے، اور کفارہ ادا کرنے کا ذکر بعد میں۔(ابو داؤد شریف: ۴۶۴/ ۲)

{۱۹}......مسکینوں کو کھانا کھلانا

دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ ان کو دو وقت دوپہر اور شب میں اتنا کھانا کھلا دیا جائے کہ آسودہ ہوجائیں، کھانے کا مالک بنانا حنفیہ کے یہاں ضروری نہیں، اگر بطور اباحت کھانا کھلا دیا تو یہ بھی کافی ہے، اور مالک بنادے تو یہ بھی درست ہے۔(شامی:۶۱/ ۳)

اگر ایک وقت کا کھانا کھلا دے اور ایک وقت کے کھانے کی قیمت ادا کردے تو یہ بھی درست ہے، البتہ یہ درست نہیں ہے کہ مثلا ایک فقیر کو دن کا کھانا کھلائے اور دوسرے فقیر کو رات کا کھانا۔

(شامی:۶۱/ ۳)

اگر بجائے کھانا کھلانے کے غلہ دینا چاہے تو حنفیہ اور دوسرے فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں وہی اختلاف ہے جو اختلاف صدقۃ الفطر کے سلسلہ میں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فی کس نصف صاع (ای ۵۹۰ر کیلو گرام) گیہوں ادا کرنا کافی ہوگا، اور شوافع وغیرہ کے نزدیک ایک صاع (۱۸۰ء۳ کیلو گرام) ادا کرنا ضروری ہے۔

اس طرح کا حیلہ کرنا کہ کسی فقیر کو کھانا دیا جائے پھر اس سے واپس لیا جائے تاکہ یہی کھانا دس مسکینوں کے کھانے کے قائم مقام ہوجائے جائز نہیں اور اس سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔(شامی:۶۱/ ۳)

{۲۰}......مسکینوں کے لئے کپڑوں کا انتظام

اگر کفارہ کے طور پر کپڑے دینے ہوں تو کتنے کپڑے کافی ہوں گے؟

اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ منقول ہے کہ کم سے کم ایسا کپڑا ہونا چاہئے جو عمومی طور پر بدن کو ڈھانپ دے، صاحب ہدایہ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (ہدایہ مع الفتح: ۸۲/ ۵)

ایک قول یہ منقول ہے کہ اگر اتنا کپڑا دیا جائے کہ جس سے نماز درست ہو جائے تو جیسے مرد کو صرف پائجامہ یا لنگی دے دی جائے تو یہ بھی کافی ہے، یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ (ہدایہ مع الفتح: ۸۲/ ۵)

البتہ ایک ہی کپڑا دیا جائے لیکن مقصود کپڑا دینا نہ ہو بلکہ دو وقت کے کھانے کی قیمت کپڑے کی شکل میں ادا کرنا چاہتا ہو اور واقعی وہ کپڑا اس قیمت کا ہو یہ کافی ہو جائے گا۔

(ہدایہ مع الفتح: ۸۲/ ۵، شامی: ۶۱/ ۳)

یہ بات بھی درست ہے کہ ایک ساتھ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے یا کپڑا دیدیا جائے اور یہ بات بھی درست ہے کہ ایک سے زیادہ دنوں میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا کپڑا پہنانے کا کفارہ ادا کیا جائے۔

{۲۱}......اگر کوئی چیز اپنے اوپر حرام کرلے؟

اگر کسی شخص نے قسم کے الفاظ تو استعمال نہیں کئے لیکن کسی جائز چیز کو اپنے اوپر حرام کرلیا، جیسے کہے کہ ''مجھ پر یہ کپڑا یا یہ کھانا حرام ہے'' تو اس کی وجہ سے وہ شیٔ تو اس پر حرام نہ ہوگی اور اس کے لئے اس کا استعمال جائز اور حلال ہوگا، البتہ اگر اس حرام کی ہوئی چیز کو استعمال کرے تو کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

(ہدایہ مع الفتح: ۸۲/ ۳)

{۲۲}......قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا یا کھلانے والے کی؟

قسم اور یمین کے سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص سے قسم کھلائی

خواہ اپنے طور پر یا قاضی کے واسطہ سے قسم کھانے والا ظاہری معنی مراد لینے کے بجائے ایسا معنی مراد لے لے جو قسم کھلانے والا کے منشاء کے خلاف ہو، جیسے چھت کہے اور آسمان مراد لے، فرش سے زمین اور لباس سے رات مراد لے تو کیا قسم کھانے والے کی نیت معتبر ہوگی؟

اس سلسلہ میں فقہا نے تفصیل کی ہے، اگر قسم کھانے والا ظالم ہے اور قسم لینے والا مظلوم ہو، تو قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا تا کہ اس کی داد رسی ہو سکے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم میں قسم کھلانے والے کی نیت معتبر ہوگی۔ **"الیمین علی نیة المستحلف"** (مسلم شریف: ۴۲۸۴)

یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ (بدائع: ۳/۲۰)

اور ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ہمیں اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔ (المغنی: ۹/۴۲۱)

دوسری صورت یہ ہے کہ قسم لینے والا ظالم ہو اور قسم کھانے والا مظلوم ہو، ایسی صورت میں قسم کھانے والے کی نیت معتبر ہوگی۔ (بدائع: ۳/۲۰، المغنی: ۹/۴۲۰)

تیسری صورت یہ ہے کہ قسم کھانے والا نہ ظالم ہے اور نہ مظلوم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے، کہ اس صورت میں بھی قسم کھانے والے کی نیت معتبر ہوگی، ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہی رائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور اس مسئلہ میں کسی فقیہ کا اختلاف ہمارے علم میں نہیں ہے۔

(المغنی: ۹/۴۲۱)

تاہم علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اہم بات پر متنبہ فرمایا ہے کہ قسم کھانے والے کی نیت کے معتبر ہونے اور نہ ہونے کا تعلق اس قسم سے ہے جو زمانہ گذشتہ سے متعلق ہو، اگر مستقبل سے متعلق قسم کھائی جائے تو قسم کھانے والے کی نیت معتبر ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اس یمین کا عاقد ہے، اور کوئی بھی عقد عاقد ہی کی نیت سے متعلق ہوتا ہے۔ (بدائع: ۳/۲۱، قاموس الفقہ: ۵/۳۶۱،۳۵۳)

ایمان کے مباحث مکمل ہو چکے ہیں اب ہم نذور سے متعلق مباحث کو یہاں اولا اجمالی پھر ان کی قدر تفصیل ذکر کر رہے ہیں

خلاصة الباب: حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے باب الایمان والنذور کے تحت کل ۴۹/احادیث کو ذکر کیا ہے اول باب کے تحت بیس احادیث وروایات درج کی ہیں جو قسم نذر کفارۂ یمین غیر اللہ کی قسم کی ممانعت جھوٹی قسم کی وعید عہدہ طلبی کی ممانعت اور قسم کے خلاف میں بہتری کے وقت قسم توڑنے کو ترجیح دینا وغیرہ مسائل پر مشتمل ہیں پھر آئندہ آنے والے باب باب فی النذور کے تحت ۱۹/احادیث کو درج کیا گیا ہے جو نذر کے جواز اس کے پورا کرنے کے وجوب نذر معصیت پر کفارہ یمین اور جاہلیت کی نذر اور یمین بغیر اللہ کی ممانعت جیسے مسائل پر مشتمل ہیں یہ خلاصہ تھا آئندہ آنے والی احادیث روایات کا۔

ذیل میں نذر سے متعلق پندرہ مباحث کو اول اجمالاً اس کے بعد بقدر تفصیل ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱)......نذر کے لغوی وشرعی معنی۔
(۲)......ارکان نذر
(۳)......شرائط نذر
(۴)......نذر مانی ہوئی شَیَ سے متعلق شرطیں۔
(۵)......ممنوع اوقات میں عبادت کی نذر۔
(۶)......بیٹے کی قربانی کی نذر۔
(۷)...... پیدل حج کرنے کی نذر۔
(۸)......نذر میں استثنایٰ۔
(۹)......نذر ماننے کا حکم۔
(۱۰)......نذر کا اثر۔
(۱۱)......نذر پوری کرنا کب واجب ہے؟
(۱۲)......ادائیگی فوراً واجب ہے یا بہ تاخیر۔
(۱۳)......حکم کے اعتبار سے نذر کی چار صورتیں۔
(۱۴)......نذر کی اقسام خمسہ۔
(۱۵)......مائۃ مسائل کا شاندار اقتباس۔

{۱}......نذر کے لغوی وشرعی معنی

نذر کے لغوی معنی کسی چیز کو واجب اور لازم کر لینے کے ہیں۔(القاموس المحیط: ۶۱۹، حاشیہ صاوی علی الشرح الصغیر: ۲/۲۴۹)

عربی زبان میں اس کی جمع **"نذور"** اور **"نذر"**(ن)اور(ذ) کے پیش کے ساتھ) آتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں کسی مباح کام کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اجلال کی نیت سے اپنے اوپر واجب کر لینا **"نذر"** ہے۔(کتاب التعریفات: ۲۶۸)

نذر کے مشروع اور معتبر ہونے کی دلیل قرآن وحدیث اور اجماع ہے قرآن کریم میں ایک سے زیادہ مواقع پر نذر کو پورا کرنے کا ذکر ہے۔ (الدہر: ۷، الحج: ۲۹) جو اللہ کی فرماں برداری کی نذر مانے تو اسے نذر پوری کرنی چاہئے، **"من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ ومن نذر ان یعص اللہ فلایعصہ"** جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی اسے چاہئے کہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔ (بخاری شریف: ۹۹۱/ ۲)

نیز ابن قدامہ نے نقل کیا ہے کہ فی الجملہ نذر کے صحیح ہونے اور اس کے ایفاء کے واجب ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (المغنی: ۶۷/ ۱۰)

{۲}......ارکان نذر

حنفیہ کے نزدیک نذر کا رکن ایک ہی ہے اور وہ ہے زبان سے صیغہ نذر کو ادا کرنا، جیسے یوں کہنا: مجھ پر اللہ کیلئے یہ واجب ہے یا کہے میرا مال اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، وغیرہ۔ (بدائع الصنائع: ۸۱/ ۵)

دوسرے فقہاء کے نزدیک علاوہ صیغہ نذر، نذر ماننے والا (ناذر) اور جس چیز کی نذر مانی جائے یہ تینوں چیزیں نذر کے ارکان ہیں۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴۶۸/ ۳)

{۳}......شرائط نذر

نذر سے متعلق شرائط تین طرح کی ہیں: ایک وہ جن کا تعلق نذر ماننے والے سے ہے، دوسرے، وہ جن کا تعلق اس چیز سے ہے جن کی نذر مانی جائے، تیسرے وہ جن کا تعلق خود صیغہ نذر سے ہے۔

نذر ماننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل اور بالغ اور مسلمان ہو، پاگل سمجھ دار یا ناسمجھ بچہ اور کافر کی نذر کا اعتبار نہیں، اگر کافر نے مسلمان ہونے سے پہلے کوئی نذر مانی پھر مسلمان ہوگیا تو اس نذر کا پورا کرنا اس پر واجب نہ ہوگا، البتہ حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے اس شخص نے برضاء ورغبت نذر مانی ہو، اگر اس نے جبر واکراہ کے تحت نذر مانی تب بھی نذر منعقد ہوجائے گی۔ (بدائع الصنائع: ۸۱، ۸۲/ ۵)

{۴}......نذر مانی ہوئی شیٔ سے متعلق شرطیں

جس چیز کی نذر مانی جائے اس سے متعلق شرطیں یہ ہیں:

(۱) شرعا اس کا وجود ممکن ہو، اگر کسی شخص نے رات میں روزہ رکھنے کی نذر مانی لی، یا کسی عورت نے زمانہ حیض میں روزہ کی نذر مانی تو نذر منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ رات میں اور حیض کی حالت میں شرعا روزہ ہو ہی نہیں سکتا، علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو کسی قدر عموم کے ساتھ یوں کہا ہے کہ جس چیز کی نذر مانی جائے وہ ناممکن نہ ہو، مثلا یوں کہا جائے، میں کل گذشتہ کے روزہ یا ماہ گذشتہ کے اعتکاف کی نذر مانتا ہوں ایسی نذر بھی غیر معتبر ہے۔ (البحر الرائق: ۲/۲۹۴)

(۲) یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عبادت اور اللہ سے تقرب کا ذریعہ ہو۔

معصیت کی نذر صحیح نہیں ہے، جیسے کوئی شخص شراب پینے یا کسی ایسے شخص کو قتل کرنے کی نذر مانے جس کا قتل جائز نہیں، تو یہ نذر بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی نافرمانی کی نذر درست نہیں، **"لانذر فی معصیت اللہ"** (مسلم شریف) اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ ایسی نذر پوری نہیں کی جائے گی، البتہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں نذر ماننے والے کو کفارہ قسم ادا کرنا پڑے گا۔ (المغنی: ۱۰/۶۹، البحر الرائق: ۲/۲۹۴)

کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معصیت میں نذر کا اعتبار نہیں اور اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے، **"لانذر فی معصیة و کفارته کفارة یمین"**

(ابوداؤد شریف: ۲/۴۶۷)

اسی طرح اگر ایسی چیز کی نذر مانی جو محض مباح ہے جیسے کھانا، پینا تو اس کا بھی اعتبار نہیں اور ایسی صورت میں نذر منعقد نہیں ہوگی۔

(۳) یہ بھی ضروری ہے کہ جس بات کی نذر مانی جائے وہ عبادت مقصودہ کا درجہ رکھتی ہو، جیسے نماز، روزہ، حج عمرہ، اعتکاف قربانی وغیرہ جو چیزیں عبادت مقصودہ کا درجہ نہیں رکھتیں، جیسے مریضوں کی عیادت، جنازہ کے ساتھ چلنا، وضوء غسل، مسجد میں داخل ہونا، مصحف قرآنی کو چھونا اور اذان

وغیرہ، ان کی نذر معتبر نہیں۔

شوافع کے نزدیک ایسی نیکی کی نذر ماننا بھی درست ہے، جو آدمی پر مستقل طور پر واجب نہیں، جیسے مریض کی عیادت، جنازہ کی مشایعت اور سلام وغیرہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳/۴۷۱)

اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں یہ بات متفق علیہ ہے کہ ان تمام اعمال کی نذر معتبر ہے، جن کی جنس آدمی پر واجب ہوتی ہے، جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ، اس میں ایک شبہ اعتکاف کے سلسلہ میں ہوتا ہے کہ بظاہر اعتکاف کی جنس واجب نہیں، لیکن اہل علم کا خیال ہے کہ اعتکاف ایک ہی جگہ پر رک کے رہنے کا نام ہے، جس کی جنس نماز میں قعدہ اخیرہ اور حج میں وقوف عرفہ ہے اور یہ دونوں فرض ہیں۔ (البحر الرائق: ۲/۲۹۴)

اس لئے اعتکاف کی نذر بھی بالاتفاق معتبر ہے۔

(۴) یہ بھی ضروری ہے کہ جس چیز کی نذر مان رہا ہے، نذر ماننے کے وقت وہ اس کی ملکیت میں ہو یا نذر مانی ہی ہو ملکیت کی شرط کے ساتھ یعنی اگر کوئی شخص مثلاً بکری کا مالک نہ ہو اور کسی متعین بکری کی نذر مان لے جو دوسرے کی ملکیت میں ہو فلاں بکری صدقہ ہے، تو اس کا اعتبار نہیں۔

کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو اسکی نذر ماننے کا اعتبار نہیں۔

"لانذر فیما لا یملکہ ابن آدم" (ابن ماجہ شریف: ۱/۱۵۴)

اس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔

البتہ اگر یوں نذر مانے کہ اگر فلاں بکری کا مالک ہو گیا تو وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں نذر منعقد ہو جائے گی، اور جب بھی وہ بکری اس کی ملکیت میں آئے گی نذر کی تکمیل واجب ہوگی، یہ حنفیہ کی رائے ہے اور ان کا استدلال قرآن کریم کی اس آیت سے ہے: **"ومنہم من عٰہد اللہ لئن اٰتٰنا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین"** (توبہ: ۷۵)

لوگوں میں بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا کہ اگر اللہ اپنے فضل سے کچھ عنایت کرے تو ہم ضرور صدقہ کریں گے، اور ضرور نیک لوگوں میں ہوں گے۔

پھر آگے اللہ تعالیٰ نے ان کی عہد شکنی کی مذمت فرمائی (توبہ: ۷۶، ۷۷)

یہی رائے مالکیہ کی بھی ہے۔ (شرح الصغیر: ۲/۲۶۳)

شوافع کے نزدیک ایسی نذر معتبر نہیں کیونکہ یہ ارشاد نبوی ﷺ **"لانذر فیما لا یملکه ابن آدم"** آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو، اس کی نذر معتبر نہیں، کے دائرہ میں آتی ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴۷۴ / ۳)

(۵) جس چیز کی نذر مانی جارہی ہے وہ پہلے ہی سے فرض عین یا فرض کفایہ یا واجب عین یا واجب کفایہ نہ ہو، اس لئے نماز پنجگانہ، نماز جنازہ، وتر، صدقۃ الفطر اور مردہ کی تجہیز وتکفین کی نذر معتبر نہیں ہے، کیونکہ یہ تو پہلے ہی سے فرض یا واجب ہیں۔ (ملخص از بدائع الصنائع: ۸۲، ۹۰ / ۵)

{۵}......ممنوعہ اوقات میں عبادت کی نذر

اگر ایسے وقت عبادت کو انجام دینے کی نذر مانی جائے جس وقت کو شریعت نے اس عبادت کے لئے ناپسند کیا ہے، جیسے عید الفطر کے دن یا ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی نذر، تو حنفیہ کے نزدیک یہ نذر معتبر ہوگی، البتہ اس پر واجب ہے کہ وہ اس دن روزہ نہ رکھے اور دوسرے دنوں میں اس کی قضاء کرلے، حنفیہ میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نیز دوسرے فقہاء کے نزدیک ایسی نذر کا سرے سے کوئی اعتبار ہی نہیں، نہ اس دن روزہ رکھے اور نہ دوسرے دن۔ (بدائع الصنائع: ۸۳ / ۵، رحمۃ الائمہ: ۱۵۳)

{۶}......بیٹے کی قربانی

اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے یا کسی انسان کی قربانی کی نذر مان لی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نذر تو منعقد ہو جائیگی لیکن بجائے لڑکے کے کسی جانور کی قربانی واجب ہوگی، اونٹ کی قربانی افضل ہے ورنہ گائے کی پھر بکری کی، یہ رائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام زفر اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نذر غیر معتبر ہے۔ (بدائع الصنائع: ۸۵ / ۵)

{۷}...... پیدل حج کرنے کی نذر

اگر کسی شخص نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی تو یہ نذر معتبر ہے، اور اس پر اتفاق ہے، کیونکہ

پیدل حج کرنے میں اجر وثواب زیادہ ہے چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے پیدل حج کیا اس کو ہر قدم کے بدلے حرم کی نیکیوں میں سے ایک نیکی حاصل ہوگی، دریافت کیا گیا کہ حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک نیکی دس کروڑ نیکیوں کے برابر ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۲۴۴/۴)

مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

البتہ اگر پیدل چلنے میں مشقت ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے کہ سواری کا استعمال کریں، اور نذر پوری نہ کرنے کی وجہ سے کم سے کم بکری کی قربانی دے دیں۔ (بدائع الصنائع: ۸۴/۵)

یہی رائے شوافع اور مالکیہ کی بھی ہے، البتہ ان فقہاء کے نزدیک اونٹ ہی کی قربانی ضروری ہے۔ (شرح مہذب: ۸۶۲/۲، الشرح الصغیر: ۲۵۸/۲)

امام احمد کا بھی ایک قول اسی طرح کا ہے، لیکن قول مشہور یہ ہے کہ اس کی قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

(المغنی: ۷۴/۱۰)

ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کو پیش نظر رکھا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اپنی بہن کے بارے میں دریافت کیا، جنہوں نے پیدل کعبہ جانے کی نذر مانی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس نذر سے بے نیاز ہے، اسے چاہئے کہ سوار ہو اور اونٹنی کی قربانی دے۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۲۴۷/۴)

اور مستدرک حاکم کی روایت میں اونٹ کی تعیین نہیں ہے، بلکہ مطلقاً قربانی کا ذکر ہے۔

(نصب الرایہ: ۳۰۵/۳)

{۸}......نذر میں استثناء

نذر کے اصل رکن یعنی صیغہ وتعبیر سے متعلق شرط یہ ہے کہ استثناء کے ذریعہ کلام کو بے اثر نہ کر دیا جائے۔ (بدائع الصنائع: ۹۰/۵)

چنانچہ اگر کوئی شخص صیغہ نذر کے ساتھ انشاء اللہ کہے، مثلاً مجھ پر چار رکعت نماز ہے انشاء اللہ تو یہ

انشاء اللہ کا کلمہ فقہاء کی اصطلاح میں استثناء تعطیل ہے یعنی کلام سابق کو بے اثر کر دیتا ہے۔

{۹}......نذر ماننے کا حکم

نذر سے متعلق حکم کی بابت بنیادی طور پر دو پہلو ہیں: اول یہ کہ خود نذر ماننا کیسا عمل ہے؟ مکروہ ہے؟ یا محض مباح ہے؟...... دوسرے نذر ماننے کے بعد کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ اور کن صورتوں میں نذر کو پورا کرنا یا کفارہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے؟

پہلے مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک ایسی باتوں کی نذر ماننا جن کا شمار طاعات میں ہے مباح ہے، نذر مطلق ہو یا مشروط، مالکیہ کے نزدیک نذر مطلق مستحب ہے، کسی ایسی بات سے مشروط نذر جو معصیت کی نہ ہو جیسے: اگر میں شفایاب ہو جاؤں تو مجھ پر صدقہ ہے، کے بارے میں مالکیہ کے یہاں اختلاف ہے، علامہ دردیر، علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن شاس رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے، اور ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مباح ہے ایسی نذر جو کسی عمل طاعت میں تکرار کا تقاضہ کرتی ہو، جیسے کہا جائے کہ میں ہر جمعرات کے روزہ کی نذر مانتا ہوں تو یہ مکروہ ہے۔ (بدائع الصنائع: ۵/۹۰)

حنابلہ کے نزدیک نذر مستحب نہیں، بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳/۴۷۴)

کیونکہ آنحضرت ﷺ نے نذر کو پسند نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا ہے کہ نذر سے تقدیر نہیں بدلتی بلکہ یہ بخیل سے مال نکلوانے کا ذریعہ ہے۔ (المغنی: ۱۰/۶۷، الشرح الصغیر حاشیہ حاوی: ۲/۲۵۲)

شوافع کا عام قول بھی کراہیت ہی کا ہے، البتہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مشائخ شافعیہ استحباب کے قائل ہیں۔ (المغنی: ۱۰/۶۷)

صاحب ملتقی کا قول: جس آدمی نے مطلق نذر مانی یعنی اپنی نذر کو کسی شرط سے مشروط نہیں کیا مثلاً اس طرح کہا میں رضائے الٰہی کے لئے روزے رکھوں گا، یا اس طرح کی نذر مانی جو کسی شرط سے معلق ہو اور وہ شرط ابھی اس طرح کی ہو کہ وہ اس کے پورا ہونے کی تمنا اور خواہش رکھتا ہو اور اس کا ارادہ ہو کہ وہ پوری ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میں صحت یاب ہوا تو روزے رکھوں گا، پھر ارادہ پورا ہو جائے یعنی اسے صحت حاصل ہو جائے تو ان دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے کہ نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔ اگر اس نے اپنی

نذر کو کسی ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے جس کے پورا ہونے کی وہ خواہش نہیں رکھتا مثلاً اس طرح کہتا ہے کہ اگر میں زنا کروں تو مجھ پر غلام آزاد کرنا لازم آئے، اس صورت میں اسے اختیار حاصل ہوگا کہ خواہ وہ قسم کا کفارہ ادا کرے یا نذر کو پورا کرے یعنی غلام آزاد کرے۔(مظاہر حق: ۳۰۷/۴)

{۱۰}......نذر کا اثر

نذر پر کیا اثر مرتب ہوگا؟ اس سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی متیقن بات کی نذر مانی گئی ہو تو چاہے نذر مطلق ہو جیسے کہا جائے کہ، میں اللہ کے لئے حج کی نذر مانتا ہوں، یا نذر مشروط ہو جیسے یوں کہے کہ اگر میں بیماری سے شفایاب ہوگیا تو میں ایک ہزار روپے صدقہ کروں گا، ہر دو صورت میں جس چیز کی نذر مانی ہے، اس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نذر کو پورا کرنے کا حکم فرمایا: **"ولیوفوا نذورھم"** (الحج:۲۹) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی اسے نذر پوری کرنی چاہئے، **"من نذر ان یطیع اللہ فلیطعہ"** (بخاری شریف: ۹۹۰/۲)

نیز اس پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔

البتہ اگر کسی شخص نے نذر کو ایسی بات کے ساتھ مشروط کیا کہ وہ اس کے وقوع کو نہیں چاہتا ہو، مثلاً کسی نے غصہ میں کہہ دیا کہ اگر فلاں سے بات کروں تو مجھ پر دس ہزار روپیہ صدقہ حالانکہ وہ چاہتا ہے کہ اس سے بات کرے، اس صورت کو فقہاء شوافع **"یمین غضب"** کہتے ہیں اور شوافع کے نزدیک اس صورت میں اس کو اختیار ہے کہ یا تو جس چیز کی نذر مانی ہے اسے پورا کرے یا قسم کا کفارہ ادا کرے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نذر کو پورا کرنا ضروری ہے، لیکن عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور عبد العزیز بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور علی بن معبد رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا تھا۔ اور اس بات کے قائل ہوگئے تھے کہ کفارہ قسم کا ادا کردینا کافی ہے۔

اگر نذر مانی اور متعین نہیں کیا کہ کس چیز کی نذر مان رہا ہے؟ مثلاً یوں کہا مجھ پر اللہ کے لئے نذر ہے، تو اگر اس نے اپنے دل میں کسی خاص عمل جیسے نماز، روزہ حج یا عمرہ کی نیت کی تھی تو نیت کے مطابق

نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا، اور اگر کوئی نیت نہیں تھی تو کفارہ قسم ادا کریگا، ہر دو صورت میں اگر نذر مطلق ہے تو فی الحال حانث ہو جائے گا اور اگر کسی شرط سے متعلق ہے تو شرط کے پورا ہونے کے وقت نذر کو اسی تفصیل کے مطابق ادا کرنا واجب ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۵/۹۳)

{۱۱}......نذر پوری کرنی کب واجب ہے؟

نذر کو پورا کرنا کب واجب ہوگا؟ اس سلسلہ میں مجموعی طور پر چار صورتیں ہیں:

(۱) نذر مطلق ہو نہ کوئی شرط ہو، نہ کسی جگہ اور وقت کی قید اس صورت میں فوراً ہی نذر کا وجود ہو جاتا ہے، اور وہ نذر ماننے والے کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے۔

(۲) نذر کسی شرط سے متعلق ہو، جیسے کہا جائے کہ اگر فلاں غائب شخص آجائے تو میں دو رکعت نماز ادا کروں گا، تو جب تک شرط نہ پائی جائے بالاتفاق نذر کا ایفاء واجب ہوگا، یہاں تک کہ اگر شرط کے پائے جانے سے پہلے ہی وہ اسی نیت سے دو رکعت نماز ادا کرلے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) اگر نذر کو کسی خاص جگہ سے متعلق کیا تھا مثلاً یہ کہ میں فلاں جگہ دو رکعت نماز پڑھوں گا، یا فلاں مقام کے فقراء پر صدقہ کروں گا، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جگہ کی قید غیر معتبر ہے، کہیں بھی نماز پڑھ لے اور صدقہ کردے کافی ہے، البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی جگہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

(۴) اگر نذر کو وقت سے متعلق کیا تھا مثلاً یوں کہا کہ، میں رجب کا روزہ رکھوں گا، یا فلاں دن صدقہ کروں گا، تو اس صورت میں بھی وقت کی قید غیر معتبر ہے، اگر بدنی عبادات جیسے نماز و روزہ کی نذر ہو تو وقت سے پہلے اس کی ادائیگی کافی نہیں ہوگی۔ (ملخص از، بدائع الصنائع: ۵/۹۳)

{۱۲}......ادائیگی فوراً واجب ہے یا بہ تاخیر؟

نذر کے واجب ہونے کے بعد پھر یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس کو ادا کرنا فوراً واجب ہوگا یا بتاخیر بھی ادا کرسکتا ہے؟ فقہاء کی اصطلاح میں اس کا وجوب علی الفور ہوگا یا علی التراخی؟ تو اگر نذر کسی وقت متعین سے متعلق ہو مثلاً کوئی شخص کہے، میں کل کے روزہ کی نذر مانتا ہوں یا کہے، ماہ رجب کے روزہ کی نذر

مانتا ہوں اور رجب سے پہلے روزہ نہیں رکھ پایا، تو ایسی صورت میں وقت مقررہ ہی پر روزہ رکھنا ضروری ہوگا۔

اور اگر غیر متعین وقت کی طرف نذر کی نسبت کی، جیسے، نذر مانی کہ میں ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا، لیکن مہینہ متعین نہیں کیا تو حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ نذر فورا پورا کرنا واجب ہے، اور ابن شجاع بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ فوری طور پر نذر کا پورا کرنا واجب نہیں، زندگی میں کبھی بھی اس کو ادا کر دے کافی ہے۔ (ملخص از: بدائع الصنائع: ۵/۹۳)

{۱۳}......حکم کے اعتبار سے نذر کی چار صورتیں

اصولی طور پر نذر کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے، لیکن اس کا تعلق اس بات سے بھی ہے کہ جس فعل کی نذر مانی گئی ہے، وہ فعل شریعت میں مطلوب ہے یا مذموم؟ اس اعتبار سے اہل علم نے نذر کی چار صورتیں کی ہیں۔

(۱) واجب ایسی چیز کی نذر مانی گئی ہو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قبیل سے ہو جیسے: نماز، روزہ وغیرہ تو ایسی نذر کو پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے۔

(۲) حرام جس چیز کی نذر مانی گئی ہو وہ معصیت ہو جیسے شراب پینے کی نذر، ایسی نذر کو پورا کرنا حرام اور ترک کرنا واجب ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے، البتہ جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہوا، اس صورت میں کفارہ قسم ادا کرنا واجب ہوتا ہے، آج کل میلاد منعقد کرنے کی نذر مانتے ہیں یہ سب اسی حکم میں ہے اور اس کو پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ کفارہ ادا کر دینا چاہئے اور آئندہ ایسی نذر سے توبہ کرنا چاہئے۔

(۳) مکروہ ایسی چیز کی نذر مانی گئی ہو جو مکروہ ہو تو اس کو پورا کرنا بھی مکروہ ہے۔

(۴) مباح ایسی چیز کی نذر مانی گئی ہو جو محض مباح ہے جیسے کھانا، پینا تو اس سے نذر منعقد نہیں ہوتی، چاہے تو اسے کرے یا چھوڑ دے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳/۴۶۹)

نذر سے متعلق یہ اصولی اور ضروری احکام ہیں، جزوی تفصیلات کے لئے ہندیہ: ۲۰۸/۱۰۱، البحر الرائق: ۲۹۴/۹۸/۲، اور دوسری کتب فقہ دیکھی جا سکتی ہیں۔ (قاموس الفقہ: ۵/۱۸۳/۷۸)

{۱۴}......نذر کی اقسام خمسہ

(۱): **نذر مبہم:** وہ نذر ہے جس کی ناذر نے تعیین نہ کی ہو، مثلا اس نے کہا کہ اگر اس کے بچہ کو شفا ہو جائے تو وہ منت مانتا ہے، مگر کس چیز کی منت مانتا ہے؟ یہ بات واضح نہ کی، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ جب بچہ کو شفا ہو جائے تو قسم کا کفارہ ادا کرے حدیث شریف میں ہے، **"من نذر نذراً لم یسمه فکفارته کفارۃ یمین"** (مشکوۃ شریف) جس نے کوئی ایسی نذر مانی جس کی تعیین نہ کی ہو تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور اس کی وجہ نذر یمین کے معنی کا قریبی تعلق ہے۔

(۲) **نذر مباح:** یعنی ایسے کام کی نذر ماننا جس میں نہ طاعت کے معنی ہوں نہ معصیت کے، یا نذر طاعت ہو مگر شرعا وہ نذر صحیح نہ ہو، جیسے کافر کی، یا بچہ کی نذر، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر واجب نہیں مگر اس کا وفا جائز ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں مسجد میں ایک رات اعتکاف کی منت مانی تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اپنی نذر پوری کرو'' (بخاری شریف: حدیث نمبر: ۲۰۳۲)

اور عدم وجوب کی دلیل ابواسرائیل کا واقعہ ہے جو آئندہ آرہا ہے۔

(۳) **نذر طاعت:** یعنی ایسی عبادت کی نذر ماننا جس کی جنس سے کوئی واجب عبادت ہو جیسے نماز، روزے اور پیدل حج کرنے کی نذر ماننا، یہی اصل نذر ہے اور اسی کا ایفا واجب ہے، قرآن کریم میں ہے، **"ولیوفوا نذورھم"** (سورہ حج) یعنی چاہئے کہ حجاج اپنی منتیں پوری کریں، البتہ اگر کسی معین جگہ یا کسی معین صورت میں نذر مانی ہو تو وہ لغو ہے، نفس طاعت کی نذر درست ہے۔

(۴) **نذر معصیت:** جیسے شراب پینے کی یا زنا کرنے کی نذر ماننا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا وفا نہ واجب ہے نہ جائز، بلکہ قسم کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے، (روایت پہلے گذر چکی ہے) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کی نذر ماننا حرام کو حلال کرنا ہے، جو بحکم یمین ہے، جیسا کہ اس کی برعکس صورت یعنی حلال کو حرام کرنا یمین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شہد کو حرام کرلیا تھا، سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ شہد استعمال کریں اور قسم کا کفارہ دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے شہد استعمال کیا اور کفارہ میں غلام آزاد کیا۔

(۵) نذر مستحیل یعنی دشوار کام کی نذر: جیسے بہت بوڑھے شخص کا یا عورت کا یا دور دراز ممالک کے باشندے کا پیدل حج کرنے کی منت ماننا یا جیسے زمانہ بھر کے روزوں کی منت ماننا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر منت پوری نہ کرسکے تو قسم کا کفارہ دے حدیث میں ہے جس نے ایسی چیز کی منت مانی جو اس کے بس کی نہیں تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔

(مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ: ۵۸۷/۵، فیض المشکوۃ: ۳۱۴/۶)

{۱۵}......مأۃ مسائل کا شاندار اقتباس

اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی نذر ماننا جائز نہیں ہے نہ کسی نبی کی نہ فرشتے کی اور نہ اولیاء کرام اور نہ کسی اور کی مثلا اس طرح کہنا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو مولود پڑھاؤں گا، یا فلاں کام ہوگیا تو فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا، یا اگر فلاں کام ہوگیا تو مولیٰ مشکل کشا کا روزہ رکھوں گا وغیرہ، غیر اللہ کی نذر ماننا بڑا گناہ ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مأۃ مسائل کا ایک اقتباس ذیل میں زیب قرطاس کیا جارہا ہے کیونکہ وہ اس سلسلہ میں نہایت جامع ہے۔

حضرت ارقام فرماتے ہیں کہ اس طرح نذر ماننا کہ اگر میرا فلاں کام پورا ہوگیا تو میں فلاں بزرگ کے مزار پر اتنے روپیے یا اتنے کھانے چڑھاؤں گا، یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نذر ماننے میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ وہ نذر شرائط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہ ہوگی۔

شرط اول: وہ نذر ایسی چیز کی ہو جس کی جنس شرعی طور پر لازم ہو، (مثلا نماز روزہ وغیرہ) چنانچہ اگر کوئی شخص عیادت مریض کی نذر مان لے (کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں فلاں فلاں مریض کی عیادت کروں گا) تو اس کی یہ نذر درست نہ ہوگی کیونکہ مریض کی عیادت یہ ایسی جنس سے نہیں ہے جو شرعی طور پر واجب ہو۔ جیسا کہ قریب میں ہی تفصیل گذر گئی ہے۔

دوسری شرط: جس چیز کی نذر مانی جائے وہ فی الحال بھی واجب نہ ہو اور نہ کسی دوسرے موقعہ پر واجب ہو مثلا نماز پنجگانہ۔

تیسری شرط: جس چیز کی نذر مانی جائے وہ عبادت مقصودہ سے ہو صرف دوسری عبادت کا

ذریعہ ہی نہ ہو مثلاً وضو کرنا اس کی نذر درست نہیں کیونکہ وضو عبادت مقصودہ نہیں ہے بلکہ عبادت مقصودہ کا ذریعہ ہے۔

چوتھی شرط: جو چیز نذر کرے وہ گناہ نہ ہو۔ (فتاوی عالمگیری)

ان شرائط سے معلوم ہوا کہ (۱) اس طرح نذر کرنا کہ میں فلاں ولی کے مزار پر اتنی مقدار میں نقدی یا کھانا پکا کر پہنچاؤں گا یہ درست نہیں، اس لئے کہ نقد اور طعام کا کسی جگہ پہنچانا عبادت نہیں ہے۔ البتہ اگر اس طرح کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری کردیں گے تو فلاں ولی کے خدام فقراء کو کھانا کھلاؤں گا تو اس صورت میں نذر صحیح ہوگی اور اس کا پورا کرنا لازم ہوگا لیکن ولی کے مزار کے خدام وفقراء کی تخصیص لازم نہیں، جس فقیر کو دے گا نذر ادا ہو جائے گی۔

(۲) اگر اس طرح کہے کہ اگر میری فلاں ضرورت پوری ہوگئی تو فلاں ولی کے نام پر یا فلاں بزرگ کے لئے اتنا نقد روپیہ یا اتنا کھانا دوں گا یہ نذر باطل ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے، اور اس کھانے کو استعمال کرنا حرام ہے چنانچہ صاحب البحر الرائق نے اس طرح تحریر فرمایا ہے جس کا ترجمہ تحریر کیا جاتا ہے۔

اور جہاں تک نذر کا تعلق ہے جیسا کہ عام دیکھنے میں آیا عام طور پر نادان لوگ اس طرح نذر مان لیتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا کوئی عزیز غائب ہو یا بیمار ہو یا اس کی کوئی خاص حاجت ہو تو وہ کسی نیک صالح آدمی کے مزار پر آتا ہے اور مزار کا پردہ اپنے سر پر ڈال کر یا قبر کی چادر پکڑ کر اس طرح کہتا ہے اے میرے فلاں بزرگ! اگر میرا فلاں عزیز جو کہ گم ہوگیا واپس آگیا یا بیماری سے صحت یاب ہوگیا یا میرا فلاں مقصد پورا ہوگیا تو میں آپ کے مزار پر بطور نذر اتنی مقدار میں سونا یا اتنی مقدار میں چاندی چڑھاؤں گا تو اس طرح کی نذر بالاتفاق باطل ہے اور اس کے باطل ہونے کی کئی اسباب ہیں۔

پہلا سبب: یہ غیر اللہ کی نذر ہے اور غیر اللہ کی نذر جائز نہیں کیونکہ نذر تو عبادت ہے اور مخلوق عبادت کے لائق نہیں۔

دوسرا سبب: جس کے نام کی نذر مانی گئی ہے وہ بے جان ہے اور بے جان مالک نہیں ہوتا۔

تیسرا سبب: اگر ایسی نذر ماننے کے وقت یہ گمان تھا کہ اللہ کے علاوہ یہ صاحب مزار بندوں کے معاملات میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے تو ایسا اعتقاد کفر ہے۔ لہٰذا اے اللہ! اس طرح نذر ماننے کی بجائے تو ہمیں اس طرح نذر ماننے کی توفیق دے، کہ اے اللہ میں نذر مانتا ہوں کہ تو اگر میرے مریض کو شفا بخش دے گا یا گم ہونے والا عزیز واپس کرا دے گا یا میری فلاں مراد کو پورا کر دے گا تو میں ان فقراء وخدام کو جو سیدہ نفیسہ کے مزار پر رہتے ہیں یا ان فقراء وخدام کو جو امام شافعی امام ابواللیث کی قبر کے پاس رہتے ہیں ان کو میں کھانا کھلاؤں گا، یا ان کی مساجد کے لئے ٹاٹ، چٹائیاں، قالین یا ان کی مساجد کی روشنی کے لئے تیل خرید کر دوں گا، یا میں ان لوگوں کو جو ان صالحین کی مسجدوں میں خدمت کرتے ہیں اور شعائر کو قائم رکھتے ہیں ان کو اتنے پیسے دوں گا، یا ان میں سے کسی ایسی چیز کا ذکر کرے جس میں فقراء ومساکین کا نفع ہو وہ چیز میں فقراء ومساکین کو مہیا کروں گا، تو اس طرح کی نذر درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور بزرگ کا تذکرہ یا اس کے خدام کا تذکرہ نذر کے مصرف کے طور پر ہوگا۔

نذر کا مصرف وہ مستحق لوگ ہیں جو ان بزرگوں کی خانقاہ یا مسجد یا ان کی جامع مسجد میں رہتے ہیں پس یہ نذر درست ہوگی کیونکہ نذر کا مصرف فقراء بھی ہیں اور وہ مصرف یہاں موجود ہے۔

نذر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا مصرف غیر محتاج لوگ نہ ہوں اور نہ کسی قریشی ہاشمی پر خرچ کیا جائے کیونکہ جب تک وہ محتاج نہ ہوں اس وقت تک انہیں نذر کی چیز لینا جائز نہیں۔

نذر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا مصرف منصب والا شخص نہ ہو۔ جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اہل علم پر ان کے علم کی وجہ سے نہ خرچ کیا جائے جب تک کہ وہ مستحق اور محتاج نہ ہوں۔

شریعت اسلام نے نذر کی ہوئی چیز کا صاحب استطاعت پر خرچ کرنا جائز قرار نہیں دیا نذر کے سلسلے میں اس بات پر علماء امت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا حرام ہے اگر کوئی شخص کسی مخلوق یعنی بزرگ وغیرہ کی نذر مانے گا تو نہ وہ نذر صحیح ہے اور نہ اس کا پورا کرنا لازم ہے اور ایسی نذر صرف حرام ہی نہیں بلکہ رشوت کے حکم میں ہے اس لئے اس بزرگ کے خدام اور مجاورین کے لئے اس نذر کا لینا اور اس کا کھانا یا کوئی اور تصرف کرنا جائز نہیں۔

البتہ اگر خادم یا مجاور محتاج ہو اور اپنے ان نادار بچوں کے لئے کفالت کرنے والا ہو جو کمائی کے لائق نہیں اور وہ حالت اضطراری میں ہوں تب ان کو نذر کا مال ابتداء صدقے کے طور پر لینا جائز ہے مگر اس میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ہوگا اس مال کو اس وقت تک لینا مکروہ ہے جب تک نذر کرنے والے کی نیت اس بزرگ کی نذر سے قطع نظر تقرب الی اللہ اور فقراء پر خرچ کرنے کی نہ ہو۔

پس اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے تقرب حاصل کرنے کی نیت سے جو روپیئے سے شمعیں اور تیل وغیرہ ان کی قبور پر چڑھایا جاتا ہے وہ تمام مسلمانوں کے یہاں متفقہ طور پر حرام ہے۔ جب تک کہ نذر ماننے والے فقراء پر خرچ کرنے کی نیت نہ کریں النہر الفائق اور الدر المختار میں بھی مضمون بالکل بحر الرائق کی طرح منقول ہے، حضرت سیدنا شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کی مائۃ مسائل کا اقتباس مکمل ہوا۔

اس موقع پر مزید افادہ کے لئے مولانا رشید الدین خان رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ایک فتویٰ مع سوال و جواب درج کیا جاتا ہے۔

سوال: وہ کھانا جو نذر و نیاز کے طور پر بزرگوں کے لئے مانا جاتا ہے اس کو کھانا اور ان کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طرح؟ نیز بعض نذر اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مانی جاتی ہے اور بعض نذر بلا شرط مانی جاتی ہے ان دونوں میں فرق ہے کہ نہیں؟

جواب: شریعت کی نگاہ میں نذر کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اوپر کسی ایسی چیز کو لازم کرلیا جائے جو اس پر لازم نہیں، چنانچہ جامع الرموز میں اس کی تعریف اس طرح لکھی ہے: "**النذر ایجاب علی النفس مالیس علیہ**" یعنی کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کر لینے کو نذر کہتے ہیں کہ جس پر عمل پیرا ہونا اس پر لازم نہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تعریف: تفسیر کبیر آیت: "**او نذر تم من نذر**" کے تحت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "**النذر ماالزمہ الانسان علی نفسہ**" نذر وہ چیز ہے کہ جس کو انسان اپنے اوپر لازم کرلے۔

ان دونوں تعریفوں سے نذر کی مختصر وضاحت ہوگئی، بقیہ تفصیل اصول فقہ اور فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

نیاز: یہ فارسی لفظ ہے جوکئی معانی رکھتا ہے جن میں ایک معنی یہ بھی ہے تحفہ درویشاں۔ یعنی وہ چیز جو درویشوں کو بطور تحفہ کے دی جائے۔ **"کذافی البرھان القاطع"** ان دونوں الفاظ کو اور ان کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو سامنے رکھ کر ان کا شرعی حکم ماننا اور جاننا چاہئے کہ نذر اللہ کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں اور اگر کوئی آدمی غیر اللہ کی نذر مان بھی لے تو وہ درست نہیں ایسی نذر کی چیز کو لینا اور استعمال میں لانا صحیح نہیں ہے پختہ فقہی روایات کے مطابق قطعاً ناجائز ہے یہ نذر کا حکم ہے۔

اب رہا نیاز کا معاملہ تو جب نیاز کا لغوی معنی تحفہ درویشاں ہے اور وہ بروصلہ یعنی محض بخشش ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی زندہ بزرگ کی خدمت میں بطور نیاز یعنی ہدیہ اور عطیہ کے کوئی چیز پیش کرے تو وہ نیاز درست ہے اور اس بزرگ کو اس چیز کا استعمال کرنا اور کھانا جائز ہے۔

اسی طرح اگر کسی مرنے والے بزرگ کی نیاز یعنی فاتحہ وایصال ثواب وغیرہ کیا جائے تو یہ نیاز بھی جائز ہے، لیکن اس نیاز کی چیز کے متعلق کچھ تفصیل ہے کہ اگر نیاز دینے والے شخص نے مرنے والے بزرگ کو کھانے کی چیز کا ثواب پہنچانے کی نیت سے دی ہے تو اسے صرف فقراء کھا سکتے ہیں، مالدار اور صاحب استطاعت کے لئے نیاز کا کھانا کھانا جائز نہیں اور اگر نیاز دینے والے نے عام مسلمانوں کے لئے مباح کئے جانے والے کھانے کا ثواب اس بزرگ کو پہنچانے کی نیت کی ہے تو اس صورت میں بھی اس چیز کا کھانا ہر بھوکے کے لئے جائز ہے خواہ وہ مستطیع ہو یا فقیر۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ کسی بزرگ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے یا اپنی ضرورت کی شرط پوری ہونے کے ساتھ اس بزرگ کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ مندرجہ بالا منقولات کی روشنی میں ناجائز ہے، اور ایسی نذر کی چیز کو کھانا یا استعمال کرنا ناجائز ہے۔

البتہ جس نذر میں نہ بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت ہو اور نہ کسی ضرورت کو پورا کرنے کی نیت ہو بلکہ پہلے وہ چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے صدقہ کی جاتی ہے اور پھر اس بزرگ کو اس کا ثواب پہنچایا جاتا ہے تو ایسی چیز کا استعمال صاحب حیثیت لوگوں کے لئے تو جائز نہیں۔ لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے اس بزرگ کو اس کھانے والی چیز کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو۔

اور اگر نذر ماننے والے نے اس بزرگ کیلئے اس کھانے والی چیز کے مباح ہونے کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہے تو اس چیز کا اغنیاء کے لئے فقراء کے لئے استعمال کرنا جائز ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ نیاز کا مسئلہ بھی اسی طرح کہ اگر بزرگوں کی نیاز صرف ثواب پہنچانے کی غرض سے ہو تو جائز ہے البتہ ان کا قرب حاصل کرنے یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کسی چیز کو بھی ان کے نام پر اپنے اوپر لازم کرنا جائز نہیں خواہ وہ لازم کرنا اپنی کسی ضرورت سے متعلق ہو یا اس کے بغیر کیونکہ یہ نذر ہے اور نذر اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں پس اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خواہ حاجت پوری کروانے کے لئے یا اس کے بغیر کسی چیز کو اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام پر واجب کیا جائے گا تو یہ دونوں صورتیں ناجائز ہوں گی۔

ہاں بزرگوں کی نیاز اس مفہوم میں تو جائز ہے کہ اس سے کسی بزرگ کا تقرب یا اپنی حاجت پوری کرانے کی نیت نہ ہو بلکہ اسکا مقصد اللہ کی خوشنودی کو حاصل کرنا اور ثواب اس بزرگ کو پہنچانا مقصود ہو، نیاز کے طور پر دی ہوئی چیزوں کو بھی مندرجہ بالا تفصیلات کے مطابق استعمال کرنا جائز ہے۔

چنانچہ صاحب دلیل الفالحین نے لکھا ہے کہ نذر صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے، اور کسی کے لئے نہیں ہوتی، پس اگر کوئی شخص کسی پیغمبر یا نبی یا ولی کے لئے نذر مان لے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی یعنی اس نذر کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں ہوگا۔

نیز اگر وہ شخص اپنی اس نذر کی ہوئی چیز کو اپنی اسی نیت کے ساتھ کسی آدمی کو دے دے تو وہ چیز لینا اس کے لئے جائز نہیں اگر وہ کھانے کی چیز ہے تو اسکا کھانا حلال نہیں اور اگر وہ مذبوحہ جانور ہے تو وہ مردار کے حکم میں ہے اور اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر کھالیں گے تو وہ سب کافر ہو جائیں گے، اور اس کے بالمقابل اگر وہ اللہ کی نذر ہے تو پھر لوگوں کے لئے اس کا کھانا اور اس کے ثواب کا بخشنا ہر کسی کے لئے جائز ہے۔ (مظاہر حق:۳۰۸،۳۱۱/۴)

{الفصل الاول}

قسم کھانے کا طریقہ

{۳۲۶۰} عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ لَا وَمُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ. (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۹۹، باب مقلب القلوب، کتاب التوحید، حدیث نمبر: ۷۳۰۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یوں قسم کھایا کرتے تھے، کہ قسم ہے دلوں کو پھیرنے والے کی۔ (بخاری)

تشریح: قسم باری تعالیٰ کے اسم ذات یعنی اللہ کے ساتھ کھانا چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا ناجائز ہے البتہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسم ذات یعنی لفظ اللہ کی قسم کھانا درست ہے اسی طرح اللہ تبارک تعالیٰ کی صفات سے بھی کھانا درست ہے، **"مقلب القلوب"** یہ اللہ کی صفت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس سے قسم کھاتے تھے۔

"لا" کلام سابق کی نفی کے لئے ہے، **"مقلب القلوب"** دلوں کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، جو لوگ ہٹ دھرمی کرتے ہیں ان کے عناد کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو حق طلبی کی طرف سے ہٹا دیتے ہیں اور جن کو ہدایت دیتا ہے وہ حق سن کر قبول کر لیتے ہیں۔

قال اکثر ما: یعنی آپ کی اکثر قسم **"کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحلف"** جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھاتے تھے وہ یہ ہوتی تھی یعنی کلام سابق میں آپ کی اکثر قسم یہ ہوتی تھی **"لا"** ایسا نہیں ہے، **"مقلب القلوب"** اس جملہ حدیث نے اس بات پر دلالت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم کھائی جا سکتی ہے۔

ترکیب نحوی: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ کی ترکیب یہ بتائی ہے اکثر مبتداء ہے اور مامصدریہ ہے اور یہاں پر وقت مقدر ہے اور کان تامہ ہے اور یحلف حال ہے جو خبر کے قائم مقام یعنی بمقام خبر ہے، اور مقلب القلوب یحلف کا معمول ہے یعنی یحلف لہٰذا القول اور لام یہ کلام سابق کی نفی کے لئے ہے۔ (شرح الطیبی: ۱۹/ ۷)

فائدہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب قائم کیا ہے **"باب کیف کان یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم"** اس کے تحت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یعنی وہ الفاظ جن کے ساتھ آپ ہمیشہ قسم کھاتے تھے یا اکثر، مجموعہ ان کا اس باب میں مذکور ہے وہ چار الفاظ ہیں۔

(۱) **"والذی نفسی بیدہ"** اور ایسے ہی **"والذی نفس محمد بیدہ"** ان میں بعض کے شروع میں لفظ **"لا"** ہے اور بعض کے شروع میں **"اما"** اور بعض کے شروع میں لفظ **"ایم"**

(۲) **"لا ومقلب القلوب"**

(۳) واللہ۔

(۴) **ورب الکعبۃ والاول اکثرھا ورودا"**

حافظ ابن قیم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم کھانا اسی (۸۰) سے زائد مواضع میں منقول ہے **"فی اکثر من ثمانین موضعاً وامرہ اللہ تعالیٰ بالحلف علی تصدیق ما اخبر بہ فی ثلاثۃ مواضع، فی سورۃ یونس وسبا والتغابن"** (الابواب والتراجم مختصراً، الدر المنضود: ۱۹۶/ ۵)

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

{۳۲۶۱} **وَعَنْہُ** اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللہَ یَنْھَاکُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِکُمْ مَنْ کَانَ حَالِفًا فَلْیَحْلِفْ بِاللہِ اَوْ لِیَصْمُتْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۹۸۳/۲، باب لا تحلفوا بآبائکم، کتاب الایمان والنذر، حدیث نمبر: ۶۶۴۶، مسلم شریف: ۴۶/۲، باب النھی عن الحلف، کتاب الایمان،

حدیث نمبر: ۱۶۴۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم لوگوں کو اپنے آباء واجداد کی قسمیں کھانے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا جس شخص کو قسم کھانی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا پھر وہ خاموش رہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، قسم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، لہٰذا اس کی ذات وصفات سے ہی قسم کھانا چاہئے، چونکہ عام طور پر لوگ اپنے آباء واجداد کی قسم کھاتے ہیں اس لئے آباء واجداد کی قسم کھانے سے صراحتاً منع فرمایا ہے۔

ان اللہ ینہاکم ان تحلفوا بآبائکم: باپ کی قسم کھانے کی ممانعت بطور مثال کے ہے، اصل مقصود غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت ہے۔

حدیث شریف سے چند باتیں معلوم ہوئی ہیں کہ ان کو سوال وجواب کے طریقہ پر بیان کیا جارہا ہے۔

(۱) **سوال:** غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کیوں ہے؟

جواب: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غیر اللہ کی قسم کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جاتی ہے، قسم اس کی عظمت کا تقاضہ کرتی ہے اور چوں کہ حقیقی عظمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا غیر اللہ کی قسم کی ممانعت کر دی گئی تاکہ کوئی شئ اللہ کے مشابہ نہ قرار پائے۔

(۲) **سوال:** غیر اللہ کی قسم کی ممانعت میں مثال کے طور پر ہی سہی باپ کا ذکر کر کے باپ کی قسم کھانے کی خصوصی طور پر ممانعت کیوں کی گئی ہے؟

جواب: مثال میں باپ کا ذکر اس لئے ہے کہ عام طور پر لوگ اپنے باپ کی قسم ہی کھاتے ہیں۔

(۳) **اشکال:** جب غیر اللہ کی قسم ممنوع ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر **"افلح وابیہ"** کے ذریعہ کیوں قسم کھائی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کی قسم کیوں کھائی ہے؟

جواب: صاحب مرقاۃ نے اس کی تین وجوہات نقل کی ہیں۔

(۱) جملہ کا تعلق قسم سے نہیں ہے، بلا قصد قسم کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہونے والا کلمہ ہے، اس سے مقصود صرف کلام کی تاکید ہے، قسم کھانا قطعی مقصود نہیں ہے۔

(۲) غیر اللہ کی قسم کی ممانعت سے پہلے کا جملہ ہے۔

(۳) بیان جواز کے لئے ہے، یعنی یہ بتانا مقصود ہے کہ غیر اللہ کی قسم کی ممانعت حرام نہیں ہے۔

اس کا چوتھا جواب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے اصل عبارت اس طرح ہے، **"افلح ورب ابیه"** لہٰذا یہ غیر اللہ کی قسم ہے ہی نہیں۔

صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے میں اللہ تعالیٰ کی سو مرتبہ قسم کھا کر توڑ دوں اس کو اس کے مقابلہ میں بہتر سمجھتا ہوں کہ غیر اللہ کی قسم کھا کر پورا کروں، صاحب مرقاۃ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کی قسم مکروہ ہے خواہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو، کعبہ کی ہو، فرشتوں کی ہو، امانت، حیات، روح وغیرہ جس کی بھی ہو، اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کا خود مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھانا ہے، تو وہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مختار کل اور قادر مطلق ہیں، وہ اپنی عظمت اور بڑائی کے اظہار کے لئے اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہیں قسم کھائیں، ان کو حق حاصل ہے۔ (مرقاۃ: ۲۳/۷)

من كان حالفا: جو قسم کھانا چاہتا ہے وہ اللہ کے نام پر یا اس کی صفات ہی کی قسم کھائے۔

(۴) **سوال:** اگر کسی نے غیر اللہ کی قسم کھا کر توڑ دی تو کیا اس پر قسم کا کفارہ ہے؟

جواب: غیر اللہ کی قسم کھانے سے قسم نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کسی نے قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ بھی نہیں ہے البتہ غیر اللہ کی قسم کھانے کی وجہ سے گناہ ہوگا۔

(۵) **سوال:** قرآن کریم کی قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قرآن کریم کی قسم درحقیقت کلام اللہ کی قسم ہے، جو کہ اللہ کی صفت ہے لہٰذا جائز ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۲۳/۷)

بتوں کی قسم کھانے کی ممانعت

{۳۲۶۲} **وَعَنْ** عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِالطَّوَاغِيْ وَلَا بِآبَائِكُمْ۔

(رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۶/۲، باب من حلف باللات، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۴۸۔

حل لغات: الطغیان: حد سے بڑھی ہوئی، سرکشی و نافرمانی، ظلم و استبداد، شرارت اور بعض نے کہا کہ **الطاغیہ مثل عافیہ** کے مصدر ہے بطور مبالغہ اصنام کا نام رکھا گیا ہے۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بتوں کی قسمیں مت کھاؤ اور نہ اپنے آباء و اجداد کی قسم کھاؤ۔ (مسلم)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں عموما لوگ بتوں کی اور اپنے آباء و اجداد کی قسمیں کھاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصا ان کی قسم سے روکا ہے تاکہ زمانہ جاہلیت کی عادت کو ترک کر دیں اور غیر اللہ کی قسم کھانے سے مکمل طور پر اجتناب کریں۔

لا تحلفوا بالطواغی: بتوں کی قسمیں مت کھاؤ، بتوں کو "طواغی" اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حد درجہ سرکشی کا سبب بنتے ہیں، بتوں کی قسمیں کھانا شرک ہے، کیوں کہ یہ حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانا ہے، جو کہ دائرہ شرک میں آتا ہے، حقیقتاً غیر اللہ کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ دو باتوں کا اعتقاد رکھ کر قسم کھائی جائے۔

(۱) جس کی قسم کھائی جائے اس کی عظمت کا اللہ تعالیٰ کی طرح عظمت کا اعتقاد ہو۔

(۲) جس طرح اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی پر گناہ کا اعتقاد ہو اسی طرح غیر اللہ کے نام پر بے حرمتی پر گناہ کا اعتقاد ہو، چوں کہ بتوں میں یہ دونوں ہی باتیں ہوتی ہیں، لہٰذا بتوں کی قسم کھانا شرک ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانا کفر ہے

{۳۲۶۳} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِیْ حَلْفِهٖ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی فَلْیَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالٰی اُقَامِرْكَ فَلْیَتَصَدَّقْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۹۸۴/۲، باب لا یحلف باللات، کتاب الایمان والنذر،

حدیث نمبر: ۶۶۵۰، مسلم شریف: ۴۶/۲، باب من حلف باللات، کتاب الایمان والنذر، حدیث نمبر: ۱۶۴۷۔

حل لغات: الصاحب: ساتھی، دوست، **الات، العزی:** مشہور بتوں کے نام۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قسم کھائی اور اپنی قسم میں کہالات وعزی کی قسم تو اس کو **"لا الہ الا اللہ"** پڑھنا چاہیئے، اور جس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ جوا کھیلیں، تو اس کو صدقہ دینا چاہیئے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: بتوں کی قسم کھانا ایک نہایت ہی مذموم عمل ہے، جو شخص اس گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اس کو چاہیئے کہ بہت اچھے انداز سے اس کی تلافی کرے، اور اس کی تلافی کی بہتر صورت یہ ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھے، اسی طرح جوا کھیلنے کی دعوت دینا بھی نہایت قبیح عمل ہے، اس کا تدارک صدقہ دے کر کرنا چاہیئے، صدقہ کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے جتنا ہوسکے صدقہ کرنا چاہیئے۔

سوال: لات وعزیٰ کن کے نام ہیں؟

جواب: لَاتْ وَعُزّیٰ دونوں بتوں کے نام ہیں، **لات،** ایک شخص کا نام ہے یہ شخص زمانہ جاہلیت میں حاجیوں کے لئے ستو گھولا کرتا تھا، مجاہد سے منقول ہے کہ یہ شخص زمانہ جاہلیت میں طائف کی چٹان پر بیٹھ کر کشمش اور پنیر سے حلوہ تیار کر کے لوگوں کو کھلاتا تھا، یہ شخص جب مرگیا تو لوگ اس کی پوجا کرنے لگے اور اسکا بت تراش لیا، اس بت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت منہدم کیا جب کہ قبیلہ ثقیف نے اسلام قبول کرلیا۔

عزیٰ اس بت کا نام ہے جس کو ظالم بن سعد نے وادی نخلہ میں عبادت کے لئے چنا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس بت کو توڑا تھا۔ (فتح الباری: ۸/۶۲۱)

فلیقل لا الہ الا اللہ: جو شخص لات وعزیٰ کی قسم کھائے اس کو کلمہ طیبہ پڑھنا چاہیئے، اگر لات وعزیٰ کی قسم بغیر قصد وارادہ کے زبان سے نکل گئی ہے تو آدمی کافر نہ ہوگا، بس کلمہ پڑھ کر توبہ کرلے اور اگر لات وعزیٰ کی قسم کھانے سے مقصود ان کی عظمت کا اظہار ہے تو آدمی کافر ہوگا، تو ایسے میں تجدید ایمان کے لئے کلمہ پڑھنے کا حکم ہے۔

ومن قال لصاحبه تعال: جو شخص اپنے ساتھ سے کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اس کو صدقہ کرنا چاہئے، فیض الباری میں علامہ طحاوی کا قول منقول ہے کہ یہاں اس مال کو صدقہ کرنا مراد ہے جس کو جوا کیلئے نکالا تھا، کیوں کہ اس کو جوا میں خرچ کرنے سے بہت اچھا ہے کہ صدقہ کر دیا جائے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ مطلقاً صدقہ کرنا مراد ہے، چنانچہ مسلم کی روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ **"فلیتصدق بشیء"** (فتح الباری: ۸/۶۲۱)

صاحب مرقاۃ نے اس موقع پر علامہ طیبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہاں بتوں کے ذکر کے ساتھ جوا کا تذکرہ قرآن کریم کی اتباع کے طور پر ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **"انما الخمر والمیسر والانصاب الخ"** (مرقاۃ: ۷/۲۴، فیض المشکوۃ: ۶/۳۰۴)

فائدہ: سوچنے کی بات یہ ہے کہ محض قمار بازی کی دعوت پر صدقہ دینے کا حکم ہے تو جوا کھیلنے پر کیا حکم ہوگا اور یہ کس قدر مذموم فعل ہے۔

ومن قال لصاحبه تعال: تعال کا لام مفتوح ہے اور یہ تعالیٰ یتعالیٰ سے امر ہے جو تو سعا آنے کے معنی میں مستعمل ہے۔

اقامرك: یہ جزم کے ساتھ جواب امر ہے۔

مذہب اسلام کے علاوہ کی قسم کھانا

{۳۲۶۴} وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوٰى كَاذِبَةً لِيَسْتَكْثِرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا قِلَّةً۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/۸۹۳، باب ماینهی عن السباب واللعن، کتاب

الادب، حدیث نمبر:۶۰۴۷، مسلم شریف: ۱/۷۲، باب غلظ تحریم قتل الانسان، کتاب الایمان۔ حدیث نمبر: ۱۶۴۳۔

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ اسی کے مطابق ہے جو اس نے کہا، اور آدمی پر اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، جو اس کے اختیار میں نہ ہو اور جس شخص نے دنیا میں کسی چیز کے ذریعہ اپنے آپ کو قتل کر لیا تو قیامت کے دن اسی چیز کے ذریعہ سے عذاب دیا جائے گا، اور جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو اس کے قتل کرنے کے مانند ہے اور جس شخص نے کسی مسلمان پر کفر کا الزام لگایا تو یہ بھی اس قتل کرنے کے مانند ہے اور جو کوئی جھوٹا دعویٰ کرے تاکہ اس کے ذریعہ سے مال زیادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں اضافہ کے بجائے کمی کر دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں چند باتیں مذکور ہیں۔

(۱) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اسلام سے خارج ہوں مثلا یہودی یا نصرانی ہوں اور وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے، تو اس کہنے سے وہ اسلام سے نکلے گا نہیں، البتہ گنہگار ہوگا لیکن اگر وہ اپنے کہنے میں سچا ہے تو اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

(۲) نذر اور منت آدمی کی مملوکہ چیزوں میں ہی معتبر ہے، جس چیز کا آدمی مالک نہ ہو اس کی نذر ماننا درست نہیں ہے، مثلا اگر کوئی یہ نذر مانے کہ اگر میں شفایاب ہو گیا تو اپنے دوست خالد کا مکان صدقہ کر دوں گا، تو یہ نذر صحیح نہیں ہوگی۔

(۳) خودکشی کرنا گناہ کبیرہ ہے، جو شخص اس حرام کام کا مرتکب ہوگا وہ قیامت کے دن بطور سزا اپنے آپ کو اسی چیز سے ہلاک کریگا، جس چیز کے ذریعہ سے اس نے دنیا میں اپنے کو قتل کیا ہوگا۔

(۴) مؤمن پر لعنت کرنا بھی گناہ کبیرہ اور سخت سزا کا باعث عمل ہے۔

(۵) مؤمن پر کفر کا الزام لگانا بھی گناہ کبیرہ ہے اور یہ ایسا ہی جرم ہے جیسے کسی مسلمان کو قتل کر دینا۔

(۶) جو شخص مال و دولت میں اضافہ کی خاطر جھوٹا دعویٰ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے مال میں

اضافہ کے بجائے کمی فرمادیں گے، اسی طرح جو شخص عزت ومرتبہ کی خاطر جھوٹا دعویٰ کریگا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کردیں گے۔

من حلف علی ملة غیر الاسلام کاذ با: کسی شخص نے یوں قسم کھائی کہ اگر میں فلاں کام کروں تو یہودی یا نصرانی ہوں، یا دین اسلام سے بیزار ہوں، پھر اس قسم کو کذب کر دیا، بایں طور پر اس نے وہ کام کرلیا، جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، تو وہ ویسا ہی ہے یعنی یہودی ونصرانی وغیرہ ہوگیا۔

مذاہب ائمہ

حدیث کے اسی ظاہر مفہوم کی بنا پر بعض شافعیہ نے کہا کہ وہ شخص کافر ہوگیا، کیونکہ اس نے قسم کے خلاف کر کے برضاو رغبت کفر کو اختیار کیا ہے۔

احناف اور جمہور فقہاء کے نزدیک ایسا شخص کافر نہیں ہے اور حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بطور تہدید وتنبیہ فرمایا ہے کہ وہ شخص یہودیوں وغیرہ کے مانند عذاب کا سزاوار ہے، جیسے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ **"من ترک الصلاة فقد کفر"** (ایضاح المشکوۃ)

ومن قتل نفسه: خودکشی کرنا حرام اور سخت سزا کا باعث عمل ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کو زخم لگا تو اس نے خودکشی کرلی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: **"بدرنی عبدی بنفسه حرمت علیه الجنة"** میرے بندے نے جان نکالنے میں مجھ پر جلدی کی لہٰذا اس کی سزا میں میں نے اس پر جنت حرام کردی، یعنی اس کو دخول اولیٰ سے محروم کردیا، جو شخص جس طرح خودکشی کرے گا، قیامت کے دن اس کو اسی طرح سے سزادی جائے گی، بخاری شریف میں حدیث ہے کہ **"الذی یخنق نفسه یخنقها فی النار والذی یطعنها یطعنها فی النار"** جو شخص اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کرے گا وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹتا رہے گا، اور جو شخص نیزہ مار کر خودکشی کریگا وہ جہنم میں اپنے نیزہ گھونپتا رہے گا۔

ومن لعن مؤمنا: کسی مسلمان پر لعنت کرنا، یا کسی مسلمان کو کافر کہنا بہت بڑا گناہ ہے، ابوداؤد شریف کی حدیث ہے: **"ان العبد اذا لعن صعدت اللعنة الی السماء فغلق ابواب السماء دونها ثم تهبط الی الارض، فتأخذ یمنة ویسرة، فان لم تجد مساغا رجعت الی الذی لعن فان کان**

اهلا والا رجعت الی قائلها" مطلب یہ ہے کہ آدمی جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے آسمان کے دروازے اس کے سامنے بند ہو جاتے ہیں تو وہ پھر زمین کی طرف آتی ہے، وہاں دائیں بائیں گھومتی ہے، جب کوئی جگہ اس کو نہیں ملتی تو اس چیز کی طرف لوٹ آتی ہے جس پر وہ لعنت بھیجی گئی ہے، اگر وہ اس کا اہل ہو تو اس پر لگ جاتی ہے ورنہ لعنت بھیجنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے، اور چوں کہ مسلمان قابل لعنت ہے نہیں لہٰذا لعنت کرنے والے پر خود لعنت لوٹتی ہے، اسی طرح کی وعید اس شخص کے بارے میں بھی ہے جو کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے، بخاری شریف میں حدیث ہے، **"ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک"** جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے اور درآں حالیکہ وہ کافر نہ ہو تو خود کہنے والا کافر ہو جاتا ہے **"ومن ادعی دعوة"** جو شخص جھوٹا دعویٰ کر کے زیادہ مال جمع کرنا چاہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کو الٹ دیتے ہیں، چنانچہ اس کے مال میں اضافہ کے بجائے کمی واقع ہوتی ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۳۰۴)

صاحب درمختار کا قول یہ ہے کہ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ ایسی قسم اٹھانے والا کافر نہیں ہوتا یعنی جب وہ قسم کی خلاف ورزی کرے اس میں یہ بات برابر ہے کہ اس کو گذشتہ زمانے سے معلق کیا جائے یا مستقبل سے معلق کیا جائے، اگر اس کے اعتقاد میں یہ صرف قسم ہے اور اگر وہ جاہل ہے اور اس کے اعتقاد میں یہ ہے کہ جھوٹی قسم کھانے والا کافر ہو جاتا ہے جبکہ وہ زمانہ گذشتہ سے متعلق ہے یا مستقبل کے ساتھ اس کو متعلق کرے تو ان دونوں صورتوں میں وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کفر پر راضی ہے۔

لیس علی ابن آدم: یعنی اس طرح کہے کہ اگر میری فلاں بیماری کو شفا حاصل ہو گئی تو اپنے فلاں غلام کو آزاد کر دوں گا، حالانکہ وہ غلام اس کی ملکیت میں ہی نہیں تو ایسی نذر کا پورا کرنا لازم نہیں اگرچہ وہ اس کی ملکیت میں معلق کرنے کے بعد داخل ہو جائے۔

اگر کوئی شخص آزادی کو ملک کے ساتھ معلق کرے اور اس طرح کہے کہ اگر میں فلاں غلام کو خریدوں یا فلاں غلام کا مالک بن جاؤں تو وہ آزاد ہے تو اس صورت میں غلام خریدنے اور ملک میں آنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔

لیستکثر: اکثر لوگوں کے مال پر دعویٰ کرتے ہیں تا کہ اس کی وجہ سے مال میں کثرت

حاصل ہو جائے اس ارشاد میں دعویٰ کرنے کی علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے باعتبار اکثر کے، کہ اکثر لوگ اسی نیت سے دوسروں کے مال پر دعویٰ کرتے ہیں اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ کثرت کے ارادہ کے بغیر اس پر جزا مرتب نہ ہوگی بلکہ یہی حکم اس آدمی پر بھی جاری ہوتا ہے، جو فضائل و کمالات کا دعویٰ دار ہوتا ہے تاکہ اس کا مرتبہ لوگوں کے یہاں بڑھ جائے حالانکہ ان میں سے کوئی چیز بھی اس میں نہیں پائی جاتی جیسے متشبہ یا طریقت کو بناوٹ سے ظاہر کرنے والا۔ **اعاذنا الله من ذالك**۔

مسالک ائمہ

عرف شرع میں اس قسم کے کلام کو قسم کہا جائے گا، اور کفارہ ایسی قسم کو توڑنے پر واجب ہوگا یا نہیں فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ثوری رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ یمین ہے اور اس کی حنث کی شکل یعنی توڑنے پر کفارہ یمین واجب ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ یمین نہیں ہے اور نہ اس پر کفارہ واجب ہے، البتہ ایسا کلام کرنے والا گنہگار ہوگا خواہ وہ اپنے قول پر صادق ہو یا کاذب اور اہل مدینہ کا بھی یہی قول ہے۔ (مرقاۃ: ۵۵۵ / ۳، انوار المصابیح: ۵/۳۷۵/۶)

فائدہ: عن ثابت بن ضحاک: یہ ابو یزید انصاری خزرجی ہیں ان خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت رضوان کی تھی جب کہ یہ کم سن تھے۔

جامع صغیر میں بھی یہ روایت احمد اور صحاح ستہ کے حوالے سے کچھ فرق کے ساتھ موجود ہے۔

قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا

{۳۲۶۵} وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ وَاللهِ اِنْ شَاءَ اللهُ لَا اَحْلِفُ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاَرٰی غَیْرَهَا

خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَآتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۹۹۴/۲، باب الا ستثناء فی الایمان، کتاب کفارات الایمان، حدیث نمبر: ۶۷۱۸، مسلم شریف: ۴۷/۲، باب ندب من حلف یمینا، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۴۹۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کی قسم اگر اللہ نے چاہا میں کسی چیز کی قسم کھالوں گا اور پھر اس کے علاوہ میں خیر سمجھوں گا، تو میں اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا، اور میں وہی کام کروں گا، جو بہتر ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: آپ فرمارہے ہیں کہ واللہ میرا طریقہ یہ ہے کہ اگر میں کسی چیز پر قسم کھابیٹھوں اور پھر اس کے غیر کو اس سے بہتر سمجھوں تو میں اپنی یمین کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں، اور وہ کام جس کو خیر سمجھتا ہوں اس کو کرتا ہوں، اس میں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا تھا یا اسطرح فرمایا تھا کہ میں اس کار خیر کو کرتا ہوں اور کفارہ یمین ادا کرتا ہوں، (ان دونوں میں تقدیم وتاخیر کا فرق ہے) پہلے جملہ میں کفارہ یمین اولا مذکور ہے اور اس کار خیر کو کرنا بعد میں مذکور ہے اور دوسرے جملہ میں ترتیب اس کے برعکس ہے۔

کفارہ قسم کی وضاحت

کفارۂ قسم کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے، سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **"اطعام عشرۃ الخ"** یعنی کفارہ قسم کی ادائیگی میں تین کاموں میں سے کوئی ایک کام اختیار کرلیا جائے۔

(۱) دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا صبح وشام دو وقت کھانا کھلا دیا جائے۔

(۲) دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دے دیا جائے، مثلا ایک پاجامہ، یا تہبند، یا لمبا کرتا۔

(۳) کوئی غلام آزاد کر دیا جائے، اگر قسم توڑنے والا مالی کفارہ کی ادائیگی پر قدرت نہ رکھتا ہو تو پھر اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ تین دن روزے رکھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پے در پے مسلسل تین روزے رکھے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ قسم کے تین روزے مسلسل رکھنا

ضروری ہے۔(معارف القرآن:۳)

تقدیم الکفارۃ علی الحنث

اور یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے یعنی کفارہ قبل الحنث کا جواز عدم جواز امام ابو داؤد فرماتے ہیں، **"قال ابو داؤد، سمعت احمد یرخص فیہا الکفارۃ قبل الحنث"**

مذاہب ائمہ

بقیہ حضرات ائمہ کے مذاہب اس میں یہ ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یعنی کفارہ قبل الحنث کا جواز مطلقاً اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ مالیہ کی تقدیم تو جائز ہے اور غیر مالیہ یعنی کفارہ بالصوم اس کی تقدیم جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جائز نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ کفارہ یمین جو قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہے۔ **"لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ماتطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ، فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام"** اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا، لیکن جو قسمیں پختگی کے ساتھ کھائیں ہوں ان پر تمہاری پکڑ کرے گا، چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو، یا ان کو کپڑے دو، یا ایک غلام کو آزاد کرو، ہاں اگر کسی کے پاس (ان چیزوں میں سے) کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم نے کوئی قسم کھائی ہو، اور اسے توڑ دیا ہو اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔(سورۃ المائدہ)

یہ کل چار چیزیں ہوئیں، اطعام عشرۃ مساکین، یا ان کا کسوۃ، اعتاق، اور ان تینوں میں سے کسی ایک پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں صوم ثلاثۃ ایام۔

وجوب کفارہ کا سبب: حنفیہ کے نزدیک وجوب کفارہ کا سبب حنث ہے اسی لئے ان کے نزدیک تقدیم الکفارۃ علی الحنث جائز نہیں اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک وجوب کفارہ کا سبب خود یمین ہے

اورحنث اسکی شرط: **"فی شرح السنة: وانما یجوز تقدیم العتق او الاطعام او الکسوة کما یجوز تقدیم الزکاة علی الحول، ولا یجوز تعجیل صوم رمضان قبل وقته انتھی"**

(بذل مختصر، مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۳۰)

دلیل احناف: بخاری شریف میں روایت ہے **"اذا حلفت علی یمین فرا یت غیرھا خیرا منھا فات الذی ھو خیر و کفر عن یمینک"** اگرتم کوئی قسم کھاؤ پھراس کے خلاف میں خیر نظر آئے تو اسی کو کرو، جو بہتر ہو اور اپنی قسم توڑ کر اسکا کفارہ ادا کردو، یہاں آپ ﷺ نے پہلے قسم توڑنے کا پھر کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے، معلوم ہوا کہ قبل الحنث کفارہ کی ادائیگی درست نہیں ہے، اسکے علاوہ بھی ایسی احادیث ہیں جن میں پہلے قسم توڑنے پھر کفارہ ادا کرنے کی تاکید ہے۔

مزید یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ کفارہ کفر سے ماخوذ ہے، اس کا مطلب جنایت کو ڈھانپنا ہے اور یہ بات بدیہی ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کوئی جنایت ہوئی نہیں ہے، لہٰذا کفارہ ادا کرکے اس کے چھپانے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ لہٰذا جس طرح وقت سے پہلے ادا کی جانے والی نماز نہیں ہوتی، اسی طرح حانث ہونے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی بھی درست نہ ہوگی۔

جواب: جن احادیث میں کفارہ کی ادائیگی کو مقدم کیا گیا ہے اور حانث ہونے کو مؤخر کیا گیا ہے وہاں حقیقی تقدیم وتاخر مراد نہیں ہے جمع کرنا مقصود ہے۔ احناف نے جو روایات پیش کی ہیں وہ قیاس کے بھی موافق ہیں اور اصول ہے کہ تعارض کے وقت میں روایات راجح ہوتی ہیں جو قوائد ثابتہ اور قیاس کے مطابق ہوتی ہیں لہٰذا احناف کی روایات راجح ہیں۔

کفارہ یمین میں مضاف پوشیدہ ہے تقدیری عبارت ہے **"کفارة نقض الیمین"** اس لئے کہ قسم کوئی جنایت نہیں ہے، بلکہ قسم توڑنا جنایت ہے اور اسی کی سزا کفارہ ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۳۰۶)

سبب اختلاف

اصل مدار اس اختلاف کا یہ ہے کہ کفارہ کا سبب کیا ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفارہ کا سبب یمین ہے اس لئے یمین کے بعد حنث سے پہلے ان کے یہاں کفارہ معتبر ہے، حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کفارہ کا

سبب یمین نہیں ہے، بلکہ حنث ہے، اس لئے کہ کفارہ کسی جرم کا ہوتا ہے، یمین جرم نہیں حنث جرم ہے، اس لئے کفارہ کا سبب حنث ہے، لہٰذا حنث سے پہلے کفارہ معتبر نہیں۔

فائدہ: "انی واللہ" یہ قسم ہے **"ان شاء اللہ"** یہ جملہ معترضہ ہے۔ **"لا احلف علی یمین"** یہ جواب قسم ہے، علی یمین میں یمین سے مراد وہ چیز ہے جس کی قسم کھائی جائے، علامہ شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: **علی یمین**۔ (شرح الطیبی: ۷/۲۵، مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۳۱)

قسم توڑنے کی تاکید

{۳۲۶۶} **وَعَنْ** عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْاَمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُوْتِیْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُکِلْتَ اِلَیْهَا وَاِنْ اُوْتِیْتَهَا عَنْ غَیْرِ مَسْأَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَیْهَا وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَأَیْتَ غَیْرَهَا خَیْراً مِنْهَا فَکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِكَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۵۸، باب من لم یسأل الامارۃ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۷۱۴۶، مسلم شریف: ۲/۴۸، باب ندب من حلف یمینا، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۵۲۔

حل لغات: الامارۃ: منصب، حاکم، امارت، حکومت، **وکل الیہ الامر:** کوئی معاملہ سونپ کر بے فکر ہو جانا، کسی معاملہ میں کسی کو مختار بنانا۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ عہدہ طلب مت کرنا، اس لئے کہ اگر مانگنے پر تم کو عہدہ مل گیا تو وہ تمہارے ہی سپرد کر دیا جائیگا، اور اگر تم کو بغیر مانگے عہدہ دیا گیا تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر تم نے کسی معاملہ میں قسم کھالی، پھر تم نے دیکھا کہ اس کا غیر اس سے بہتر ہے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو، اور اس کو کرو، جو بہتر ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو کرو جو بہتر ہے، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں دو اہم باتیں مذکور ہیں۔

(۱) کسی منصب اور عہدہ پر فائز ہونے کے بعد اسکا حق ادا کرنا بہت دشوار کام ہے، لہٰذا عہدہ اور منصب کا ہرگز مطالبہ نہ کرنا چاہئے، البتہ اگر بغیر طلب کے عہدہ دیا جائے تو اس کو قبول کر لینا چاہئے، بغیر طلب کے عہدہ ملنے پر قبول کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نصرت ہوتی ہے، جب کہ عہدہ طلب کرنے کی صورت میں نصرت خداوندی شامل نہیں ہوتی۔

(۲) کسی شخص نے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی بعد میں اس کے علم میں یہ بات آئی کہ اس کا برعکس زیادہ بہتر ہے تو جوصورت بہتر ہو اسکو اپنانا چاہئے اور قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔

لا تسئل الامارۃ: عہدہ مت طلب کرو، عام حالات میں عہدہ طلب کرنا ممنوع ہے، مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے آپ ﷺ سے کسی عہدہ کو طلب کیا تو آپ ﷺ نے صاف فرمایا کہ "**انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ**" ہم اپنا عہدہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیا کرتے جو خود اسکا طلب گار ہو، لیکن خاص صورتوں میں عہدہ طلب کرنا جائز ہے، مثلاً کوئی شخص یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کام کو بہتر انداز سے کرلیں گے اور دوسرا اسکو اتنے اچھے انداز میں نہیں کرسکے گا، یعنی مقصود حب مال اور حب جاہ نہ ہو بلکہ مخلوق کی خدمت مقصود ہو تو عہدہ طلب کرنے کی اجازت ہے اسی مقصد سے حضرت یوسف علیہ السلام نے عہدہ طلب کیا تھا، اور حکومت کو لیکر صحابہ کرام میں جو اختلاف ہوئے وہ اسی وجہ سے ہوئے کہ ہر فریق اخلاص نیت کے ساتھ سمجھ رہا تھا کہ فرائض خلافت میں بہتر انداز سے ادا کرلوں گا، اور مخلوق خدا کو میرے خلیفہ ہونے سے زیادہ فائدہ ہوگا، حاصل کلام یہ ہے کہ اس امر کا تعلق نیت سے ہے، اور نیت وارادہ اللہ تعالیٰ پر خوب روشن ہے، "**واذا حلفت**" اس جملہ کی وضاحت کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۳۰۷)

فات الذی ہو خیر: یعنی اگر قسم گناہ کی کھا بیٹھے مثلاً کہے کہ نماز نہیں پڑھوں گا یا فلاں کو ہلاک کریگا، یا اپنے والد سے کلام نہیں کرے گا، تو ایسی قسم کا توڑنا ضروری ہے، اور اپنی قسم کا کفارہ دے اور اگر قسم ایسی چیز پر کھائی ہو، کہ اس کا خلاف اولیٰ ہے مثلاً اپنی بیوی سے ایک ماہ صحبت نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس کا توڑنا افضل ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۳۰)

تنبیہ: قسم کی بقیہ اقسام شروع میں فوائد باب کے تحت گذر چکی ہیں۔

دونوں روایات کا فرق

پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کرے اور دوسری روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ادا کرے۔

(۱) تینوں ائمہ قسم کا کفارہ قسم توڑنے سے پہلے جائز قرار دیتے ہیں۔

(۲) البتہ ان ائمہ ثلاثہ میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ روزے کے ساتھ اگر کفارہ ادا کرنا ہو تو قسم توڑنے سے پہلے جائز نہیں ہے، البتہ اگر غلام آزاد کرنا یا کھانا کھلانا یا لباس دینا ہو تو قسم توڑنے سے پہلے بھی جائز ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسم توڑنے سے پہلے مطلقاً کفارہ دینا جائز نہیں ہے، جن احادیث سے تقدیم کفارہ مفہوم ہوتا ہے، ان میں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے۔ (مظاہر حق: ۳۱۶/۴)

قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنے کی تاکید

{۳۲۶۷} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَأٰی خَیْرًا مِنْهَا فَلْیُکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلْیَفْعَلْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۸/۲، باب ندب من حلف، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۵۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص نے کسی بات پر قسم کھائی اور پھر اس سے بہتر کوئی صورت دیکھی تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور اس کام کو کرلے۔ (مسلم)

تشریح: اگر کسی شخص نے کسی منکر عمل کے کرنے کی قسم کھائی ہے، مثلاً کہا کہ باپ کو قتل

کردوں گا، تو اس کے لئے لازم ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے، اسی طرح کسی واجب کے نہ کرنے کی قسم کھائی، مثلاً کہا کہ نماز نہیں پڑھوں گا، تو بھی لازم ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے، اور اگر کسی خلاف اولیٰ بات پر قسم کھائی مثلاً کہا کہ میں ایک مہینہ اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گا، تو اس کیلئے مستحب ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے۔

فلیکفر عن یمینه ولیفعل: یہاں پہلے کفارہ ادا کرنے پھر قسم توڑنے کا ذکر ہے، جبکہ احناف کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے، اسکا جواب یہ ہیکہ یہاں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے، ترتیب کے لئے نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ دونوں کام کرنے ہیں، قسم بھی توڑنا ہے اور کفارہ بھی دینا ہے۔

کبھی قسم کو توڑنا ہی ضروری ہوتا ہے

{۳۲۶۸} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ لِأَنْ يَلِجَّ اَحَدُكُمْ بِيَمِيْنِهٖ فِيْ اَهْلِهٖ آثَمُ لَهٗ عِنْدَ اللهِ مِنْ اَنْ يُعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِيْ افْتَرَضَ اللهُ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۹۸۰/۲، باب قول اللہ تعالیٰ لایواخذ کم باللغو، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۶۶۲۵، مسلم شریف: ۵۰/۲، باب النهی عن الاصرار علی الیمین، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۵۵۔

حل لغات: لج فلان فی الا مر: کسی کام میں پڑے یا لگے رہنا، چھوڑنے کو تیار نہ ہونا، **اثم اثما:** گنہگار ہونا، **افترض:** فرض کرنا، لازم کرنا۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے کسی کا اپنے گھر والوں کے بارے میں اپنی قسم پر اصرار کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے کہ اس قسم کا وہ کفارہ ادا کرے، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: جس چیز پر قسم کھائی ہے، اگر اس کے عکس میں بھلائی ہے تو قسم توڑ دینا چاہئے قسم

کھانے والے عموما قسم توڑنے کو گناہ سمجھ کر اس عمل کو انجام دیتے ہیں، جس پر قسم کھائی ہے، حالانکہ بسا اوقات اس عمل کو انجام دینا قسم توڑنے سے بڑا گناہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر کسی نے اس بات کی قسم کھائی کہ والدین کو نفقہ نہ دیں گے، ایسی صورت میں قسم توڑ کر والدین کا نفقہ ادا کرنا چاہئے، اور قسم کا کفارہ دینا چاہئے، جو شخص اپنی اس نوع کی قسم کو پورا کرے گا وہ سخت گنہگار ہوگا۔

وَاللّٰہِ لَاَنْ یَلِجَّ: یا اور لام کو فتحہ اور جیم پر تشدید اور کبھی لام پر کسرہ پڑھتے ہیں قاضی نے فرمایا کہ "**لججت الج**" ماضی کے کسرہ اور مضارع کے فتحہ کے ساتھ یعنی باب سمع سے ہے جس کے معنی انہوں نے **یصر و یقیم** بتائے ہیں۔

احدکم بیمینہ: یعنی جس چیز پر قسم کھائی ہے اس پر اپنی قسم کی وجہ سے اڑے رہے "**فی اھلہ**" اور معاملہ بھی خود اس کے اہل وعیال سے متعلق ہے جن کی صلہ رحمی کی نہایت اہمیت ہے، لیکن وہ اپنی قسم سے باز آنے کے لئے تیار نہیں۔

آثم لہ: یہ اسم تفضیل ہے یعنی گناہ کے اعتبار سے زیادہ ہے اس کے لئے "**عند اللہ**" اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔

من ان یعطی کفارتہ التی افترض علیہ: اس سے کہ وہ اپنی قسم توڑ دے اور اس کا جو کفارہ اللہ نے اس پر فرض کیا ہے اس کو دیدے، قاضی نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی نے جب اپنے اہل وعیال کے بارے میں کوئی قسم کھالی، مثلا یہ کہ کسی سے بات نہ کروں گا، اور اس پر اصرار بھی کرتا رہا ہے تو یہ اس سے زیادہ گناہ کا کام ہے، کہ قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے، اس لئے کہ اس نے اس میں اللہ کے نام کو ہدف بنایا بھلائی اور صلہ رحمی سے رکے رہنے میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ آیت کریم ہے: "**ولا تجعلو اللہ عرضۃ لایمانکم ان تبرو و تتقوا و تصلحوا بین الناس و اللہ سمیع علیم**" اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں میں اس غرض سے استعمال نہ کرو کہ اس کے ذریعہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے سے بچ سکو، اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ (سورۃ البقرہ)

حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ محلوف علیہ یعنی جس پر قسم کھائی ہے اگر خیر اس کے علاوہ

میں ہے یا اس کے عکس میں خیر ہے تو قسم توڑ کر اس کو اختیار کرنا چاہئے اور قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔
(مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۳۴)

قسم کھلانے والے کی نیت کا اعتبار ہے

{۳۲۶۹} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنُكَ عَلٰى مَا يُصَدِّقُكَ عَلَيْهِ صَاحِبُكَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۴۸، باب یمین الحالف، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۵۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تمہاری قسم اس بات پر واقع ہوگی جس بات پر تمہارا ساتھی تصدیق کرے گا۔ (مسلم)

تشریح: وعنہ: یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ روایت ہے **"یمینک"** تماری حلف، یہ مبتداء ہے، اور اس کی خبر **"علی مایصدقک علیہ صاحبک"** ہے اور صاحب سے مراد وہ ہے جو تم سے قسم کھلا رہا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ قسم میں تم جن الفاظ کو استعمال کروگے اور اس کا جو ظاہر مفہوم تم کو قسم دلانے والا سمجھے گا قسم اسی پر واقع ہوگی ایسا صحیح نہ ہوگا کہ قسم کے الفاظ سے بطور توریہ تم کچھ اور مراد لو، اور تمہارا ساتھی جو تم سے قسم لے رہا ہے وہ کچھ اور سمجھے، بلکہ وہ جو سمجھے گا قسم اسی پر واقع ہوگی، اس لئے کہ قسم میں اعتبار قسم لینے والے کے ارادہ کا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس کا مستحق ہو اور توریہ کے ذریعہ قسم لینے والے کا حق مارا جاتا ہو اور اگر ایسا نہ ہو یعنی ظاہر کے خلاف بذریعہ توریہ کچھ اور مراد لینے سے کسی کا حق نہ مارا جاتا ہو تو پھر یمین میں اعتبار حالف کی نیت ہی کا ہوگا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث محمول ہے اس صورت پر کہ قاضی یا نائب قاضی نے اس سے قسم کھلوائی ہو ایسے دعویٰ کے اندر جو اس کے سامنے درپیش ہو تو اس وقت قاضی نے جس بات پر قسم لی ہے قسم میں وہی بات معتبر ہوگی نہ کہ وہ جس کو حالف نے مراد لیا ہے، اور اگر اسی نے قسم کھائی قاضی کے سامنے بطور خود اور قاضی نے اس سے قسم کھانے کا مطالبہ نہیں کیا تھا، تو اس وقت حالف کی نیت کا اعتبار ہوگا

اورا گر قاضی نے طلاق پر اس سے قسم لی ہو تو اس وقت حالف کی نیت کا اعتبار رہو گا، اس لئے کہ قاضی کو طلاق اور عتاق پر قسم لینے کا اختیار نہیں ہے۔

جاننا چاہئے کہ توریہ سے آدمی حانث تو نہیں ہوتا لیکن اگر اس سے کسی مستحق کا حق باطل ہوتا ہو تو اس کا کرنا جائز نہیں۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ تمام تفصیل امام شافعی اور ان کے اصحاب کی ہے اور امام مالک سے نقل کیا گیا ہیکہ جو قسم مکرو فریب اور دھوکہ کے طور پر ہو تو وہ حانث ہوگا اور گنہگار رہوگا اور جو عذر کی بناء پر ہو اس میں مضائقہ نہیں۔

(انوار المصابیح: ۳۷۹/ ۶، مرقاۃ المفاتیح: ۵۳۴/ ۶)

قسم کا دارومدار

{۳۲۷۰} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَمِيْنُ عَلٰى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۸/۲، باب یمین الحالف، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۵۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قسم کا دار ومدار قسم لینے والے کی نیت پر ہے۔ (مسلم)

تشریح: قسم کھانے والا جو الفاظ ادا کر رہا ہے اس کے ظاہر مفہوم سے قسم لینے والا جو مراد لیے رہا ہے وہی معتبر ہوگا، قسم کھانے والا اگر دل میں کچھ اور چھپا رہا ہے اور بطور توریہ کے کچھ اور مراد لے رہا ہے تو وہ معتبر نہ ہوگا، قسم کھانے والا حانث ہوگا۔

والیمین علی نیۃ: مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار قسم لینے والے کے ارادہ کا ہوتا ہے، لہذا قسم کھانے والا اگر توریہ کے ذریعہ سے قسم کھا کر اس کا حق باطل کرے گا تو سخت گنہگار ہوگا اور اس کا یہ عمل معتبر نہ ہوگا تفصیل کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

یمین لغو پر کفارہ نہیں ہے

{۳۲۷۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ فِيْ قَوْلِ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَقَالَ رَفَعَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا۔

حوالہ: بخاری شریف: ۹۸۶/۲، باب قول اللہ تعالی لا یو اخذ کم اللہ باللغو، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۶۶۶۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت ''لا یو اخذکم الخ'' اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑتا یہ لوگوں کے اس بات کے کہنے پر نازل ہوئی کہ نہیں خدا کی قسم، کیوں نہیں خدا کی قسم، (بخاری) شرح السنہ میں لفظ مصابیح ہے اور کہا کہ بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعا روایت کیا ہے۔

تشریح: اہل عرب بات بات پر ''**لا واللہ**'' ''**بلی واللہ**'' کے ذریعہ سے قسم کھایا کرتے تھے، یہ درحقیقت ان کا تکیہ کلام تھا، جیسا کہ آج کل کے شعراء وادباء حضرات بات بات میں قسم کھاتے ہیں مثلا کہتے ہیں واللہ کیا بات آپ نے فرمادی، اس طرح کی قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں ہے۔

لا یو اخذ کم باللغو فی ایمانکم: ایمان، یمین کی جمع ہے کوئی ایسا عہد کرنا کہ جس کی بنا پر قسم کھانے والے کا کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کا ارادہ پختہ ہو جائے یمین ہے، یمین کی تین مشہور قسمیں ہیں۔

یمین کے اقسام ثلاثہ اور یمین لغو کی تعریف میں اختلاف ائمہ

یمین کی تین قسمیں مشہور ہیں:

(۱) یمین منعقدہ۔ (۲) یمین غموس۔ (۳) یمین لغو۔

یمین منعقدہ وہ ہے جس کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہو، کہ قسم کھا کر یوں کہے کہ میں ایسا کروں گا یا

نہیں کروں گا، اور یمین لغو اور غموس ان دونوں کا تعلق ماضی یعنی گذشتہ زمانہ سے، یا حال سے ہوتا ہے اور یہ دونوں خلاف واقع ہوتی ہیں، فرق یہ ہے کہ یمین غموس میں جان بوجھ کر خلاف واقع پر قسم کھائی جاتی ہے، یمین لغو میں بلا قصد کے یعنی وہ خبر اعتقاد کے تو مطابق ہوتی ہے لیکن واقعہ کے خلاف، مثلاً اگر قسم کھا کر یہ کہا کہ زید آگیا اور فی الواقع وہ آیا نہیں تھا تو اگر یہ غلط قسم جان بوجھ کر کھائی تب تو یمین غموس ہے، ورنہ یمین لغو، یہی مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یمین لغو کی تعریف میں اختلاف ہے ان کے نزدیک یمین لغو کی تعریف یہ ہے کہ خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا حال سے یا مستقبل سے **"ماسبق الیہ اللسان من غیر قصد"** جیسا کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے دوران گفتگو **"لا واللہ بلی واللہ"** وغیرہ لفظ کہنے کی، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لغو ہے وہ بھی **"قال الصاوی المالکی المفسر: اختلف العلماء فی معنی اللغو فقال الشافعی ھو ماسبق الیہ اللسان من غیر قصد عقد الیمین و قال ابو حنیفہ و مالک ھو ان یحلف علی مایعتقد فتبین خلافہ، و کلاھما داخل فی اللغو عند الامام احمد"**

یہ حدیث بظاہر شافعیہ کے موافق ہے، بدائع میں اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے، ہمارے نزدیک بھی یہ یمین لغو ہی ہے، بشرطیکہ اس کا تعلق ماضی یا حال سے ہو، شافعیہ کے نزدیک یہ عام ہے، ان کے نزدیک یہ مستقبل کو بھی شامل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ **"والدلیل علی ماقلنا انھا فسرتھا بالماضی، روی عن مطر عن رجل قال دخلت وانا وابن عمر علی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فسألتھا عن یمین اللغو فقالت قول الرجل فعلنا واللہ کذا، و صنعنا واللہ کذا، فتحمل تلک الروایۃ علی ھٰذا توفیقا بین الروایتین اذا المجمل محمول علی المفسر"** (الدر المنضود: ۵/۳۲۱)

فائدہ: یہی روایت قدرا ختلاف الفاظ کے ساتھ ابو داؤد شریف میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

حدثنا ابراھیم یعنی الصائغ عن عطاء فی اللغو الیمین، قال قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو کلام الرجل فی بیتہ کلا واللہ وبلی واللہ۔

اس روایت کو حضرت امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کرنے کے بعد اس حدیث کی سند میں راوی حضرت ابراہیم صائغ کے بارے میں فرمایا ہے۔ **"قال ابو داؤد ابراهيم الصائغ قتله ابو مسلم بِفَرَنْدَسٍ، قال وكان اذا رفع المطرقة فسمع النداء سَيَّبها"** (ابو داؤد شریف: ۲/۴۷۱)

ابراہیم صائغ کی ایک خاص خصلت

سند میں جو ایک راوی ابراہیم صائغ آئے ہیں ان کے بارے میں مصنف فرمارہے ہیں کہ ان کو ابومسلم نے مقام فرندس میں قتل کیا تھا آگے ان کی ایک عادت بیان کررہے ہیں کہ ان کا حال یہ تھا کہ کام کے دروان جب یہ زیور بناتے وقت ہتھوڑی مارنے کے لئے اٹھاتے تھے تو اگر اس وقت ان کے کان میں اذان کی آواز پڑ جاتی تھی تو فوراً ہاتھ روک لیتے تھے، اور اس ہتھوڑی کو بجائے مارنے کے رکھدیتے تھے، بذل میں لکھا ہے کہ یہ ابومسلم حجاج بن یوسف کی طرح بڑا ظالم اور سفاک تھا۔ (الدر المنضود: ۵/۳۲۱)

{الفصل الثانی}

غیر اللہ کی قسم کھانے سے روکنا

{۳۲۷۲} **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِآبَائِکُمْ وَلَا بِأُمَّهَاتِکُمْ وَلَا بِالْاَنْدَادِ وَلَا تَحْلِفُوْا بِاللّٰهِ اِلَّا وَاَنْتُمْ صَادِقُوْنَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)**

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۴۶۳، باب الیمین بغیر اللہ، کتاب الایمان والنذور، حدیث نمبر: ۳۲۴۸، نسائی شریف: ۲/۲۴، باب فی الیمین بغیر اللہ تعالیٰ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۸۶۹۔

حل لغات: الانداد: جمع ہے،الند، کی مثل،ہم پلہ،ہم رتبہ،ہم سر۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم لوگ اپنے باپوں کی قسمیں مت کھاؤ،اور نہ اپنی ماؤں کی قسمیں کھاؤ،اور نہ بتوں کی قسمیں کھاؤ،اور اللہ کی قسم بھی اسی وقت کھاؤ جب تم سچے ہو۔(ابو داؤد،نسائی)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کی قسم ہر گز نہ کھائی جائے۔غیر اللہ کی قسم کھانا بہت سخت گناہ ہے بعض صورتوں میں تو غیر اللہ کی قسم کھانے سے شرک لازم آتا ہے اسی طرح جھوٹی قسم کھانا بھی سخت گناہ ہے،قسم کھانے سے بچنا چاہئے،بوقت ضرورت قسم کھانے کی اجازت ہے،لیکن یہ اجازت اسی وقت ہے جب کہ سچی قسم کھائی جائے۔

لا تحلفوا بآبائکم: ماں باپ اور بتوں کی قسم کھانا ممنوع ہے اور ان کے ساتھ قسم کھانے سے قسم منعقد بھی نہیں ہوتی ہے،ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ نے باپ کی قسم کھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ: اگر قسم کھانی ہے تو اللہ کے نام کی کھاؤ،ورنہ خاموش رہو،حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس تنبیہ کا جو اثر ہوا اس کو یوں ذکر کرتے ہیں۔

فو اللّٰہ ما حلفت بہذا ذکرا ولا آثرا: بہ خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ کے بعد میں نے کبھی بھی قسم نہیں کھائی،نہ اپنی طرف سے قسم کھائی اور نہ دوسرے کا کلام نقل کرتے ہوئے باپ کی قسم کھائی۔"**ولا تحلفوا باللہ وانتم صادقون**"قسم سچی کھانا چاہئے،جھوٹی قسم کھانے پر وعید ہے،ابو داؤد میں روایت ہے کہ "**من حلف علی یمین مصبورۃ کاذبا فلیتبوأ بوجھہ مقعدہ من النار**"مطلب یہ ہے کہ جو شخص قاضی کی مجلس میں جھوٹی قسم کھائے تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے،اسی طرح ایک روایت ہے کہ "**من حلف علی یمین وھو فیھا فاجر لیقتطع بھا مال امرءٍ مسلم حرم اللہ علیہ الجنۃ وادخلہ النار**"جو شخص کسی چیز کے بارے میں جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کے مال پر قبضہ جمالے تو ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کردیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

مذاہب ائمہ

یمین بغیر اللہ بالاجماع ممنوع ہے، کراہۃ اور حرمت میں اختلاف ہے اس میں بھی ائمہ کے دونوں قول ہیں۔لیکن مالکیہ کے نزدیک مشہور کراہت ہے،اور حنابلہ کے نزدیک تحریم اور یہی ظاہر یہ کا مذہب ہے،شافعیہ کے یہاں بھی دوروایتیں ہیں اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے **"اخشی ان یکون الحلف بغیر اللہ معصیة فاشار الی التردد"** لیکن جمہور اصحاب شافعی کے نزدیک کراہۃ تنزیہی ہے اور علت منع یہ ہے کہ کسی چیز کے ساتھ قسم کھانا محلوف بہ کی غایت تعظیم پر دلالت کرتا ہے۔ **"والعظمة فی الحقیقة انما ھی للہ تعالیٰ وحدہ"** (الابواب والتراجم: ۱۹۲/۶)

وجزم الدردیر المالکی بانہ لاینعقد بالنبی ولا بالکعبة وا لرکن والمقام والعرش، الی آخر ماذکر، وفی البدائع: لو حلف بشیء من ذلک لایکون یمینا لانہ حلف بغیر اللہ تعالیٰ (تراجم بخاری) وقال ابن الھمام من حلف بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی والکعبة لم یکن حالفا۔

(عون،حاشیۃ الدر المنضود:۳۳۰/۵)

غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے

{۳۲۷۳} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَكَ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۸۰/۲، باب ماجاء فی کراھیة الحلف بغیر اللہ، کتاب النذور، حدیث نمبر: ۱۵۳۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا۔(ترمذی)

تشریح: غیر اللہ کی قسم کھانے والا غیر اللہ کی وہ تعظیم کرتا ہے، جو اللہ کے ساتھ خاص ہے،اسی بنیاد پر غیر اللہ کی قسم کھانے کو شرک ٹھہرایا ہے، کچھ لوگ عام طور پر اپنے محبوب کی جو قسم کھاتے ہیں وہ اگر چہ

کفر وشرک نہیں ہے، لیکن گناہ کبیرہ ضرور ہے البتہ اگر بغیر قصد کے زبان سے نکل گیا تو گناہ نہیں ہے۔

من حلف بغیر اللہ فقد اشرک: مطلقاً غیر اللہ کی قسم کھانا شرک نہیں ہے، اگر دو باتوں کا اعتقاد رکھ کر غیر اللہ کی قسم کھائی گئی ہے تو شرک ہے۔

(۱) جس کی قسم کھائی جائے اس کی عظمت کا اسی طرح اعتقاد ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتقاد ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی کی طرح غیر اللہ کی بے حرمتی پر گناہ کا اعتقاد ہو، حدیث باب میں مطلقاً غیر اللہ کی قسم کو شرک قرار دیا گیا ہے۔ یہ بطور تغلیظ کے ہے، مطلقاً غیر اللہ کی قسم کھانے والا کافر یا مشرک نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غیر اللہ کی قسم کھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا لیکن تجدید ایمان کے لئے نہیں فرمایا، اگر غیر اللہ کی قسم کھانا حقیقتاً شرک ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجدید ایمان کا حکم ضرور کرتے، اور جن روایات میں غیر اللہ کی قسم کھانے پر **"لا الٰہ الا اللہ"** پڑھنے کا حکم ہے وہاں بھی تجدید ایمان مقصود نہیں ہے، بلکہ گناہ کبیرہ کو تغلیظاً شرک کہا گیا ہے، اور کلمہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے تا کہ کلمہ غلط بات کا کفارہ ہو جائے اور گناہ پر معافی مل جائے۔

(مرقاۃ: ۵۶۰/۳، فیض المشکوۃ: ۳۱۱/۶)

امانت پر قسم کھانا

{۳۲۷۴} وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِالْاَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۴۶۳/۲، باب فی کراھیۃ الحلف بالامانۃ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۲۵۳۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: جو شخص صرف لفظ امانت کی قسم کھائے اس کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین سے

نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کے بغیر امانت کی قسم کھانا اہل کتاب کا طریقہ ہے، ایسے میں جو ان کی روش اختیار کرنے والا ہوگا وہ ان ہی کے مشابہ قرار پائے گا، اور اس کا تعلق آپ ﷺ سے نہ ہوگا۔ (شرح الطیبی: ۷/۳۰)

من حلف بالامانة: امانت کی تشریح میں بہت سے اقوال ہیں، اس سے مراد اموال وغیرہ ہیں حدیث ہے، **"لا ایمان لمن لا امانة له"** جو شخص امانت کا لحاظ نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں۔ اس کے علاوہ احکام شرعیہ مثلاً نماز روزہ وغیرہ بھی مراد لئے گئے ہیں چونکہ امانت اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے، لہٰذا اس لفظ کے ذریعہ قسم کھانا غیر اللہ کے حکم میں ہے، لہٰذا ممنوع ہے، اور چوں کہ اس میں تشبہ بالیہود بھی ہے، اس بنا پر اس لفظ کے ذریعہ قسم کھانے والے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/۳۰، مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۳۸)

مذاہب ائمہ

حلف بالامانة: منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟ حنابلہ کے یہاں اس سے قسم منعقد ہوجاتی ہے **"بان یقول و امانة الله او بالامانة"** (مغنی) اور خطابی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک عدم انعقاد یمین لکھا ہے، اور حنفیہ کی اس میں دونوں روایتیں ہیں انعقاد و عدم انعقاد، انعقاد کی وجہ تو یہ ہے کہ امانت بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے، **"اذ الامین من اسمائه تعالیٰ"** اسلئے کہ امین اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔ اور عدم انعقاد کی وجہ امانت کا اطلاق عبادت اور فریضہ کے معنی میں آتا ہے۔

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امانت سے مراد توحید ہے۔ (مظاہر حق: ۴/۳۲۰، مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۳۸)

من حلف بالامانة فلیس منا: جو شخص امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ **حلف بالامانة** منعقد نہیں ہونی چاہئے، ممنوع ہے جس طرح **حلف بالآباء** ممنوع ہے لیکن چوں کہ **حلف بالامانت** بہت سے ائمہ کے نزدیک منعقد ہوجاتی ہے اس لئے کہا جائے گا کہ حدیث میں ممانعت تشبیہ بالیہود کی وجہ سے ہے۔ (الدر المنضود: ۵/۲۹۳، شرح الطیبی: ۷/۳۰)

اسلام سے برأت کی قسم کھانا

{۳۲۷۵} **وَعَنْه** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِنَ الْاِسْلَامِ اِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا۔ (رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه)

حواله: ابو داؤد شریف: ۲/۴۶۲، باب ماجاء فی الحلف بالبراءة، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۲۵۸، نسائی شریف: ۱/۱۲۴، باب الحلف بالبرأة من الاسلام، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۷۷۲، ابن ماجه: ۱۵۲، باب من حلف بملة غیر الا سلام، کتاب الکفارات، حدیث نمبر: ۲۱۰۰۔

ترجمه: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص کہے کہ میں اسلام سے بری ہوں تو اگر وہ جھوٹا ہے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے کہا اور اگر وہ سچا ہے تو وہ ہرگز اسلام کی طرف صحیح وسالم نہیں لوٹے گا۔

تشریح: اسلام ایک نعمت عظمیٰ ہے لہٰذا اس سے برأت کا اظہار قطعاً نہ کرنا چاہئے، جو شخص اسلام سے کسی بھی صورت میں برات کا اظہار کرے گا، وہ اپنا نقصان کرے گا، اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کام کرے تو اسلام سے خارج ہو جائے، اور اس نے وہ کام کیا تو اسلام سے نکل گیا اور اس نے وہ کام نہ کیا تو اسلام سے نکلا تو نہیں لیکن سخت گنہگار رہوا اور اس کا مقام ورتبہ گھٹ گیا۔

انی بری من الاسلام: کسی شخص نے یوں قسم کھائی کہ اگر میں فلاں کام کروں تو یہودی ہو جاؤں، یا میں اسلام سے خارج ہو جاؤں گا اور پھر اس نے قسم کے خلاف کیا یعنی اس عمل کو انجام دیدیا جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، تو حدیث کے ظاہر الفاظ سے تو وہ یہودی ہوگیا، یا اسلام سے نکل گیا، یہی بعض شوافع کا مذہب بھی ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا شخص سخت گنہگار رہوگا، لیکن کافر نہ ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بطور تہدید کے ہے، حقیقت پر محمول نہیں ہے۔

وان کان صادقا: اگر اس نے قسم پوری کرلی تو بھی گنہگار رہوگا، اس لئے کہ اس کو کسی بھی صورت

میں یہودیت یا اسلام سے خروج کا اقرار نہ کرنا چاہئے تھا، اس میں ایک طرح سے مذہب اسلام کی ناقدری ہے، لہٰذا اس کے حصہ میں گناہ تو بہر حال آئے گا یہی مطلب اس بات کا ہے کہ وہ اسلام میں صحیح و سالم نہیں لوٹے گا۔

اب رہ گئی یہ بات کہ قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس کے لئے عرض ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ ان کلمات سے قسم منعقد ہی نہیں ہوتی ہے، لہٰذا ان کے نزدیک کفارہ بھی نہیں ہے اور حنفیہ کے نزدیک قسم منعقد ہو جاتی ہے لہٰذا کفارہ بھی واجب ہے۔

(فیض المشکوٰۃ: ۳۱۲/۶، مرقاۃ: ۵۶۱/۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قسم کھانے کا انداز

{۳۲۷۶} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اجْتَھَدَ فِی الْیَمِیْنِ قَالَ لَا وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِی الْقَاسِمِ بِیَدِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۴۶۵/۲، باب ماجاء فی یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماکانت، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۲۶۴۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قسم میں زور پیدا کرتے تو فرماتے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں ابوالقاسم کی جان ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قسم میں بھرپور تاکید پیدا کرنا چاہتے تھے، اور اس کے لئے ان الفاظ میں قسم کھاتے تھے، جن کا ذکر حدیث میں ہے، چوں کہ ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت کا بیان ہے، لہٰذا یہ قسم بہت ہی بلیغ ہے۔

اذا اجتھد فی الیمین: جب آپ کسی بات پر مبالغہ کے ساتھ قسم کھاتے تو اس طرح فرماتے "**لا والذی الخ**" ابوالقاسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے، اس طرح قسم کھانے سے بڑی تاکید پیدا ہوتی ہے، جن الفاظ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر قسم کھاتے تھے وہ چار الفاظ ہیں "**والذی نفسی**

بیدہ"، ایسے ہی "**والذی نفس محمد بیدہ**" **لا ومقلب القلوب**" "**واللہ**" "**ورب الکعبۃ**"، قسم سے پہلے "**لا**" ہے یا تو زائد ہے یا پھر کلام سابق کی نفی کے لئے ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ اس قسم کے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے اس لئے یہ قسم خوب بلیغ ہے اور آگے فرماتے ہیں کہ یہ اقسام قسم میں اشرف ہے۔

(شرح الطیبی: ۷/۳۱، مرقاۃ: ۳/۵۶۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قسم کھانے کا ایک اور طریقہ

{۳۲۷۷} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَتْ یَمِیْنُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَلَفَ وَاسْتَغْفِرُ اللهَ۔ (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۴۶۵، باب ماجاء فی یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الکفارات، حدیث نمبر: ۳۲۹۳، ابن ماجہ شریف: ۱/۱۵۲، حدیث نمبر: ۲۰۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قسم کھاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم یہ ہوتی، نہیں اور میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ (ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قسم کھانے کا ایک اور طریقہ مذکور ہے، اگر چہ اس میں قسم کے الفاظ موجود نہیں ہیں، لیکن کلام کو مؤکد کرنے کی وجہ سے قسم کے مشابہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مقصود یہ ہے کہ اگر معاملہ اس کے خلاف ہو تو میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

لا واستغفر اللہ: یا تو یہ قسم کے مشابہ ہے یا پھر یہاں مقسم محذوف ہے یعنی اصل میں "**لا واللہ**" ہے یا پھر عبارت یوں ہے، "**استغفر اللہ من الحلف**" اس لئے کہ اگر چہ قسم کی گنجائش ہے، لیکن افضل تو بہر حال قسم نہ کھانا ہے۔

قسم میں ان شاء اللہ لگانا

{۳۲۷۸} **وَعَنْ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۸۰، باب ما جاء فی الا ستثناء فی الیمین، کتاب النذور، حدیث نمبر: ۱۵۳۱، ابو داؤد شریف: ۲/ ۱۳۲، باب الاستثناء حدیث نمبر: ۳۸۳۰، ابن ماجۃ شریف: ۱۵۲، باب الا ستثناء فی الیمین، کتاب الکفارات، حدیث نمبر: ۲۱۰۵، دارمی: ۲/ ۲۴۲، باب فی الاستثناء فی الیمین، کتاب النذور والایمان، حدیث نمبر: ۲۳۴۲۔

حل لغات: **حنث:** قسم توڑنا اور گنہگار ہونا، **الحنث:** گناہ، جھوٹی قسم۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے کسی بات پر قسم کھائی اور ان شاء اللہ بھی کہا تو وہ حانث نہ ہوگا۔ (ترمذی، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) ترمذی نے ایک جماعت کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے اس روایت کو ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف قرار دیا ہے۔

تشریح: اگر قسم کے ساتھ لفظ ان شاء اللہ متصلا کہا جائے تو وہ قسم منعقد نہیں ہوتی ہے، اور جب قسم منعقد ہی نہیں ہوتی تو اسکے توڑنے پر کفارہ بھی نہیں ہے، کیونکہ قسم توڑنے والا حانث ہوا ہی نہیں، محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حدیث مرفوع نہیں ہے، بلکہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

من حلف علی یمین: یعنی کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائی یمین سے محلوف علیہ مراد ہے۔

فقال ان شاء اللہ: فا تعقیب مع الوصل کے لئے ہے اس لئے ''اور'' اس کے ساتھ ہی ترجمہ کیا گیا ہے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید کی ہے انہوں نے فرمایا کہ ''**ای متصلا بیمینہ، فلاحنث**

علیہ" یعنی اگر اس حالت میں اس نے اپنے کہے ہوئے کے خلاف کیا یعنی بظاہر قسم توڑ دی تو اس پر قسم توڑنے کا گناہ نہیں ہے، اس لئے کہ متصلا ان شاء اللہ کہنے کی وجہ سے وہ قسم ہوئی ہی نہیں۔

مذاہب ائمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مؤطا میں فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہوں نے فرمایا کہ **"اذا قال ان شاء اللہ و وصلها فلاشیء علیہ"۔**

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا حکم قسم کا ہی ہوگا اور خلاف کرنے پر کفارہ یمین لازم ہوگا اس لئے کہ یوں تو تمام اشیاء اللہ کی مشیئت پر موقوف ہیں اس لئے اس کے ذکر سے کوئی حکم نہیں بدلے گا، خدا معلوم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا مطلب کیا بیان کرتے ہیں اور جمہور کا مسلک اسی حدیث کے موافق ہے۔

علامہ بغوی کی شرح السنہ میں ہے کہ اکثر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے یعنی یہ کہ اگر استثناء یمین سے متصل ہے اور یا معمولی سکتہ کے ساتھ مفصول بھی ہے مثلا سانس لینے کے لئے رکا، یا اگلا جملہ فورا متصلا کہنے سے عاجز ہوگیا اور اس کی وجہ سے ذرا رک کر انشاء اللہ کہا تو اس پر کوئی گناہ قسم توڑنے کا نہیں ہوگا اور ان حضرات نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اور طلاق اور عتاق کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، یعنی اگر طلاق دی اور متصلاً ان شاء اللہ کہہ دیا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور آزاد کیا لیکن متصلا ان شاء اللہ کہہ دیا تو آزادی حاصل نہ ہوگی۔ البتہ اگر یہ استثناء متصلاً نہیں بلکہ منفصلاً ہے تو اکثر اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ اگر فصل طویل ہے یا قسم اور انشاء اللہ کہنے کے درمیان کسی اور سے بات کرنے لگا ہے تو اس استثناء کا اعتبار نہیں ہے، اور قسم طلاق اور عتاق اس صورت میں منعقد ہو جائے گی۔

بعض نے یہ کہا کہ جب تک قسم کھانے والا اسی مجلس میں بیٹھا ہے اس وقت تک اس کو استثناء کا حق ہے اور بعض نے کہا کہ حلف کے بعد جب تک اور کچھ نہ بولے اس وقت تک استثناء کا حق ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو ایک عرصہ تک استثناء کا حق حاصل ہے، مجاہد نے فرمایا دو سال تک استثناء کا حق حاصل ہے، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار مہینہ تک حق استثناء حاصل ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۴۱)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: **"فقال ان شاء اللہ"** میں فاء اتصال کے معنیٰ کو ظاہر کرتا ہے، اس لئے یہ غیر تراخی کے لئے ہی موضوع ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/۳۲)

وذکر الترمذی جماعۃ وقفوہ: یعنی امام ترمذی نے ایک ایسی جماعت روایان کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف کیا ہے، یعنی انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہونا روایت نہیں کیا بلکہ اس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے، لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس جیسا موقوف مرفوع کے ہی حکم میں ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۳۸۴، مرقاۃ: ۳/۵۶۲)

بعض سلف جیسے طاؤس حسن قتادہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا اس میں اختلاف منقول ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اختلاف اس میں مشہور ہے، ان کے نزدیک استثناء کے لئے کسی زمانہ کی قید نہیں جب بھی چاہے کر سکتا ہے۔

واقعہ

اس سلسلہ میں ایک قصہ بھی مشہور ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص **"قیل ھو محمد بن اسحاق صاحب المغازی"** خلیفہ منصور عباسی سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شکایت کی کہ یہ آپ کے جد امجد ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہیں کہ استثناء منفصل معتبر نہیں متصل ہونا ضروری ہے، منصور نے امام صاحب کو بلا کر ان سے اس کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں کہتا ہوں، کہ استثناء منفصل معتبر نہیں اور پھر اس کو مطمئن کرنے کیلئے انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ لوگ آپ کی مجلس میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں حلف اٹھائیں اور پھر مجلس سے باہر جا کر ان شاء اللہ کے ذریعہ نقض بیعت کر کے بری ہو جائیں اس پر وہ خوش ہو گیا اور کہا **"نعم ما قلت وغضب علی ابن اسحاق واخرجہ من عندہ"**۔ (الدر المنضود: ۵/۳۲۴)

الفصل الثالث

غیر مناسب قسم توڑنے کی ہدایت

{۳۴۷۹} وَعَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ اِبْنَ عَمٍّ لِیْ آتِیْهِ اَسْاَلُهٗ فَلاَ یُعْطِیْنِیْ وَلاَ یَصِلُنِیْ ثُمَّ یَحْتَاجُ اِلَیَّ فَیَاْتِیْنِیْ فَیَسْاَلُنِیْ وَقَدْ حَلَفْتُ اَنْ لَا اُعْطِیَهٗ وَلَا اَصِلَهٗ فَاَمَرَنِیْ اَنْ آتِیَ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَاُکَفِّرَ عَنْ یَمِیْنِیْ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَهَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ یَاْتِیْنِی ابْنُ عَمِّیْ فَاَحْلِفُ اَنْ لَا اُعْطِیَهٗ وَلاَ اَصِلَهٗ قَالَ کَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِكَ۔

حواله: نسائی شریف:۲۶۵/۲/۲۶۶، باب الکفارات بعد الحنث، کتاب الایمان، حدیث نمبر:۳۷۸۸، ابن ماجه شریف:۱۵۳، باب من حلف علی یمین فرای غیرها خیر منها، کتاب الکفارات، حدیث نمبر:۲۱۰۹۔

حل لغات: سئل فلانا الشیئ: کوئی چیز کسی سے مانگنا، وصل فلان وصلاً: کسی کے ساتھ بھلائی کرنا، کسی سے تعلق رکھنا، (تعلق اچھا ہو یا برا)

ترجمه: حضرت ابوالاحوص بن مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ بھلا بتائے میرے چچا کا لڑکا ہے جس کے پاس میں آتا ہوں، میں اس سے مانگتا ہوں، تو وہ مجھ کو نہیں دیتا ہے، اور نہ میرے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے، پھر وہ میرا محتاج ہوجاتا ہے، چنانچہ وہ میرے پاس آکر مجھ سے مانگتا ہے، جب کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ میں اس کو نہیں دوں گا، اور نہ اس کے ساتھ حسن سلوک کروں گا، آپ ﷺ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں وہ کام کروں جو بہتر ہے اور میں اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں، ایک دوسری روایت ہے میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے

عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے چچا کا لڑکا ہے میرے پاس آتا ہے اور میں نے قسم کھالی ہے کہ اس کو نہیں دوں گا، اور نہ اس کے ساتھ حسن سلوک کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کردو۔ (نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اگر کسی شخص نے کسی نامناسب بات کی قسم کھائی تو اس قسم کو پورا نہ کرنا چاہئے، بلکہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا چاہئے، بعض لوگ قسم توڑنے کو گناہ سمجھ کر نامناسب بات پر اصرار کرتے رہتے ہیں یہ غلط عمل ہے اور زیادہ گناہ کا باعث ہے۔

عن ابی الاحوص: یہ ابن نضر ہیں انہوں نے حدیث کی سماعت اپنے باپ حضرت نضر سے اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ سے کی ہے، ان کو صاحب مشکوۃ نے تابعین میں شمار کیا ہے **"عن ابیه"** باپ حضرت نضر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ صاحب مشکوۃ نے نہیں کیا **"ارئیت"** علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ **"علمت"** کے معنی میں ہے لیکن اظہر یہ ہے کہ یہ عرفت کے معنی میں ہے اور دونوں فعل مترادف یا متداخل ہیں **"فلا یعطنی"** یعنی جب میں اس سے کچھ مانگتا ہوں تو وہ مجھے نہیں دیتا، **"ولا یصلنی"** اور جب میں اس کے پاس آتا ہوں تو میرے ساتھ بھلائی کا معاملہ نہیں کرتا۔ **"ثم یحتاج الی فیاتینی"** اور جب وہ میرا محتاج ہوتا ہے تو میرے پاس آتا ہے تاکہ میں اس کے ساتھ حسن سلوک کروں، **"فیسئلنی"** آکر مجھ سے مانگتا ہے **"حلفت ان لا اعطیه ولا اصله"** درآں حالیکہ میں نے قسم کھائی کہ میں اس کو نہیں دوں گا، اور اس کے ساتھ کوئی بھلائی کا معاملہ نہ کروں گا، یعنی اس کے کئے ہوئے اپنے ساتھ سلوک کے بدلہ میں، میں بھی وہی کروں گا، جو اس نے میرے ساتھ کیا ہے، **"فامرنی ان آتیه"** تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم فرمایا کہ میں اس کے ساتھ وہ کروں، **"والذی هو خیر"** جو بہتر ہو خواہ اس کو اس کا مانگا ہوا دیکر یا اس کے ساتھ حسن سلوک کر کے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **"خیر"** اسم تفضیل کے لئے نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے **"واکفر"** یعنی دینا اور حسن سلوک اس طور پر ہو کہ میں کفارہ دوں **"عن یمینی"** اپنی قسم کا ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا **"صل من قطعک واعط من حرمک واعف عن من ظلمک۔** جو شخص تم سے رشتہ توڑے اس سے رشتہ جوڑو، جو تم کو محروم کرے تم اس کو عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے اس

کو معاف کرو۔

فال کفر عن یمینک: یعنی اپنی قسم توڑنے کے بعد کفارہ ادا کرو لیکن حسن سلوک اور داد و دہش سے باز نہ رہو۔(انوارالمصابیح:۳۸۶/۶،مرقاۃ:۵۶۲/۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب فی النذور

تنبیہ: واضح رہے نذور جمع کا صیغہ ہے منتوں کی مختلف انواع کی وجہ سے اس کو جمع لایا گیا ہے۔

الفصل الاول

نذر ماننے کی ممانعت

{۳۲۸۰} عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَنْذُرُوْا فَاِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِیْ مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَاِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِيْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۹۷۸/۲، باب القاء العبد النذر، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۶۶۰۹، مسلم شریف: ۴۴/۲، باب النهی عن النذر، کتاب النذر، حدیث نمبر: ۱۶۴۰۔

حل لغات: نذر الشیئ: کوئی چیز اپنے اوپر لازم کرنا، منت ماننا، نذر ماننا، **غنی عن الشیئ:** بے نیاز ہونا، اس کی ضرورت و احتیاج نہ ہونا، **القدر:** فیصلہ خداوندی جو بندوں کے حق میں کر دیا گیا ہو، تقدیر الٰہی، **استخرجه:** نکالنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ نذر مت مانا کرو، اس وجہ سے کہ نذر تقدیر میں لکھی بات کو دور نہیں کرتی ہے، البتہ اس کے ذریعہ سے بخیل کے مال میں سے کچھ نکلوا لیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: منت اور نذر ماننے سے انسان کی مراد پوری ہوتی ہے،لیکن اس کی حقیقت صرف وسائل اور اسباب کے مانند ہے بذات خود یہ تقدیر کیلئے لکھے کو ٹالنے والی نہیں ہے،ہوتا وہی ہے جو اللہ کا فیصلہ ہے اور تقدیر میں لکھا ہے لہٰذا اس نیت سے کہ منت تقدیر کے لکھے کو ٹال سکتی ہے،نذر ماننا ممنوع ہے۔

لاتنذروا: یہ ذا کے ضمہ کے ساتھ ہے اور مشکوٰۃ کے ایک نسخہ میں کسرہ بھی ہے اور ابن ملک نے ضمہ وکسرہ دونوں کو صحیح بتایا ہے اور قاموس میں بھی ایسا ہی ہے **"فان النذر"** اس لئے کہ منت **"لایغنی من القدر شیئا"** اللہ کے اس فیصلہ کے مقابلہ میں جو اللہ نے اپنے بندوں کے حق میں کر دیا ہے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اس لئے کہ تقدیر بدلتی نہیں **"وانمایستخرج بہ من البخیل"** صرف یہ ہوتا ہے کہ جو بخیل اپنے اختیار سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرتا ہے اس سے نذر کے ذریعہ کچھ مال اللہ کی راہ میں نکلوالیا جاتا ہے۔

علامہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگوں کی عادت یہ ہے کہ نفع کو حاصل کرنے کے لئے یا نقصان کو دفع کرنے کے لئے منت مانتے ہیں،اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمایا ہے ہیں اس لئے سخی جب اپنے مال کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے،تو فوراً ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالتا ہے،اور بخیل کا حال یہ ہے کہ اس کا نفس اپنے ہاتھ سے خرچ کرنے پر راضی ہی نہیں ہوتا سوا اس کے کہ مقابلہ میں وہ کوئی نفع پہلے حاصل کرتا ہے،تب جا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر راضی ہوتا ہے،اور حال یہ ہے کہ ہوتا وہی ہے جو مقدر ہو چکا ہے،کبھی تقدیر کے مطابق منت کے مطابق کام ہو جاتا ہے تو اس راہ سے بخیل سے کچھ مال نکل جاتا ہے اور جب نوشتہ تقدیر کے مطابق اس کا کام نہیں ہوتا تو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے محروم ہی رہتا ہے،اور علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ نذر سے نہی کی منشاء یہ ہے کہ منت کے بعد مال کی ادائیگی کے واجب ہونے کی شکل میں اس میں ٹال مٹول نہ کی جائے اس لئے کہ نذر ماننے کے بعد پھر اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ نہی سے مراد وہ منت ہے جس کو کوئی ماننے والا اس عقیدہ کے ساتھ مانے کہ جو چیز مقدر میں نہیں ہے وہ میری نذر کے ذریعہ شاید ہو جائے، اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی کو معلل کیا ہے اپنے قول: **'فان النذر لایغنی من القدر"** کے ساتھ اور اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ نذر سے تقدیر نہیں بدلتی ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا جا چکا اور

جس نذر سے منع کیا گیا وہ، وہ نذر ہے جس کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ یہ نذر ہی بذات خود تقدیر کے لکھے ہوئے کو ٹال سکتی ہے اور ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ نذر کے ذریعہ ہی مقاصد پورا ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن اگر کوئی آدمی نذر مانے اور عقیدہ اس کا یہ ہو کہ اللہ ہی کی ذات معاملات کو آسان بنانے والی اور اسی کی ذات نقصان پہنچانے والی ہے اور منت مثل دیگر وسائل و ذرائع کے ہے تو اس عقیدہ کے ساتھ نذر کا پورا کرنا طاعت ہے اور یہ منہی عنہ نہیں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے نذر کرنے والے کی تعریف فرمائی ہے آیت کریمہ ہے: **"یوفون بالنذور"** یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی منتیں پوری کرتے ہیں، اور دوسری جگہ فرمایا: **"انی نذرت لک مافی بطنی محرراً"** یارب میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لئے وقف رکھوں گی، میری اس نذر کو قبول فرما۔ (سورۃ آل عمران) اور فرمایا: **"نذرت للرحمن صوما"** آج میں نے خدائے رحمن کے لئے ایک روزے کی منت مانی ہے اس لئے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ (سورۃ مریم)

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں منہی عنہ دراصل قید ہے یعنی وہ فاسد عقیدہ کہ نذر اللہ کے فیصلہ کو ٹال سکتی ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۳۸۷، مرقاۃ: ۳/۵۶۳)

گناہ کی نذر پورا کرنے کی ممانعت

{۳۲۸۱} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّعْصِيَهٗ فَلَا يَعْصِهٖ۔ (رواه البخاری)

حواله: **بخاری شریف: ۲/۹۹۱، باب النذور فی الطاعة، کتاب الایمان والنذور، حدیث نمبر: ۶۶۹۶۔**

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی نذر مانی تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے، اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی منت مانی تو اس کو چاہئے کہ وہ نافرمانی نہ کرے۔ (بخاری)

تشریح: اگر کسی شخص نے کارِ خیر کی نذر مانی مثلاً یہ نذر مانی کہ اگر مجھے بیماری سے شفا مل گئی تو میں ایک ماہ کے روزے رکھوں گا تو چوں کہ یہ اطاعت خداوندی کی نذر ہے، لہٰذا اس کو ضرور پورا کرنا چاہئے اس کے مقابلہ میں اگر کسی شخص نے کسی برے کام کی نذر مانی مثلاً کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ناچ گانے کی محفل منعقد کروں گا، تو چوں کہ یہ کام گناہ کا ہے، لہٰذا قسم کی نذر ہرگز پوری نہ کرنا چاہئے اگر کوئی پوری کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

من نذر ان یطیع اللہ فلیطعه: اللہ کی اطاعت تو ہر حال میں واجب ہے نذر مانے بغیر ہی واجب ہے اور پھر اس کی نذر مان لی تو گویا دو وجوب جمع ہو گئے، اس لئے وجوب میں اور شدت پیدا ہوگئی۔

ومن نذر ان یعصیه فلا یعصیه: اور جس نے یہ نذر مانی کے وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا، یعنی کسی معصیت کے کام کی نذر مانی مثلاً قبر پر چادر چڑھائیگا، شادی میں ناچ گانا کرائے گا وغیرہ، ان کاموں کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے، یعنی ان سے باز رہے، اور اس حالت میں اس پر کفارہ بھی واجب نہ ہوگا، یہ علامہ بغوی کی شرح السنہ میں ہے انہوں نے دلیل یہ دی ہے کہ اگر کفارہ واجب ہوتا تو اس مقام پر رسول اللہ ﷺ اس کو بیان فرماتے، لیکن علامہ قاری نے فرمایا کہ اس حدیث کے اندر کفارہ کے واجب ہونے یا نہ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اور مسلم شریف کی اس حدیث میں مطلق حکم کفارہ موجود ہے۔ حدیث یہ ہے کہ: "**کفارۃ النذر کفارۃ الیمین**" کفارہ نذر کفارہ یمین ہے۔ اور ایک دوسری حدیث جس کو صحیحین کے علاوہ ائمہ حدیث نے اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے وہ یہ ہے "**لانذر فی معصیة و کفارته کفارۃ الیمین**" معصیت میں نذر نہیں ہوتی اور اس کا کفارہ کفارۂ یمین ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے عید کے دن کا روزہ رکھنے کی منت مانی یا قسم کھائی تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا یہی مسلک بہت سے حضرات صحابہ کا ہے، اور امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی قول ہے اور جب کسی نے نذر مانی بلا کسی چیز کے ذکر کے مثلاً یوں کہا مجھ پر منت ہے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(انوار المصابیح: ۳۸۸/۶، مرقاۃ: ۵۶۴/۳)

نذر معصیت کے ترک پر وجوب کفارہ کی بحث

نذر معصیت کا ترک لازم ہے اور اس کا ایفا جائز نہیں ہے اس پر اجماع ہے، لیکن نذر پوری نہ کرنے پر کفارہ ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(۱) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: اگر ایسی معصیت کی نذر مانی ہے، جو حرام بعینہ ہے جیسے کہ زنا کرنے یا شراب پینے کی نذر تو نہ یہ نذر منعقد ہوگی اور نہ کفارہ واجب ہوگا اور اگر معصیت منذورہ حرام لغیرہا ہے جیسے کہ ایام تشریق میں روزے رکھنے کی نذر، تو یہ نذر منعقد ہو جائے گی لیکن اس کا پورا کرنا جائز نہ ہوگا، البتہ قضاء لازم ہوگی، قضا نہ کرنے کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: نذر معصیت مطلقاً منعقد نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ لغو ہوتی ہے، لہٰذا ایسی نذر کا نہ تو پورا کرنا جائز اور نہ کفارہ واجب ہے۔

دلیل: اگر نذر معصیت کے ترک پر کفارہ واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان کرتے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث باب میں صرف نذر معصیت پورا کرنے سے منع کیا ہے، کفارہ کا حکم نہیں دیا ہے، معلوم ہوا کہ کفارہ لازم نہیں ہے۔

(۳) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نذر معصیت کے ترک پر کفارہ یمین واجب ہے۔

دلیل: **"من نذر نذراً في معصية فكفارته كفارة يمين"** یعنی نذر معصیت ماننے والا نذر پوری نہ کرے بلکہ کفارہ یمین ادا کرے۔

دلائل احناف: احناف **"معصیت منذورہ حرام لعینہا"** میں ان دلائل کو پیش کرتے ہیں جو شوافع کے دلائل ہیں یعنی وہ احادیث جن میں کفارہ کی ادائیگی کی تاکید نہیں ہے، مثلاً حدیث باب، اور معصیت منذورہ حرام لغیرہا میں ان دلائل کو پیش کرتے ہیں جو امام احمد کے دلائل ہیں، امام صاحب کا مذہب درمیانی ہے اور اس میں دونوں طرح کی احادیث پر عمل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ راجح ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۶/۳۱۸)

جس چیز کا مالک نہیں اس کی منت نہیں

{۳۲۸۲} **وَعَنْ** عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَلَا فِيْ مَا لَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۴۵/۲، باب لا وفاء لنذر، کتاب النذر، حدیث نمبر: ۱۶۴۱۔

حل لغات: **الوفاء:** تکمیل، ادائیگی، نباہ۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نذر گناہ کا باعث ہو، اس کا پورا کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ اس چیز کی نذر پوری کرنا جائز ہے، جس پر بندہ کو اختیار نہ ہو۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں نذر نہیں ہے۔

تشریح: اگر کسی نے کسی گناہ کے کام کی منت مانی ہے تو نذر پوری کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح جس چیز کا مالک نہیں اس کے سلسلہ میں نذر مانی، مثلاً یہ نذر مانی کہ اگر میں شفایاب ہوگیا تو زید کے غلام کو آزاد کردوں گا، تو یہ نذر ماننا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایسی چیز میں نذر ماننا ہے جو اپنے اختیار میں نہیں ہے۔

عن عمران بن حصین: یہ دونوں حضرات صحابی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا وفاء۔** علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **"ای جائز وصحیح"** یعنی جائز اور صحیح نہیں ہے **"لنذر فی معصیۃ"** ایسی نذر کی تکمیل جو کسی گناہ کے لئے رہی ہو، **"وقد سبق ذکرہ، ولا"** یعنی۔ **ولا وفاء۔** یعنی اس نذر کی تکمیل نہیں کہ وہ منعقد ہی نہیں **"فیما"** یعنی وہ نذر متعلق ہو کسی ایسی چیز سے **"لا یملک العبد"** جس کا وہ مالک نہیں یعنی جس وقت اس ناذر نے نذر مانی ہے اس وقت اس کا مالک نہیں تھا تو وہ نذر منعقد ہی نہ ہوگی۔

اس مضمون کی مفصل حدیث **"باب فی الطلاق قبل النکاح"** میں گذر چکی ہے **"عن عمرو**

بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لا طلاق الا فیما تملک ولا عتق الا فیما تملک ولا بیع الا فیما تملک ولا وفاء نذر الا فیما تملک" اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے "**من حلف علی معصیة فلا یمین له**" ان تمام مسائل کا بیان واختلاف علماء کتاب الطلاق میں اسی حدیث کے ذیل میں گذر چکا ہے، تاہم نذر سے متعلق مسئلہ دوبارہ ہم یہاں لکھ دیتے ہیں یعنی جو چیز آدمی کی ملک میں نہ ہو نذر ماننے کے وقت اس کی نذر معتبر نہیں، منذور بہ اگر مال کی قبیل سے ہے وہ ناذر کی ملک میں ہونا چاہئے یا کم از کم وہ نذر مضاف الی الملک ہو یا مضاف الی سبب الملک ہو، ان دونوں صورتوں میں بھی نذر صحیح ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ "**ان شفی اللہ مریضی فعبد زید حر**" یہ نذر باطل ہے بالاتفاق، یا تو اپنا غلام ہونا چاہئے۔

یا پھر اضافت الی الملک یا سبب الملک ہونا چاہئے جیسے یوں کہے "**کل مال املکه فیما استقبل فهو صدقة**"

یا یوں کہے کہ "**کل ما اشتریته او ارثه فهو صدقة**"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اضافت الی الملک یا الی سبب الملک کے ساتھ اس شیٔ کی کچھ صفت بھی ذکر کر دی جائے، مثلاً قبیلہ کی تعین یا کسی شہر کی تعیین یا اور کوئی صفت جس سے فی الجملہ تخصیص پیدا ہو جائے تب نذر صحیح ہوتی ہے، ورنہ نہیں، اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اضافت الی الملک یا الی سبب الملک عموماً ہو یا خصوصاً دونوں صورتوں میں معتبر نہیں فی الحال ملکیت ہونی چاہئے۔

حنفیہ مالکیہ کے نزدیک یہ حدیث تنجیز پر محمول ہے کوئی شخص غیر مملوک چیز میں نذر مانے تنجیزاً معتبر نہیں، تعلیق کی صورت میں معتبر ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تنجیز و تعلیق دونوں حدیث کے مفہوم میں داخل ہیں۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں "**و مذهبنا مروی عن عمر وابن مسعود وابن عمر، والجواب عن الاحادیث المذکورة انها محمولة علی نفی التنجیز والحمل ماثور عن السلف کالشعبی والزهری، قال عبدالرزاق فی مصنفه، انا معمر عن الزهری انه قال فی رجل قال کل امرأة اتزوجها فهی طالق، وکل امة اشتریها فهی حرة هو کما قال، فقال له**

معمر او لیس قد جاء لا طلاق قبل النکاح ولا عتق الا بعد ملک، قال انما ذلک ان یقول امرأة فلان طالق، وعبد فلان حر" (بذل: ۳/۲۷۳) بذل میں اس کے بعد مصنف ابن ابی شیبہ سے بہت سے تابعین نے بھی یہی نقل کیا جیسے سالم وقاسم بن محمد عمر بن عبد العزیز وشعبی والنخعی والزہری وغیرہ، یعنی یہ کہ یہ حدیث تنجیز پر محمول ہے اور تعلیق والی صورت اس میں داخل نہیں۔ (الدر المنضود: ۵/۳۱۴)

نذر کے کفارہ کا بیان

{۳۲۸۳} وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۴۵، باب کفارۃ النذر، کتاب النذر، حدیث نمبر: ۱۶۴۵۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ کے مانند ہے۔ (مسلم)

تشریح: اگر کسی شخص نے کسی معصیت کی نذر مانی تو اس کا توڑنا لازم ہے لیکن اس پر کفارہ ہے اور کفارہ کفارہ قسم کے مانند ہے یعنی دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا یا پھر ایک غلام آزاد کرنا اور اگر ان میں سے کچھ نہ ہو سکے تو تین روزے رکھنا۔

کفارۃ النذر کفارۃ الیمین: ترمذی میں اس جزء سے پہلے ہے، **"لانذر فی معصیة"** یعنی کسی معصیت کی نذر پوری کرنا جائز نہیں ہے، البتہ چوں کہ نذر منعقد ہو جاتی ہے لہٰذا کفارہ لازم ہے اور وہ کفارہ قسم کے کفارہ کے مانند ہے، کفارہ قسم کی تفصیل ما قبل میں بیان ہو چکی ہے۔

عن عقبة ابن عامر: یہ حضرت عقبہ ابن عامر جہنی رضی اللہ عنہ ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے بھائی حضرت ابن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بعد مصر کے گورنر تھے ان سے بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے احادیث روایت کیں ہیں۔

غیر طاعت کی نذر کا حکم

{۳۲۸۴} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ بَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ اِذَا ھُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْہُ فَقَالُوْا اَبُوْ اِسْرَائِیْلَ نَذَرَ اَنْ یَقُوْمَ وَلَا یَقْعُدَ وَلَا یَسْتَظِلَّ وَلَا یَتَکَلَّمَ وَیَصُوْمَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُرُوْہُ فَلْیَتَکَلَّمْ وَلْیَسْتَظِلَّ وَلْیَقْعُدْ وَلْیُتِمَّ صَوْمَہٗ۔ (روہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۹۱، باب النذر فیما لا یملک، کتاب الایمان والنذور، حدیث نمبر: ۶۷۰۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، کہ اچانک ایک ایسے شخص پر آپ ﷺ کی نظر پڑی جو کہ کھڑے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا، تو صحابہ نے عرض کیا کہ یہ ابو اسرائیل ہیں، انہوں نے نذر مانی ہے کہ کھڑے رہیں گے، بیٹھیں گے نہیں، اور نہ سایہ میں آئیں گے، اور نہ بات کریں گے، اور روزہ رکھیں گے، حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ بات کریں اور سایہ میں چلے آئیں، اور بیٹھ جائیں، نیز اپنے روزہ کو پورا کریں۔ (بخاری)

تشریح: نذر طاعت کو پورا کرنا لازم ہے اور غیر طاعت کی نذر پوری کرنا لازم نہیں ہے اس حدیث میں جس شخص کا ذکر ہے اس نے دونوں طرح کی نذریں مان رکھی تھیں، جو نذر طاعت کی تھی اس کو پورا کرنے کی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی اور جو نذر غیر طاعت کی تھی اس میں اپنے آپ کو تکلیف دینا اور سخت اذیت میں مبتلا کرنا تھا، بلکہ ایک طرح کے ناممکن اعمال کے انجام دہی کی منتیں تھیں، اور اس میں عبادت کے کوئی معنی نہ تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے ان سے منع فرمادیا۔

فلیتکلم الخ: سب جگہ لام ساکن ہے جبکہ کسرہ بھی صحیح ہے "**ولیتم صومہ**" البتہ انہوں نے ہمیشہ روزہ رکھنے کی جو نذر مانی ہے اس کو پورا کریں، یعنی ہمیشہ روزہ رکھیں اس لئے کہ صوم دہر پر جو قادر

ہواس کے لئے یہ پسندیدہ اور محمود ہے، البتہ اس سے پانچ دن کے وہ روزے جوحرام ہیں وہ مستثنیٰ ہیں یعنی دوعیدین کے اور تین ایام تشریق کے، اور اگر اپنی نذر میں اس نے ان پانچ روزوں کو بھی شامل کیا ہے، تو روزہ تو بہرحال نہ رکھے گا لیکن اس کو کفارہ دینا ہوگا اور آنحضرت ﷺ نے بات کرنے کا حکم اس لئے فرمایا کہ یہ تکلم کبھی واجب ہوتا ہے جیسے نماز میں قرآت اور سلام کا جواب دینا اور نہ بیٹھنے کی نذر یا سایہ نہ حاصل کرنے کی نذر سے ممانعت اس لئے فرمائی کہ یہ طاقت بشریہ سے زائد بات ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے حنث کا حکم فرمایا قبل اس کے ان کو پورا کرنے کیوجہ سے کوئی نقصان پہنچ جائے۔

چند مسائل

اصحاب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کسی نے عید کے دن کے روزہ کی نذر مانی تو اس پر عید کے علاوہ دوسرے دن کا روزہ لازم ہوگا۔

اگر کسی نے اپنے لڑکے کے نحر کی نذر مانی تو اس پر ایک بکری کا ذبح کرنا واجب ہوگا۔

اگر کسی نے اپنے والد کے قربانی کی نذر مانی تو اس پر اتفاق ہے کہ اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا اور دونوں کے درمیان فرق کی وجہ غالبا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے لڑکے کی قربانی کی نذر کا رواج تھا، اور اس کو وہ کار ثواب سمجھتے تھے، برخلاف والد کی قربانی کے کہ اس کا کبھی کوئی رواج نہیں رہا ہے۔

(انوار المصابیح: ۳۰۹/ ۶، مرقاۃ: ۵۶۴/ ۳)

پیدل بیت اللہ جانے کی نذر ماننا

{۳۲۸۵} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى شَيْخًا يُهَادٰى بَيْنَ اِبْنَيْهِ فَقَالَ مَابَالُ هٰذَا قَالُوْا نَذَرَ اَنْ يَّمْشِيَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ وَاَمَرَهُ اَنْ يَّرْكَبَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِرْكَبْ اَيُّهَا الشَّيْخُ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ.

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۲۵۱، باب من نذر المشی الی الکعبۃ، کتاب جزاء الصید، حدیث نمبر: ۱۸۶۵، مسلم شریف: ۲/۴۵، باب من نذر المشی الی الکعبۃ، کتاب النذر، حدیث نمبر: ۱۶۴۲۔

حل لغات: ھادی فلان، فلانا: کسی کو لڑکھڑاتے ہوئے چلانا، **تھادی فلان بین رجلین:** کمزوری کے باعث دوآدمیوں کا سہارا لینا، **الشیخ:** بوڑھا، عمر رسیدہ، علم وفضل میں ممتاز شخصیت، **تعالی:** بلند ہونا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جسکو اس کے دو لڑکوں کے درمیان لیجایا جارہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے بیت اللہ تک پیدل چلنے کی نذر مانی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنے سے بے پرواہ ہیں، اور آپ نے اس کو حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ، (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک دوسری روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے بڑے میاں! سوار ہو جاؤ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہاری نذر سے بے نیاز ہیں۔

تشریح: ایسے عمل کی نذر ماننا چاہئے جس کے کرنے کی طاقت وقوت ہو، چونکہ ایک بوڑھے آدمی نے پیدل بیت اللہ حاضری کی منت مانی تھی، جب کہ وہ اپنے ضعف کی وجہ سے پیدل چلنے سے معذور تھے اور اوراس کے دو بیٹے اس کو پکڑ کر لیجارہے تھے۔ لہٰذا آپ نے ان کو اس اذیت کے برداشت کرنے سے منع فرمادیا اوراس بات کی تاکید کی کہ وہ اپنی نذر پوری نہ کریں، بلکہ سوار ہو کر بیت اللہ جائیں۔

نذر ان یمشی الی بیت اللہ: خانہ کعبہ پیدل جانے کی منت ماننا صحیح ہے، اسی لئے یہ از قبیل عبادت ہے، اب اگر اس کے اندر پیدل خانہ کعبہ تک جانے کی قوت ہے تو اپنی نذر پوری کرے اور اگر قوت نہیں ہے تو سوار ہو کر جائے۔

روایات کا تجزیہ

جاننا چاہئے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اخت عقبہ کی نذر کے قصہ کو دوطرح ذکر کیا ہے،ایک بروایت عقبہ اور دوسرے بروایت عکرمہ عن ابن عباس مسنداً اور ایک طریق میں ہے عن عکرمہ مرسلاً، پھر روایت عقبہ بن عامر کے الفاظ تو یہ ہیں۔ **"مروها فلتختمر ولتركب ولتصم ثلاثة ايام"** اس کو حکم دو کہ وہ اوڑھنی اوڑھے اور سواری پر سوار ہو اور تین دن کے روزے رکھے۔اور ایک روایت میں ہے، **"لتمش ولتركب"** چاہئے کہ وہ پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو۔اس میں صوم وغیرہ کا ذکر نہیں ہے،اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ **"فامرها النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تركب وتهدی هديا"** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سوار ہونے کا حکم فرمایا اور یہ کہ قربانی کرے۔اور ایک روایت میں انکی اس طرح **"فلتحج راكبة ولتكفر يمينها"** چاہئے کہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف مشی کا ذکر ہے عدم اختمار کا نہیں۔

اس کے بعد مصنف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی جس کا تعلق اخت عقبہ سے نہیں ہے، بلکہ اس میں ہے **"رأى رجلا يهادى بين ابنيه"** ایک شخص کو دیکھا کہ اس کو اسکے دونوں بیٹوں کے درمیان لیجایا جا رہا ہے۔اور اس میں یہ ہے، **"ان الله لغنی عن تعذيب هذا نفسه وامره ان يركب"** بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے کہ یہ اپنے آپ کو عذاب دے اور اس کو سوار ہونے کا حکم فرمایا۔ حافظ فرماتے ہیں کہ حدیث انس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رکوب کا حکم فرمایا جزماً اور اخت عقبہ کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو آپ نے حکم فرمایا، **"ان تمشی وان تركب"** پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو جائے۔اس لئے کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کے اندر نذر ماننے والا **"كان شيخا ظاهر العجز"** ایسے بوڑھے تھے جن کا عاجز ہونا ظاہر تھا۔اور اخت عقبہ کا حال یہ نہیں تھا اس لئے آپ نے اس کو یہ فرمایا کہ جب تک پیدل چل سکے چلے اور جب عاجز ہو جائے تو سوار ہو جائے۔

الکلام علی الحدیث من حیث الفقہ

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ جو شخص حج ماشیا کی نذر مانے تو اس پر اس کا ایفاء واجب ہے ورنہ اس پر جزاء واجب ہوگی، پس اگر اس نے اپنی نذر کا ایفاء کر دیا تو فبہا اور اگر نہیں کیا تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کفارہ یمین واجب ہوگا لہٰذا **"ولتصم ثلاثة ایام"** اور چاہئے کہ تین دن کے روزے رکھے۔ والی روایت حنابلہ کے موافق ہوگی، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر ہدی واجب ہوگی، اور حنفیہ کے نزدیک ہدی اس صورت میں واجب ہوگی **"اذا کان الرکوب فی اکثر المسافة"** جبکہ اکثر مسافت میں سوار ہو۔ اور اگر ایسا نہیں تو اس پر قیمت شاۃ واجب ہوگی، بقدر رکوب کے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال ابن عباس کی روایت سے ہوا جس میں ہے **"ان ترکب وتهدی هدیا"** چاہئے کہ سوار ہو اور قربانی کرے۔ اب یہ کہ جس روایت میں **"ولتصم ثلاثة ایام"** اور چاہئے کہ تین دن کے روزے رکھے ہے وہ ائمہ ثلاثہ کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ روایت بالمعنی ہو اس لئے کہ ابن عباس کی روایت کے ایک طریق میں اس طرح ہے **"فلتحج راکبة ولتکفر یمینها"** پس چاہئے کہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی یمین کا کفارہ ادا کرے۔ تو اسی کو راوی نے **"ولتصم ثلاثه ایام"** اور چاہئے کہ تین دن کے روزے رکھے۔ سے تعبیر کر دیا ہو، حالانکہ کفارہ یمین سے مراد یہاں پر کفارہ الجنایۃ تھا جیسا کہ ابن عباس ہی کی روایت کے دوسرے طریق میں **"ان ترکب وتهدی هدیا"** سوار ہو جائے اور قربانی کرے۔ وارد ہے چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ: **"والظاهر ان المراد بالتکفیر کفارة الجنایة وهی الهدی اومایقوم مقامه من الصوم"** یہ سب کچھ تو وہ ہے جو ہم نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شراح کے کلام سے سمجھا۔

ہمارے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے، **"بذل"** میں اس مقام کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اخت عقبہ کی نذر میں دو چیزیں پائی گئیں ہیں ایک حج ماشیا کی نذر دوسرے عدم اختمار کی نذر، ان دو میں ایک نذر نذر طاعت ہے اور دوسری نذر معصیت ہے، نذر طاعت کا پورا کرنا واجب ہے یعنی حج ماشیاً

اور پورانہ کرنے کی صورت میں ہدی یعنی دم جنایت واجب ہوگی جیسا کہ ایک روایت میں ہدی کا ذکر ہے، اور دوسری نذر جو نذر معصیت ہے اس کا ایفاء چونکہ ناجائز ہے اور حانث ہونا واجب ہے پھر اس صورت میں کفارہ یمین واجب ہوگا جیسا کہ یہاں ایک روایت میں ہے **"ولتصم ثلاثه ایام"** اور چاہئے کہ تین دن کے روزے رکھے۔ سے حضرت کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ بذل میں اس مسئلہ میں مذاہب ائمہ کی تفصیل مذکور ہے۔ جو یہاں پر نقل کی جارہی ہے۔

ففیه من نذر امشی ثم رکب فعند احمد القادر علی المشی اساء دون العاجز وعلیه کفارة یمین بکل حال والروایة الاخری علیه دم وهو قول الشافعی فی الحالین القدرة والعجز والدم الشاة علی الاصح. وقول آخر انه بدنة. وعند مالك یجب قضاء مارکب فی سنة اخری فیمشی مارکب ویرکب ماشی اذا کان المشی کثیراً اوکان فی المناسك وهی من خروج مکة الی رجوع منی، ومع ذالك یجب الهدی ایضا، وهٰذا اذا کان قرب البلدة کالمدنی او متوسطها کالمصری وان کان بعیدالبلدة کالافریقی فعلیه الهدی فقط وکذا اذاکان الرکوب قلیلا فی غیر المناسك وعندنا الحنفیة اذا رکب فی اکثر الطریق بعذر او بلا عذر فعلیه دم شاة والاقل او المساواة بقدر ذلك من قیمة الشاة۔ (اوجز:۱۲۴/۴)

فائدہ: حاصل یہ کہ ہدی کا حکم رکوب کی وجہ سے ہے اور صوم ثلاث ایام کا تعلق اختمار سے ہے دونوں روایتوں کو جمع کیا جائیگا۔ (الدر المنضود:۳۱۰/۵)

سوال: عدم قدرت کی صورت میں سواری کے ذریعہ سفر کرنے پر نذر ٹوٹ گئی تو اس شکل میں کیا کفارہ واجب ہوگا؟

جواب: کفارہ میں کیا چیز واجب ہوگی، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، ذیل میں اس اختلاف کی قدرے وضاحت نقل کی جارہی ہے۔

دلیل: **عن ابن عباس ان اخت عقبة بن عامر نذرت ان تحج ما شیة وانها لا تطیق**

ذلک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لغنی عن مشی اختک فلترکب ولتھد بدنۃ" حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کو سوار ہونے کا حکم فرمایا اور قربانی کرنے کا بھی حکم فرمایا۔ اور ایک روایت کے الفاظ میں **"فامرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ترکب وتھد ھدیا"** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی اور ان میں اس کی طاقت نہیں تھی آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ تیری بہن کے پیدل چلنے سے غنی ہے پس چاہئے کہ وہ سوار ہو اور اونٹ کی قربانی کرے۔ (ابوداؤد، دارمی) یہ حدیث اس بات پر صریح ہے کہ پیدل چلنے کی نذر ماننے والا اگر پیدل چلنے پر قادر نہ ہو تو وہ بکری گائے یا اونٹ ذبح کرنے کے لئے حرم بھیجے اور خود سوار ہو کر سفر کرے۔

امام احمد کا مذہب: حنابلہ کا مذہب مختار یہ ہے کہ ایسی صورت میں کفارہ یمین واجب ہوگا۔

دلیل: آگے حدیث آرہی ہے، **"ان عقبۃ بن عامر سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اخت لہ نذرت ان تحج حافیۃ غیر مختمرۃ فقال مروھا فتختمر ولترکب ولتصم ثلاثۃ ایام"** حضرت عقبۃ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے اپنی بہن کے بارے میں سوال کیا کہ اسنے پیدل ننگے سر حج کرنے کی نذر مانی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو حکم دو کہ اوڑھنی اوڑھے اور سوار ہو اور تین دن کے روزے رکھے۔ حنابلہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں روزہ رکھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ کفارہ یمین کی مختلف صورتوں میں سے ایک تین دن کا روزہ رکھنا بھی ہے، لہٰذا اس سے کفارہ یمین کا وجوب معلوم ہوا۔

جواب: وہ ہدی پیش کرنے سے عاجز تھیں اس لئے روزہ کا حکم کیا۔

سوال: اگر کسی نے پیدل بیت اللہ تک جانے کی نذر مانی تو کیا اس پر حج واجب ہو گیا؟

جواب: جمہور کے نزدیک اس طرح کی نیت کرنے سے حج یا عمرہ واجب ہو جاتا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے حج یا عمرہ واجب نہیں ہوتا ہے، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا دارومدار عرف پر ہے، اگر کسی جگہ اس طرح کی نذر ماننے سے مقصود حج یا عمرہ ہی ہوتا ہے تو وہاں حج یا عمرہ واجب ہو جائے گا۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۳۲۱)

پیدل چلنا کہاں سے واجب ہوگا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے، بعض حضرات نے کہا کہ میقات سے پیدل جانا ہوگا، اور بعض نے کہا جہاں سے احرام باندھا وہاں سے پیدل جانا ہوگا، یہی قول امام فخر الاسلام کا ہے، اور شمس الائمہ سرخسی اور صاحب ہدایہ، قاضی خان زیلعی اور ابن ہمام رحمہم اللہ علیہم وغیرہ نے فرمایا کہ اپنے گھر سے ہی پیدل چلنا شروع کرے گا، اس لئے کہ اس کے مندرجہ بالا قول کی عرفا مراد یہی ہے پس اگر کسی نے اپنے گھر سے احرام باندھ لیا تو بالاتفاق اس کو گھر سے ہی پیدل چلنا ہوگا اگر تمام راستہ کسی نے مذکورہ قول کی وجہ سے سوار ہو کر گیا یا زیادہ تر سواری کی یہ خواہ مخوہ عذر کی وجہ سے یا بلا عذر رہو اس پر دم واجب ہے اور اگر نصف سے کم سواری پر سفر کیا تو ایک بکری کی قیمت کا صدقہ کرے۔

(انوار المصابیح: ۶/۳۹۲، مرقاۃ: ۳/۵۶۵)

میت کی مانی ہوئی نذر پوری کرنا

{۳۲۸۶} **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اِسْتَفْتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَذْرٍ كَانَ عَلٰى اُمِّهٖ فَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ اَنْ تَقْضِيَهٗ فَاَفْتَاهُ اَنْ يَقْضِيَهٗ عَنْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۹۱، باب من مات وعلیہ نذر، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۶۶۹۸، مسلم شریف: ۲/۴۴، باب الامر بقضاء النذر، کتاب النذر، حدیث نمبر: ۱۶۳۸۔

حل لغات: استفتاء: کسی سے مسئلہ شرعی میں شرعی حکم معلوم کرنا، قضی الصلوۃ: نماز ادا کرنا، نماز کی قضا پڑھنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے بارے میں فتویٰ لیا جو کہ ان کی ماں پر تھی اور جس کو پورا کرنے سے پہلے وہ وفات پا گئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو فتویٰ دیا کہ وہ اپنی ماں کی نذر پوری کر دیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اگر کسی نے کسی بات کی نذر مانی اور نذر پوری کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا تو اس میت کے وارث کو چاہئے کہ وہ نذر پوری کر دے اگر میت نے مال چھوڑا ہے اور نذر مانی ہے تب تو نذر پوری کرنا لازم ہے اور اگر مال نہیں چھوڑا ہے تو نذر پوری کرنا مستحب ہے۔

فی نذر کان علی امہ: حضرت سعد کی ماں نے منت مانی تھی لیکن اس کے پورا کرنے سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا۔

سوال: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کس چیز کی منت مانی تھی؟

جواب: اس سلسلہ میں اقوال مختلف ہیں، نسائی شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بعد میں اپنی والدہ کی طرف سے ایک غلام آزاد کر دیا تھا، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے یا تو مالی نذر مانی تھی یا مبہم نذر مانی تھی اس قول کی تائید میں روایات بھی ہیں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نذر معین ہونا راجح ہے۔

سوال: وارثین کے ذمہ مرنے والے کی مانی ہوئی نذر پوری کرنا لازم ہے یا نہیں؟

جواب: جمہور کے نزدیک اگر مرنے والے نے اپنی نذر پوی کرنے کی وصیت کی تھی اور وہ نذر مالی ہے اور میت نے مال بھی چھوڑا ہے اور یہ نذر ثلث مال میں سے پوری بھی ہوسکتی ہے تو ورثاء پر اس نذر کا پورا کرنا لازم ہے لیکن اگر ثلث مال سے وہ نذر پوری نہیں کی جاسکتی ہے تو ثلث سے زائد میں نذر کا پورا کرنا ورثاء پر لازم نہیں ہے البتہ اگر پوری کر دیں تو بہتر ہے، اور اگر پوری نہ کریں تو ان پر کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔

سوال: اگر میت نے نذر پوری کرنے کی وصیت نہیں کی تھی تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر میت نے نذر پوری کرنے کی وصیت نہیں کی تھی تو وارثین پر نذر پوی کرنا لازم نہیں ہے، البتہ اگر وہ پوری کر دیں تو بہتر ہے۔

سوال: میت نے اگر عبادت مالیہ کے بجائے بدنی عبادت کی نذر مانی تھی تو کیا وارثین کے ذمہ اس کو پورا کرنا لازم ہے؟

جواب: جمہور کے نزدیک عبادت بدنیہ مثلاً نماز روزہ وغیرہ میں نیابت جاری نہیں ہو سکتی ہے، لہٰذا اگر کسی نے عبادت بدنیہ کی منت مانی اور وہ نذر پوری کرنے سے پہلے انتقال کر گیا، تو اس کے ورثاء اس کی طرف سے عبادت بدنیہ انجام نہیں دیں گے، البتہ فدیہ دے سکتے ہیں، نسائی شریف میں آپ کا فرمان ہے کہ **"لایصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد"** کسی طرف سے دوسرا شخص روزہ نہیں رکھ سکتا ہے اور نہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (فیض المشکوۃ:۳۲۱/۶)

مذاہب ائمہ

میت کے ذمہ اگر کوئی نذر ہو تو اس کے پورا کرنے کا بیان۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نذر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مالی ہوگی یا بدنی، یعنی اس کا تعلق یا تو عبارت مالیہ سے ہوگا جیسے صدقہ یا عبادت بدنیہ سے، اگر عبادت مالیہ سے ہے تو پھر دیکھا جائے گا میت نے مال چھوڑا ہے یا نہیں، اگر نہیں چھوڑا تو پورا کرنا کسی کے نزدیک واجب نہیں اور اگر چھوڑا ہے تو پھر اس وصیت کی تنفیذ صرف ثلث مال میں واجب ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بشرط الوصیۃ، اور اس کے بالمقابل عبادت بدنیہ میں جیسے صوم وصلاۃ اس میں وارث کی جانب سے قضا یعنی نیابت **عن المیت** جائز نہیں، ہاں افتداء یعنی فدیہ کے ذریعہ قضاء ہوگی۔ عند الائمہ ثلاثۃ وامام احمد کے نزدیک صوم اس سے مستثنیٰ ہے ان کے نزدیک صوم منذور کی قضا نیابۃ عن المیت جائز ہے۔

یہ نیابت کا مسئلہ اس سے پہلے کتاب الحج والصوم میں بھی گذر چکا ہے اور ظاہریہ کے نزدیک **قضاء النذر عن المیت** مطلقاً واجب ہے **"سواء کان فی العبادۃ المالیۃ او البدنیۃ"**

(الدر المنضود:۳۱۲/۵)

پورا مال خیرات کرنے کی ممانعت

{۳۲۸۷} **وَعَنْ** كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِیْ اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِیْ صَدَقَۃً اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَاِنِّیْ اَمْسِكُ سَهْمِی الَّذِیْ بِخَیْبَرَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَهٰذَا طَرَفٌ مِنْ حَدِیْثٍ مُطَوَّلٍ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۹۰، باب اذا اھدی مالہ، کتاب الایمان والنذور، حدیث نمبر: ۶۶۹۰، مسلم شریف: ۲/۱۳۱، باب حدیث توبۃ کعب، کتاب التوبۃ، حدیث نمبر: ۲۷۶۹۔

حل لغات: **الخلع من الشیء:** کسی چیز سے نکل جانا، آزاد ہو جانا، **بعض الشیء:** کچھ حصہ، تھوڑا حصہ، کوئی کچھ، بعض، **الطرف:** کنارہ، نوک۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری مکمل توبہ تو یہ ہے کہ میں اپنا تمام مال اللہ و رسول کیلئے صدقہ کر کے اس سے علاحدہ ہو جاؤں، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے مال میں سے کچھ حصہ اپنے پاس روک لو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، میں نے کہا کہ میں اپنا خیبر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ (بخاری و مسلم) یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔

تشریح: آدمی کو اپنا کل مال صدقہ نہ کرنا چاہئے بلکہ اپنی ضرورت کے بقدر مال اپنے پاس رکھ کر صدقہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ کل مال صدقہ کرنے کی صورت میں جب اپنی ضروریات پوری نہ ہوسکیں گی، تو دشواریاں کھڑی ہوں گی، اور پھر ممکن ہے کہ صبر و توکل کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے لہٰذا حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ اپنی ضرورت کے بقدر مال اپنے پاس روک کر صدقہ کیا جائے۔

عن کعب بن مالک: دربار نبوت کے شعراء میں ایک شاعر یہ بھی ہیں اور یہ ان تینوں حضرات صحابہ کرام میں سے ایک ہیں جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے، یہ حضرات مخلص و مطیع صحابہ تھے محض امروز و فردا کرتے جانے کے ارادہ کے باوجود وقت گنوا بیٹھے تھے، یہ تینوں حضرات یہ ہیں حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ، حضرت مرارہ ابن ربیع رضی اللہ عنہم۔ میم سے مرارہ، ک، سے کعب، ۃ، جو حالت وقف میں ہا ہوتی ہے، سے ہلال، اور اس طرح ان تینوں ناموں کے پہلے حروف کا

مجموعہ ملکہ ہے۔

تصدق بجمیع المال کی نذر میں مذاہب ائمہ

ترجمۃ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ تصدق بجمیع المال کی نذر کا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ کر دوں گا، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک اس صورت میں یہ ہے کہ **"یکفیه التصدق بالثلث"** یعنی ایسے شخص کے لئے ثلث مال کا صدقہ کر دینا کافی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورا ہی مال صدقہ کیا جائے گا، **"وعند الحنیفه جمیع المال الزکوی ان کان والا فما کان"** یعنی حنفیہ کے نزدیک یہ نذر اس مال پر محمول ہوگی جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، (نقدین والسوائم وغیرہ)

اگر اس کے پاس مال زکوی ہو، اور اگر اس کے پاس اس قسم کا مال نہ ہو تو پھر جو بھی مال ہو اسی پر محمول ہوگی وہی سب دیا جائے گا، امام مالک (کا مسلک خود موطا میں موجود ہے، **"عن عائشة ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنها انها سئلت عن رجل قال مالی فی رتاج الکعبة فقالت عائشة یکفره مایکفر الیمین، قال مالک فی الذی یقول مالی فی سبیل اللہ ثم یحنث قال یجعل ثلث ماله فی سبیل اللہ، وفی الاوجز واخرج محمد فی موطاه اثر عائشه ثم قال قد بلغنا هٰذا عن عائشة واحب الینا ان یفی بما جعل علی نفسه فیتصدق بذلک ویمسک مایقوته فاذا افاد مالا تصدق بمثل ماامسک وهو قول ابی حنیفة وعامة من فقهائنا"** امام محمد (فرمارہے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر والا شخص اس نذر کو پورا کرے یعنی سارا مال صدقہ کرے اور سردست بقدر قوت روک لے پھر بعد میں جب کہیں اور سے مال کمالے تو اس مقدار کو بھی صدقہ کر دے۔ (اوجز ج: ۱۶۵ / ۴)

شرح الحدیث حیث الفقہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ جب قبول ہوگئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض

کیا کہ یارسول اللہ ﷺ (میرے ذہن اور اعتقاد میں یہ بات ہے کہ) میری توبہ کا کمال اس میں ہے کہ میں اپنے پورے مال کو اللہ اور اس کے رسول کیلئے صدقہ کر کے اس سے علیحدہ ہو جاؤں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے لئے روک لے یہ تیرے لئے زیادہ بہتر ہے، تو انہوں نے عرض کیا: بہتر ہے تو پھر میں اپنا وہ حصہ جو غنائم خیبر میں سے ملا تھا اسکو روک لیتا ہوں، اور اس کے بعد والی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے ان کو کل مال کے تصدق سے اور اسی طرح نصف مال کے تصدق سے بھی منع فرما دیا اور پھر آخیر میں ثلث مال کے تصدق کی اجازت دی، مالکیہ وحنابلہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

چنانچہ حاشیہ بذل میں ہے **"استدل به الموفق فيمن نذر التصدق بجميع ماله ان يجزيه التصدق بالثلث، وبه قال مالك، وقال الشافعي يلزمه الكل في التبرر دون اللجاج، و قال الحنفية يلزمه تصدق المال الزكوي كله"**

نذر لجاج والغضب اس نذر کو کہتے ہیں جو نذر آدمی جوش میں آ کر قسم کے طور پر مانتا ہے کسی کام کے کرنے یا اس سے رکنے کے لئے جس سے ناذر کا مقصود قرابت اور عبادت نہیں ہوتا صرف اپنے ذمہ کوئی کام لینا مقصود ہوتا ہے۔ نذر تبرز نذر طاعت کو کہتے ہیں جس سے مقصود قربت اور عبادت ہو، اور سوچ سمجھ کر وہ نذر مانی جائے، نذر لجاج پر تفصیلی کلام آئندہ آرہا ہے، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ وشافعیہ کے خلاف ہوئی، اس کا جواب احقر کے ذہن میں یہ ہے اس قصہ کعب میں نذر کا ذکر کہاں ہے وہ تو آپ سے استشارہ کر رہے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ میری توبہ کی تکمیل جب ہوگی جب میں اپنا سارا مال صدقہ کر دوں، آپ نے ان کو بجائے کل کے ثلث مال کے تصدق کا مشورہ دیا، اور اگر مان لیا جائے کہ ان کا مقصد اپنی نذر ہی کو بیان کرنا تھا کہ میں نے اپنی توبہ کی تکمیل کے لئے تصدق بجمیع المال کی نذر مان رکھی ہے تو اب میں کیا کروں، تو اس صورت میں آپ کے کلام کی تاویل یہ ہوگی کہ سر دست ثلث مال کا صدقہ کر دو، سارا مال ایک ساتھ صدقہ نہ کرو، اس سے پریشانی ہوگی، بعد میں آہستہ آہستہ اس مقدار کو صدقہ کر کے پورا کر دینا، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک بھی یہی ہے کہ دفعۃً سارا مال صدقہ نہ کرے۔ **"كما تقدم آنفا من كلام الامام محمد رحمه الله۔ والله تعالى اعلم۔"** (الدر المنضود ۷: ۳۱۷)

قلت فانی امسک سهمی الذی بخیبر: یعنی غیر منقولہ جائداد وغیرہ **"وهذا طرف"** اور

یہ حدیث جو یہاں نقل کی گئی وہ کچھ حصہ ہے، **"من حدیث مطول"** ایک لمبی حدیث کا جس کو شیخین وغیرہ محدثین نے مکمل نقل کیا ہے، لیکن صاحب مصابیح نے اسی پر اقتصار کیا اس لئے کہ فی الجملہ اس باب سے متعلق تھی کہ اس طرح کہ اگر نذر تھی لیکن نذر کے مشابہ، بایں معنی تھی کہ جس طرح نذر میں غیر واجب چیز کو آدمی اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے اسی طرح حضرت کعب بن مالک نے اپنے آپ پر مال کے صدقہ کرنے کو واجب کر لیا تھا۔

سوال: حضرت کعب نے تو صرف صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، نذر تو مانی نہیں تھی پھر اس حدیث کو "**باب النذر**" کے تحت کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: قبولیت توبہ کی بنا پر ایک غیر واجب چیز کو حضرت کعب نے اپنے اوپر واجب کر لیا تھا اس مناسبت سے اس حدیث کو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

الفصل الثانی

نذر معصیت کا حکم

{۳۲۸۸} عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۴۶۷، باب من رأی علیہ کفارۃ کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۲۹۲، ترمذی شریف: ۱/۲۷۹، باب ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان لا نذر فی معصیۃ، کتاب النذور والایمان، حدیث نمبر: ۱۵۲۴، نسائی شریف: ۱۳۰، باب کفارۃ النذر، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۸۳۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ کی نذر پوری

کرنا جائز نہیں ہے، اور اس کا کفارہ یمین کے کفارہ کے مانند ہے۔ (ابو داوٗد، ترمذی، نسائی)

تشریح: اگر کسی نے ایسے فعل کی قسم کھائی جس کا کرنا گناہ ہے تو اس عمل کو انجام دینا جائز نہیں ہے، البتہ چونکہ معصیت کی نذر بھی منعقد ہو جاتی ہے، لہٰذا پوری کرنے کے بجائے کفارہ ادا کرے اور کفارہ نذر وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

یہ حدیث شریف احناف کی ترجمانی کر رہی ہے لیکن حضرت امام ابو داوٗد رحمۃ اللہ علیہ نے ابو داوٗد شریف کے اندر اس حدیث شریف پر کلام ونقد بعض محدثین کی طرف سخت کیا ہے، مذاہب ائمہ ما قبل میں بیان ہو چکے ہیں، یہاں پر ابو داوٗد شریف کا نقد وکلام ذکر کیا جا رہا ہے۔

قال ابو داؤد سمعت احمد بن شبویہ قال قال ابن المبارک یعنی فی ھذا الحدیث حدیث ابی سلمۃ فدل ذالک علی ان الزھری لم یسمعہ من ابی سلمۃ۔

قال ابو داوٗد کی تشریح وتنقیح

اس عبارت کا مطلب سمجھنے کے لئے اس حدیث کی دوسری سند جو آگے آ رہی ہے، اس کو دیکھئے چنانچہ اس میں اس طرح ہے: **"عن ابن شھاب عن سلیمان بن ارقم ان یحیی بن ابی کثیر اخبرہ عن ابی سلمۃ"** اس سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے مذکور ہیں سلیمان بن ارقم اور یحییٰ ابن ابی کثیر جبکہ اس سے پہلی سند میں ان دونوں واسطوں میں سے ایک بھی واسطہ مذکور نہیں بلکہ براہ راست زہری ابوسلمہ سے روایت کر رہے ہیں، اب اس کے بعد مصنف کے کلام کا مطلب سمجھئے، مصنف فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ احمد ابن شبویہ سے سنا کہ حضرت عبد اللہ ابن المبارک نے اس حدیث ابوسلمہ پر کلام کیا ہے، آگے کچھ نہیں ہے کہ کیا کلام فرمایا ہے۔

لیکن مصنف فرما رہے ہیں کہ ابن المبارک کا حدیث پر نقد اور کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زہری نے اس حدیث کو ابوسلمہ سے براہ راست نہیں سنا، یہ بات مصنف نے کیسے سمجھی کہ انہوں نے کلام اس بناء پر کیا ہے، غالباً مصنف نے یہ اس لئے سمجھا کہ اس حدیث کی سند میں کوئی راوی ایسا نہیں جو غیر ثقہ ہو، لہٰذا یہ کلام کسی اندر کے راوی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انقطاع سند کی وجہ سے ہو سکتا ہے اسی لئے اس کے بعد

والی حدیث میں مصنف ایسے طریق کو لائے ہیں جس میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے موجود ہیں، "**فثبت منه انقطاع هذا السند و جه الکلام علیه**" مصنف اسی پر بس نہیں کرتے ہیں، بلکہ آگے امام احمد کا نقد بھی جو اس حدیث پر ہے اس کو ذکر فرمارہے ہیں:

"**قال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یقول افسدوا علینا هٰذا الحدیث، قیل له: و صح افساده عندک؟ وهل رواه غیر ابن ابی اویس؟ قال: ایوب، کان امثل منه، و قد رواه ایوب**" مصنف فرمارہے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے بعض لوگوں نے اس حدیث کو ہم پر فاسد اور خراب کردیا، یعنی اس کی سند میں گڑبڑ کرکے، کسی نے ان سے پوچھا کیا آپ کے نزدیک اس حدیث کا یعنی اس کی سند کا گڑبڑ ہونا محقق ہے؟ دراصل سائل سمجھ گیا تھا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی سند کا فساد جو ثابت فرمارہے ہیں وہ اس سند اور طریق کے پیش نظر ہے جو آگے کتاب میں آرہی ہے، جس کا راوی ابوبکر بن اویس ہے (جس نے اس حدیث کی سند میں زہری اور ابوسلمہ کے درمیان دو واسطے ذکر کئے ہیں) تو سائل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سوال کررہا ہے جس حدیث کی بناء پر آپ اس حدیث کی سند کا فساد ثابت کررہے ہیں جس کا راوی ابن ابی اویس ہے تو کیا ابن ابی اویس کا کوئی متابع بھی اس میں ہے یا نہیں تا کہ ہم اس دوسری سند کو جو آنے والی ہے جس میں دو واسطے موجود ہیں اس کو راجح قرار دے سکیں، اس لئے کہ جس حدیث کی سند کو وہ فساد کہہ رہے ہیں اس کا راوی تو زہری سے یونس ہے جو کہ ثقہ اور قوی ہے، اور وہ دوسری سند جس کے پیش نظر وہ اس سند کو منقطع قرار دے رہے ہیں اس کا راوی ابن ابی اویس ہے جو متکلم فیہ ہے، تو تاوقتیکہ اس کا کوئی متابع نہ مل جائے اس کو راجح کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

تو اس اصولی سوال کا جواب امام صاحب نے ایسا دیا جو عجیب سا ہے، اور وہ یہ کہ وہ بجائے متابع پیش کرنے کے یہ فرمارہے ہیں کہ ابن ابی اویس کا جو شاگرد ہے یعنی ایوب وہ ابن ابی اویس سے زیادہ ثقہ ہے تو کیا ثقاہت شاگرد کو قائم مقام متابع کے قرار دے رہے ہیں، یعنی امام صاحب کے ذہن میں ابن ابی اویس کا کوئی متابع تو تھا نہیں جو اس کو بیان کرتے بلکہ یہ فرمایا کہ ایوب جو ابن ابی اویس سے روایت کررہے ہیں وہ بہت ثقہ ہیں مگر یہ بات بس ایسی ہی ہے چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"وانت خبیر بان جواب الامام غیر صحیح علی قاعدۃ المحدثین فان روایۃ ایوب بن سلیمان لا یدفع ضعف ابی بکر بن ابی اویس فانہ تلمیذہ فلا یقادم حدیث یونس عن الزھری فلا یثبت احتمال التدلیس" حضرت یہ فرمارہے ہیں کہ شاگرد کی ثقاہت وقوت استاذ کے ضعف کو دور نہیں کرسکتی جب یہ بات ہے تو پھر ابوبکر ابن ابی اویس کی حدیث، حدیث یونس عن الزہری کی مقاوت نہیں کرسکتی ہے، لہٰذا حدیث یونس عن الزہری کا مدلس یا منقطع ہونا ثابت نہ ہوا جو یہ حضرات ثابت کرنا چاہ رہے ہیں، پھر آگے حضرت فرمارہے ہیں **"علی ان النسائی روی حدیث یونس بسندھا رون بن موسی المدنی قال ثنا ابو ضمرۃ عن یونس عن ابن شھاب قال ثنا ابو سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا"** دیکھئے اس سند میں ابن شہاب ابوسلمہ سے سماع کی تصریح کررہے ہیں، لہٰذا اس حدیث کا نہ انقطاع ثابت ہوا ہے نہ تدلیس۔ **الی آخر ماذکر فی البذل۔**

حدثنا احمد بن محمد المروزی نا ایوب بن سلیمان عن ابی بکر ابن ابی اویس عن سلیمان بن بلال عن ابن ابی عتیق وموسی بن عقبۃ عن ابن شھاب عن سلیمان بن ارقم ان یحییٰ بن ابی کثیر اخبرہ عن ابی سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نذر فی معصیۃ وکفارتہ کفارۃ یمین۔

باب کی پہلی حدیث یعنی حدیث عائشہ کا یہ طریق ثانی ہے جس میں ابن شہاب اور ابوسلمہ کے درمیان دوواسطے موجود ہیں جو پہلی سند میں نہیں تھے اور اسی بنا پر ابوداؤد نے اس سند پر عبداللہ بن المبارک اور امام احمد بن حنبل کا نقد نقل فرمایا تھا لیکن اب آگے یہاں مصنف اس طریق ثانی پر بھی اپنے استاذ احمد بن محمد المروزی کا نقد نقل فرمارہے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث عائشہ کا یہ طریق ثانی بھی غلط ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"قال احمد بن محمد المروزی انما الحدیث حدیث علی بن المبارک عن یحییٰ ابن ابی کثیر عن محمد ابن الزبیر عن ابیہ عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان سلیمان بن ارقم وھم فیہ وحملہ عنہ الزھری وارسلہ عن ابی سلمۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا۔

احمد بن محمد مروزی فرمارہے ہیں کہ او پر والا طریق یعنی سلیمان بن ارقم عن یحییٰ بن ابی کثیر بالکل غلط ہے، صحیح طریق یحییٰ بن ابی کثیر کے دوسرے شاگرد یعنی علی بن المبارک کا ہے، اور علی بن المبارک نے حدیث اس طرح روایت کی ہے

"عن یحییٰ بن ابی کثیر عن محمد بن الزبیر عن ابیه عن عمران بن حصین"

دراصل یہ سلیمان ابن ارقم راوی مجمع علی ضعفہ ہے اس نے سند کو یحییٰ بن ابی کثیر سے غلط طریقہ سے بیان کیا، یحییٰ بن ابی کثیر کے استاذ اس سند میں ابوسلمہ نہیں ہیں جیسا کہ سلیمان ابن ارقم نے بیان کیا بلکہ محمد بن الزبیر ہیں، پھر ان سے آگے سند اس طرح ہے۔

"عن ابیه عن عمران بن حصین" گویا یہ حدیث مسانید عائشہ سے ہے ہی نہیں بلکہ عمران بن حصین کے مسانید سے ہے، اور یہ ساری گڑبڑی سلیمان بن ارقم کی طرف سے ہے، اور پھر مزید برآں یہ گڑبڑی پائی گئی کہ چونکہ اس حدیث کو امام زہری نے سلیمان بن ارقم سے لیا تھا، تو انہوں نے بجائے بعینہ نقل کرنے کے مرسلاً عن ابی سلمۃ روایت کر دیا بیچ کے دو راوی تدلیساً حذف کر دیئے (زہری کا شمار ہے بھی مدلسین میں) خلاصہ یہ نکلا کہ اس حدیث عائشہ کی سند میں دو شخصوں نے گڑبڑ کی۔ اول سلیمان بن ارقم نے کہ انہوں نے کچھ کی کچھ بیان کی اصل حدیث مسانید عمران ابن حصین میں سے تھی سلیمان نے اس کو بجائے ان کے عائشہ کی طرف منسوب کیا، دوسرا تصرف اس حدیث کی سند میں سلیمان کے شاگرد ابن شہاب زہری نے کیا کہ درمیان سے دو راوی تدلیساً حذف کر دیئے، امام ابوداؤد جو کچھ فرمانا چاہ رہے ہیں اس کی تشریح وہ ہے جو ہم نے اوپر لکھی، اب اس سب کا حاصل یہ ہوا کہ باب کے شروع میں مصنف نے جو حدیث عائشہ پہلے طریق سے اس کے بعد دوسرے طریق سے ذکر کی، یہ حدیث دونوں ہی طریق کے اعتبار سے وہم ہے، اور صحیح اس طرح ہے جسکو احمد بن مروزی کہہ رہے ہیں یعنی

"علی بن المبارك عن یحییٰ بن ابی کثیر محمد بن الزبیر عن ابیه عن عمران بن حصین عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لا نذر فی معصیة و کفارته کفارة یمین۔"

معصیت میں نذر نہیں اور اس کا کفارہ کفارہ یمین ہے۔

حدیث عائشہ پر محدثین کا نقد اور حنفیہ کی طرف سے اس کا رد

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ یہ حدیث عائشہ جس پر کلام چل رہا ہے نذر معصیت میں حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے یعنی یہ کہ نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے اور پھر اس میں کفارہ یمین واجب ہوتا ہے جبکہ جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ نذر معصیت منعقد نہیں ہوتی اور نہ اس میں کفارہ واجب ہوتا ہے، اب یہ حضرات محدثین اس حدیث عائشہ پر کلام کر رہے ہیں، امام ابو داؤد اور امام احمد وغیرہ کا نقد تو ابھی اوپر مذکور ہو چکا ہے، امام خطابی یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ حدیث عائشہ صحیح ہو جائے **"لکان القول به واجبا والمعصیه الیه لازما"** اور پھر آگے فرماتے ہیں لیکن یہ حدیث ثابت نہیں ہے کیونکہ محدثین کا یہ دعوی ہے **انه حدیث مقلوب** اور اس کے بعد پھر وہ جو امام ابو داؤد نے جو کچھ کلام کیا ہے خطابی نے اس سب کو بیان کیا ہے، اور پھر آخیر میں یہ کہا کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث اس طرح مروی ہے جس طرح احمد بن محمد مروزی کہہ رہے ہیں، اور جس طرح وہ کہہ رہے ہیں اس کی سند میں محمد بن الزبیر اور ان کے باپ راوی ہیں اور یہ دونوں مجہول ہیں، پس یہ حدیث من طریق الزہری تو مقلوب ہے اور اس دوسرے طریق میں رجل مجہول ہے لہذا یہ حدیث ساقط الاحتجاج ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس سب کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے جس کو حضرت سہارنپوری نے بذل میں حاشیۃ السندی علی النسائی سے نقل فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت عائشہ ہی سے مروی نہیں ہے بلکہ عقبہ بن عامر اور عمران بن حصین سے بھی مروی ہے، اور حدیث عائشہ کی بعض اسانید میں عن الزہری عن ابی سلمہ ہے اور بعض طرق میں عن الزہری قال حدثنا ابوسلمۃ ہے جو صریح زہری کے سماع میں ابو سلمہ سے (لہذا تدلیس کا احتمال بیان کرنا صحیح نہیں) اور اس کے بعض طرق میں ہے **"عن الزهری عن سلیمان بن ارقم ان یحییٰ ابن ابی کثیر حدثه ان سمع ابا سلمة وهٰذا الاختلاف یمکن دفعه باثبات سماع الزهری مرة عن سلیمان عن یحییٰ عن ابی سلمة و مرة عن ابی سلمة نفسه وعند ذلک لاقطع بضعفه سیما حدیث عقبة و عمران یؤید الثبوت، والله تعالیٰ اعلم،** یعنی زہری کی حدیث میں جو اضطراب واختلاف ہے اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث زہری

کو دونوں طرح پہنچی ہو، براہ راست ابوسلمہ سے بھی اور بواسطہ سلیمان عن یحییٰ بن ابی کثیر اور اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، خصوصاً جبکہ عقبہ بن عامر اور عمران بن حصین کی حدیث سے بھی کفارہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخرجہ الترمذی وابن ماجہ. قالہ المنذری۔ (الدر المنضود:۵/۳۰۵)

نذر غیر معین کا کفارہ

{۳۲۸۹} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يُسَمِّهٖ فَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِيْ مَعْصِيَةٍ فَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيْقُهٗ فَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا اَطَاقَهٗ فَلْيَفِ بِهٖ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَوَقَفَهٗ بَعْضُهُمْ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۴۷۲، باب من نذر نذراً لا یطیقہ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۳۲۲، ابن ماجہ: ۱۵۴، باب من نذر نذراً، کتاب الکفارات، حدیث نمبر: ۲۱۲۸۔

حل لغات: سم: فلاناً، خاص کرنا، **وفی شیئ**، پورا کرنا، مکمل کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے غیر معین نذر مانی، تو اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کے مانند ہے، اور جس شخص نے کسی گناہ کے کام کی نذر مانی تو اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کے مانند ہے، اور جس نے ایسے کام کی نذر مانی جو اس کے بس سے باہر ہے تو اس کا کفارہ بھی کفارہ قسم کے مثل ہے اور جس نے ایسی نذر مانی جس کو وہ پورا کرسکتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ پورا کرے، (ابو داؤد، ابن ماجہ) بعض لوگوں نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں چار طرح کی نذروں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۱)......ناذر نے مبہم نذر مانی یعنی کسی چیز کی تعین نہیں کی تو کفارہ قسم ادا کرے۔
(۲)......گناہ کے کام کی نذر مانی تو نذر پوری کرنا جائز نہیں، لہٰذا کفارہ قسم ادا کرے۔
(۳)......کسی ایسے کام کی نذر مان لی جس کا کرنا اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہے تو بھی کفارہ قسم ادا کرے۔
(۴)......کسی ایسے نیک کام کی نذر مانی جو کرسکتا ہے تو اس نیک کام کو کرکے نذر پوری کرے۔

حدیث الباب کا محمل اور اس میں اختلاف علماء

اور ترمذی کی روایت میں اس طرح ہے **"کفارۃ النذر اذالم یسمہ کفارۃ یمین"** ابوداؤد کی حدیث میں گو یہ زیادتی نہیں ہے، لیکن مصنف نے اس حدیث کو محمول اسی پر کیا ہے اس نذر کی صورت یہ ہے جیسے کوئی شخص یوں کہے، **"ﷲ علی نذر"** اور کسی چیز کی نذر ہے، اس کی تعین نہ کرے اس نذر کو نذر مبہم بھی کہتے ہیں، نذر مبہم میں جمہور علماء کا مسلک یہی ہے کفارہ یمین، اس لئے کہ پورا کرنے کی تو کوئی صورت ہے ہی نہیں غیر معین ہونے کی بناپر۔

ابن قدامہ نے اکثر علماء کا مذہب یہی قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں، **"ولا اعلم فیہ مخالفا الاالشافعی قال لاینعقد نذرہ ولا کفارۃ فیہ، ولنا ماروی عقبۃ بن عامر کفارۃ النذر اذالم یسمہ کفارۃ الیمین الحدیث، من المغنی و فی المحلی ورواہ احمد وابوداؤد والنسائی، ورواہ مسلم بدون قولہ، اذالم یسمہ، فحملہ مالک وابوحنیفہ وجماعۃ علی النذر المطلق وحملہ احمد وبعض الشافعیہ علی النذر المعصیۃ، وحملہ جمہور الشافعیہ علی نذر اللجاج مثلا ان کلمت زیدا فللہ علی حجۃ فکلمۃ فھو بالخیار بین الکفارۃ وبین ماالتزمہ، ھکذا حکی القاری عن النووی انہ قال حملہ جمہور اصحابنا علی النذر اللجاج قال القاری لایظھر حمل، مالم یسمہ" علی المعنی المذکور مع ان التخییر خلاف المفھوم من الحدیث، وحملہ علی المعصیۃ مع بعدہ یردہ حدیث ابن عباس مرفوعا من نذر نذرا مالم یسمہ فکفارتہ کفارۃ یمین ومن نذر نذرا فی معصیۃ فکفارتہ کفارۃ یمین فان الاصل فی**

العطف المغایرۃ۔ (مختصرامن الاوجز: ۱۴۶/ ۴)

صاحب محلی نے جولکھا ہے کہ امام احمد نے اس کو نذر معصیت پر محمول کیا ہے یہ اس کے خلاف ہے جو ابن قدامہ سے نقل کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ اس سے مراد نذر مطلق و مبہم ہے لہٰذا صحیح یہ ہے کہ جمہور علماء ومنہم الائمہ الثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد نذر مبہم ہی ہے، الا الشافعی کہ ان کے نزدیک اس سے مراد نذر لجاج ہے اب یہ کہ نذر لجاج کا حکم کیا ہے۔

نذر لجاج کی تعریف اور اس کے حکم میں اختلاف ائمہ

اوجز میں ایک دوسرے مقام پر نذر لجاج پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے مالکیہ کا مذہب یہ لکھا ہے کہ یہ نذر ان کے نزدیک قول راجح میں واجب **"وفاء"** ہے، اور نذر لجاج یہ ہے کہ جس سے مقصود طاعت وغیرہ کچھ نہ ہو بلکہ اپنے نفس کو کسی کام سے روکنا اور اس کو سزا دینے کے طور پر ہو جیسے یوں کہے **"للہ علی کذا ان کلمت زیداً"** یعنی زید پر ناراض ہونے کی صورت میں کہے کہ اگر میں اس سے بات کروں تو میرے ذمہ ایک حج یا عمرہ ہے، مثلا اس کی ایک مثال باب الیمین فی قطیعۃ الرحمن میں آرہی ہے۔

"قال الباجی یلزم النذر علی وجہ اللجاج والغضب و قال الشافعی ھو مخیر فی نذرہ علی اللجاج بین ان یکفر کفارۃ یمین وبین ان یفی بہ" اور موفق نے اپنا یعنی حنابلہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے جو امام شافعی کا ہے **"مخیر بین الوفاء بما حلف فلا یلزمہ شیٔ وبین ان یحنث فیتخیر بین فعل المنذور وبین کفارۃ الیمین، وقال ابو حنیفہ ومالک یلزمہ الوفاء بنذرہ لانہ نذر فلیزمہ الوفاء بہ کنذر التبرر، الی آخر ما بسط الموفق"**

اس کے بعد حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے اس میں پانچ قول ہیں، جن کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مہذب میں مبسوط ذکر کیا ہے، **"وقال نذر اللجاج والغضب ویقال فیہ یمین اللجاج والغضب ویقال لہ ایضا یمین الغلق ونذر الغلق فاذا قال ان کلمت فلانا للہ علی صوم شھر او حج او صلاۃ او نحو ذلک ثم کلمہ ففیما یلزمہ خمسۃ طرق جمعھا الرافعی قال اشھرھا علی ثلاثۃ اقوال احدھا یلزمہ الوفاء بما التزمہ والثانی یلزمہ کفارۃ الیمین والثالث**

یتخیر بینھما، قال وھذا الثالث ھو الاظھر عند العراقیین، وقال النووی"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا مذہب اس طرح لکھا ہے کہ **"یلزم الوفاء بالنذر سواء کان مطلقاً او معلقاً بشرط بان قال ان شفی اللہ مریضی فعلی حجۃ مثلا او عمرۃ مثلا، لکن لزومہ عند وجود الشرط اذا کان معلقا، ولا یخرج عنہ بالکفارۃ فی ظاھر الروایۃ عن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ"**

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ نذر معلق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تعلیق ایسی شرط کے ساتھ ہو جس کا وجود مطلوب ہو جیسے **"ان شفی اللہ مریضی فعلی کذا"** اس میں دو قول ہیں ایک یہی کہ واجب الایفاء ہے، دوسرا یہ کہ اس صورت میں کفارہ یمین کافی ہے، **"وھو الصحیح وقد رجع الیہ الامام ابو حنیفۃ قبل موتہ بثلاثۃ ایام او بسبعۃ وھو قول محمد رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ"** اور یہی تفصیل حنابلہ کے مذہب میں ہے کما فی الروض المربع کہ اگر تعلیق ایسی شرط کے ساتھ ہے جس کا وجود مطلوب ہو اس کا ایفا واجب ہے، اور اگر وہ شئی ایسی ہے، جس کا وجود مطلوب نہیں وہاں پر تخییر ہے، بین الایفاء وکفارۃ الیمین، اور حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ **وھذا التفصیل ھو المرجح عند الشافعیۃ۔**

خلاصۃ المذاہب

فالحاصل فی نذر اللجاج ان الائمۃ الثلاثۃ فی جانب والامام مالک فی جانب، امام مالک کے نزدیک وہ مطلقاً واجب الایفاء ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علی الراجح اس میں تفصیل ہے جو ابھی اوپر مذکور ہوئی اس مقام کی شرح میں بہت تطویل ہوگئی جس کا منشاء ناقلین مذاہب کا اختلاف ہے کسی ایک کتاب میں یہ مسئلہ مہذب ومنقح نہیں ملا لیکن اب بحمد اللہ تنقیح وتحقیق ہوگئی جو ہم نے دونوں جگہ اخیر میں لکھ دی نذر مبہم میں بھی اور نذر لجاج میں بھی **فللہ الحمد۔** (الدر المنضود:۳۱۹/۵)

نذر پوری کرنے کی تاکید

{۳۲۹۰} وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ

عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَاَتٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِّنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِّنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۴۶۹، باب مایؤمر بہ من الوفاء بالنذر، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۳۱۳۔

حل لغات: **النحر:** سینہ کا بلائی حصہ، گلا، قربانی، **نحرہ:** گلے پر مارنا، ذبح کرنا، گلے پر چھری پھیرنا، **العید:** لوٹ کر آنے والی بیماری یا خوشی، اشتیاق ومحبت، خوشی کا دن تہوار، جشن میلہ، ہر وہ دن جس میں کوئی یاد یا خوشی منائی جائے۔

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ مقام ابوا میں ایک اونٹ ذبح کرے گا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں بتایا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا، جس کی پوجا ہوتی تھی تو لوگوں نے بتایا کہ نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو، بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی نذر کا پورا کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ اس نذر کا پورا کرنا درست ہے، جس کا آدمی مالک نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: نذر معصیت پوری کرنا درست نہیں ہے، جبکہ نذر طاعت پوری کرنا ضروری ہے، جس جگہ بتوں کی پوجا ہوتی ہو اس جگہ خصوصی طور پر جانور ذبح کرنے میں کفر وشرک کا شائبہ ہے اور اس میں معصیت ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق فرمائی اور جب تحقیق سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ جس جگہ جانور ذبح کرنے کی ناذر نے نذر مانی ہے، وہ جگہ بت کی پرستش کی نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قربانی کرکے نذر پوری کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

من ثابت بن الضحاک: یہ ان صحابہ میں ہیں جنہوں نے بیعت رضوان میں رسول اللہ سے بیعت کی ہے "**فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اوف بنذرک**" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے والے صحابی سے فرمایا تم اپنی نذر پوری کرو، یعنی بوانہ لے جا کر اونٹ ذبح کرو۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ جس کسی نے نذر مانی کہ فلاں شہر میں یا فلاں جگہ پر قربانی کروں گا یا فلاں شہر کے لوگوں پر صدقہ کروں گا، تو اس پر وہیں قربانی کرنا اور وہیں صدقہ کرنا واجب ہے۔ "**فانہ لا وفاء لنذر فی معصیۃ اللہ**" اس سے پہلے جو گذرا اس سب کی علت اس جملہ کے ذریعہ بیان فرمائی گئی۔ کہ اگر کسی معصیت کی نذر مانی گئی تو اسکا پورا کرنا جائز نہیں۔

ولا فیما لا یملک ابن آدم: اور نذر منعقد نہیں ہوتی یا ان چیزوں میں جس کا آدمی مالک نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ اگر نذر ماننے کے بعد وہ اس چیز کا مالک ہوگیا جب بھی اس نذر کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس کا پورا کرنا اس پر نہ لازم ہے اور نہ اس کا کفارہ اس پر لازم ہے۔

(انوار المصابیح: ۳۹۶/ ۶، مرقاۃ: ۵۶۷/ ۳) ان دونو جملوں کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

دف بجانے کی نذر

{۳۲۹۱} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اِمْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ نَذَرْتُ اَنْ اَضْرِبَ عَلٰى رَأْسِكَ بِالدَّفِّ قَالَ اَوْفِيْ بِنَذْرِكِ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ زَادَ رَزِيْنٌ قَالَتْ وَنَذَرْتُ اَنْ اَذْبَحَ بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا مَكَانٌ يَذْبَحُ فِيْهِ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ هَلْ كَانَ بِذٰلِكَ الْمَكَانِ وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالَتْ لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيْهِ عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالَتْ لَا قَالَ اَوْفِيْ بِنَذْرِكِ.

حوالہ: ابو دؤاد شریف: ۴۶۹/۲، باب مایؤمر بہ من الوفاء، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۳۱۲ ۹۔

حل لغات: ضرب الجرس: بجانا، العید: اس سے پہلے کی حدیث کے تحت دیکھیں۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے نذر مانی ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے دف بجاؤں گی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی نذر پوری کرلو، (ابوداؤد) رزین میں یہ بات مزید ہے کہ عورت نے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ فلاں جگہ جہاں پر اہل جاہلیت جانور ذبح کیا کرتے تھے، جانور ذبح کروں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا، جس کی عبادت کی جاتی تھی، عورت نے کہا کہ ایسا نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے جشنوں میں سے کوئی جشن وہاں منایا جاتا تھا، اس نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تم اپنی نذر پوری کرلو۔

تشریح: اگر کسی نے کسی مباح کام کی منت مانی ہے تو اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، البتہ اگر اس میں کسی جہت سے عبادت کے معنیٰ پیدا ہو جائیں تو پھر نذر پوری کرنا لازم ہے، دف بجانا مباح ہے لیکن یہاں کفارہ کی مخالفت مقصود ہے، لہٰذا اس میں طاعت کے معنی پیدا ہو گئے اسی بنا پر آپ ﷺ نے اس نذر کے پورا کرنے کی اجازت فرمائی اور اگر کسی شخص نے کسی مخصوص جگہ پر قربانی کرنے کی نذر مانی تو اگر اس میں کوئی خارجی قباحت نہیں ہے، مثلاً وہ بت خانہ وغیرہ نہیں ہے یا اس جگہ کا کفار ومشرکین سے خصوصی تعلق نہیں ہے، تو اس جگہ پر قربانی کر کے نذر پوری کرنا لازم ہے۔

اس روایت میں یہاں اختصار ہے، ترمذی کی روایت میں اس پر اضافہ ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ اپنے بعض مغازی میں تشریف لے گئے، آپ کی اس غزوہ سے واپسی پر ایک جاریہ سودا (کالی کلوٹی) آئی اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح وسالم واپس بھیج دیا تو آپ کے سامنے میں دف بجاؤں گی، **"بین یدیک"** کا لفظ ترمذی کی روایت میں ہے، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر واقعی تو نے یہ نذر مانی تھی تو اس کو پورا کرلے اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(الدر المنضود: ۵/۳۱۳)

علی راسک: قال القاری ای قدامک او عند قدومک: یعنی آپ کے سامنے یا آپکے آنے کے وقت یعنی ان صحابیہ نے یہ نذر مانی تھی کہ جب آپ غزوہ سے بخیریت واپس آجائیں گے، تو وہ

اپنے اظہار مسرت وخوشی کے لئے دف آپ کے سامنے بجائے گی۔

بالدف: یہ دال کے ضمہ کیساتھ ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔

قال اوف بنذرک: آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو اپنی نذر پوری کرلو، خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دف کا بجانا ان چیزوں میں نہیں جن کا شمار طاعت میں ہے زیادہ سے زیادہ مباح ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس وقت دف کا بجانا چونکہ رسول اللہ ﷺ کی غزوہ سے بخیریت واپسی پر اظہار مسرت کے لئے کفار کی مذمت کے لئے اور منافقین کو ذلیل کرنے اور جلانے کے لئے تھا تو اس وقت بعض طاعات جیسا ہی ہوگیا اسلئے آنحضرت ﷺ نے نذر کو پوری کرنیکی اجازت مرحمت فرمائی۔

تہائی سے زائد مال خیرات کرنے کی ممانعت

{۳۲۹۲} **وَعَنْ** اَبِیْ لُبَابَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِیْ اَنْ اَهْجُرَ دَارَ قَوْمِیْ الَّتِیْ اَصَبْتُ فِیْهَا الذَّنْبَ وَاَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِیْ کُلِّهٖ صَدَقَةً قَالَ یُجْزِیُٔ عَنْكَ الثُّلُثُ۔ (رواہ رزین)

حل لغات: جزی الشیئ: کافی ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میری کامل توبہ تو یہ ہے کہ میں اس گھر کو چھوڑ دوں جس میں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے اور میں اپنے کل مال کو خیرات کر کے اس سے پورے طور پر الگ ہو جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تہائی مال تمہاری طرف سے کافی ہوگا۔ (رزین)

تشریح: عن ابی لبابۃ: جلیل القدر صحابی ہیں یہ ان کی کنیت ہے اور اسی سے مشہور ہیں اور نام ان کا رفاعہ عبدالمنذر انصاری اوسی ہے، تقریبا تمام غزوات میں شریک رہے البتہ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ بدر میں شریک نہیں تھے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی غیبوبت میں ان کو مدینہ طیبہ کا امیر بنایا تھا، اور اسی لئے بدر کے مال غنیمت سے ان کو بھی برابر کا حصہ ملا تھا، ان سے حدیث کی روایت کرنے والے حضرت ابن عمر اور حضرت نافع رضی اللہ عنہما ہیں۔ **"ان من توبتی"** انہوں نے رسول اللہ ﷺ

سے عرض کیا کہ میری مکمل بھرپور توبہ تو یہ ہے کہ میں **"اھجر"** چھوڑ دوں، ہمزہ کو فتحہ اور جیم کو ضمہ ہے اور **"اترک"** کے معنی میں ہے، **"دار قومی التی اصبت فیھاا لذنب"** یہ انہوں نے ایسی جگہ سے فرار اختیا کرنے کے لئے کہا جس جگہ ان پر شیطان کا غلبہ ہوگیا اور ان سے گناہ سرزد ہوگیا، اور گناہ ان کا اپنی قوم بنو قریظہ کی محبت تھی اور یہ اس لئے تھی کہ اب تک ان کے اہل وعیال اور اموال سب کے سب انہیں کے قبضہ میں تھے، اور واقعہ یہ ہوا کہ ازلی بدبخت یہود بنو قریظہ کی ریشہ دوانیاں جب حد کو پہنچ گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا اور یہ محاصرہ پچیس دن تک جاری رہا اور جب وہ اس محاصرہ سے عاجز آگئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیجئے ہم ان سے مشورہ کریں گے۔

واضح رہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ یہود بنو قریظہ میں کے ایک فرد تھے، اللہ نے دولت اسلام سے نوازا تھا، نہایت مخلص جلیل القدر صحابی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی خواہش کے مطابق ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا یہ پہنچے تو سب کے سب ان کے سامنے رونے لگے اور پوچھا کہ اگر ہم محمد (ﷺ) کے حوالہ اپنے آپ کو کردیں تو تمہارا کیا خیال ہے کہ ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے، تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کردیا، یعنی اشارتاً یہ بتادیا کہ تم کو ذبح کردیں گے، بتانے کو تو بتادیا لیکن بعد میں بے حد نادم وشرمندہ ہوئے کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کا راز کیوں ظاہر کردیا، اور اسی بے چینی میں انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا اور عہد کرلیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ کو قبول فرمائے، چنانچہ اسی حالت میں سات دن انہوں نے گذار دیئے یہاں تک کہ کمزوری کے سبب بے ہوش ہوکر گرگئے صرف نماز کیلئے اپنے بیٹے سے اپنے آپ کو کھلواتے اور نماز سے فراغت کے بعد حسب سابق بندھ جاتے، سات دن گذرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی تم اپنے آپ کو کھلواؤ تو انہوں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں کھلواؤں گا، یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ تشریف لاکر نہ کھولیں، چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا تو اسی موقعہ پر انہوں نے عرض کیا

تھا: "وان انخلع من مالی کلہ صدقة" یعنی اپنی توبہ کے قبول ہونے کے شکر میں اپنے تمام مال کو صدقہ کردوں، "قال یجزی عنک الثلث" آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے مال کا ایک تہائی قبول توبہ کے شکرانہ میں مال کا صدقہ کرنا کافی ہوگا۔

الثلث: ثاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ اور لام کے سکون کے ساتھ دونوں طرح صحیح ہے۔

تصوف: ابن ملک نے فرمایا کہ اس میں حضرات صوفیہ کے لئے دلیل ہے کہ اگر کسی سالک سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو سالک استغفار کرے اور اپنے گناہ پر نادم ہو اور بطور مالی جرمانہ کچھ صدقہ بھی کرے۔ (انوار المصابیح: ۴۹۹/ ۶، شرح الطیبی: ۴۳/ ۷، مرقاة: ۵۶۸/ ۳)

فائدہ: جس ستون سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو باندھا تھا اور ان کی توبہ قبول ہوئی وہ ستون "روضة من ریاض الجنة" میں ہے اور "استوانة توبة ابی لبابة رضی اللہ عنہ" کے نام سے مشہور ہے۔

بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر

{۳۲۹۳} وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ رَجُلاً قَامَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنْ فَتَحَ اللهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ اَنْ اُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ شَأْنُكَ اِذًا۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/ ۴۶۸، باب من نذر ان یصلی، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۳۰۵، دارمی، ۲/ ۲۴۱، باب من نذر ان یصلی فی بیت المقدس، کتاب النذر والایمان، حدیث نمبر: ۲۳۳۹۔

حل لغات: عز: طاقتور ہونا، صاحب عزت ہونا، **جل:** بلند، رتبہ، شاندار ہونا، بڑا ہونا، **عزوجل:** اس کی عزت وبزرگی ہو، اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے، **الشان:** حالت وکیفیت، اہل

ومعاملہ، تعلق ضرورت، **ماشانک:** تم کو کیا ہوا، تمہارا کیا ہے۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص فتح مکہ کے دن کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانی تھی، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ عطا فرمائی تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہیں نماز پڑھ لو، انہوں نے اپنی بات آپ سے دوبارہ عرض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: کہ یہیں نماز پڑھ لو، ان صاحب نے بھی پھر بات دہرائی، تو آپ نے فرمایا تمہاری جو مرضی ہو کرو۔

(ابوداؤد، دارمی)

تشریح: اگر کسی نے مخصوص جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی، پھر وہ شخص اس کے بجائے دوسری جگہ نماز پڑھ لے تو نذر پوری ہو جائے گی، اسی مخصوص جگہ میں نماز پڑھنا لازم نہیں ہے۔

جابر بن عبد اللہ: باپ بیٹے دونوں جلیل القدر صحابی ہیں **"ان رجلا قام"** یعنی پوچھنے کے لئے ایک صاحب کھڑے ہوئے **"فی بیت المقدس"** میم کو فتحہ اور دال کو کسرہ ہے، مراد مسجد اقصیٰ ہے **"رکعتین"** غالباً ان کا گمان یہ تھا کہ مسجد الحرام سے افضل مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا ہے، یعنی "گھر کی مرغی دال برابر" کا معاملہ ہے۔ **"قال صل ھھنا"** یعنی مسجد الحرام میں نماز پڑھ لو اس لئے کہ وہاں سے یہاں نماز پڑھنا افضل ہے اور تمہارے لئے یہ آسان بھی ہے، ہم خرما و ہم ثواب، **"ثم اعاد علیہ"** ان صحابی نے اپنا سوال پھر دہرایا یعنی دوبارہ یہی عرض کیا، **"فقال صلی ھھنا"** یہ امر استحبابی ہے **"ثم شانک"** یعنی اپنی حالت وکیفیت کو لازم پکڑو اور تمہاری حالت وکیفیت وہاں نماز پڑھنے کی ہے تو وہیں پڑھ لو **"اذا"** یہ جواب وجزاء ہے اور اس مختصر جملہ کی تفصیل علامہ قاری نے یہ لکھی ہے **"اذا ابیت ان تصلی ھھنا فافعل ما نذرت بہ من صلاتک فی بیت المقدس"**

مسائل: شرح ہدایہ میں یہ ہے کہ اگر کسی نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اگر اس نے مسجد حرام میں نماز پڑھ لی تو اسکی نذر پوری ہو جائے گی، لیکن اگر مسجد اقصیٰ میں پڑھی تو نذر پوری نہ ہو گی، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"صلوۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام"**۔ میری اس مسجد میں نماز پڑھنا مسجد حرام کے علاوہ باقی مسجدوں میں نماز

پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے۔

اگرکسی نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذرمانی تو اس کے علاوہ کسی بھی مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی، اور اگر کسی نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذرمانی تو مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے نذر پوری ہوجائیگی، دلیل کے لئے یہی حدیث ہے، علاوہ امام زفر کے، ہمارے علماء یہ فرماتے ہیں کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ اگرکسی نے نذرمانی کسی جگہ نماز پڑھنے کی اور پھراس نے اس سے کمتر جگہ میں نماز پڑھ لی تو اس کی نذر پوی ہوجائے گی، اوراس کیوجہ یہ ہے کہ شریعت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ کوئی بندہ کسی مکان کوکسی عبادت کے لئے خاص کرے بلکہ اس کا حق واختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے لہٰذا کسی جگہ کوکسی عبادت کے لئے بندہ کی تخصیص سے تخصیص ثابت نہ ہوگی، اس لئے عبادت کی نذر یعنی دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر تو باقی رہے گی، اور مکان کی قید ملغیٰ یعنی بے اثر ہوجائیگی۔

(انوار المصابیح: ۴۰۰/ ۲، مرقاۃ الفاتیح: ۵۶۸/ ۳، شرح الطیبی: ۴۴/ ۷)

ناممکن العمل نذر کا کفارہ

{۳۲۹۴} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ اُخْتَ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ مَاشِيَةً وَاِنَّهَا لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِ اُخْتِكَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتُهْدِ بَدَنَةً رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَرْكَبَ وَتُهْدِيَ هَدْيًا، وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ اُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَحُجَّ رَاكِبَةً وَتُكَفِّرْ يَمِيْنَهَا۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۴۶۸/۲/۴۶۷، باب من رأى عليه كفارة، كتاب الايمان، حديث نمبر: ۳۲۹۷، درامی: ۲۴۰/۲، باب فى كفارة النذور، كتاب الايمان، حديث نمبر: ۲۳۳۵۔

حل لغات: **مشی مشیاً:** چلنا، ارادہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا، **الهدی:** حرم بھیجا جانے

والا قربانی کا جانور، **البدنة:** اونٹنی، گائے، جسکی مکہ معظمہ میں قربانی کی جائے، **صنع الشیئ:** بنانا، تیار کرنا، پیدا کرنا، **الشقاء:** بدحالی، تنگی و پریشانی۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی، جب کہ ان میں اتنی طاقت نہیں تھی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے پیدل چلنے سے بے نیاز ہیں، چنانچہ تم سوار ہو جاؤ اور ایک اونٹ کی ہدی پیش کر دو۔ (ابو داؤد، دارمی) ابو داؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ سوار ہو جاؤ، اور ایک ہدی پیش کر دو، اور ابو داؤد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کی مشقت کا کچھ بھی نہیں بنائے گا، لہٰذا اس کو چاہئے کہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے اگر کسی نیک کام کرنے کی منت مانی ہے تو اس کا کرنا لازم ہے لیکن اگر کوئی شخص کرنے پر قادر نہیں ہے تو پھر وہ عمل انجام نہ دے لیکن کفارہ دے اگر کسی نے پیدل حج کرنے کی منت مانی اور اس پر قادر نہیں ہے تو وہ بھی کفارہ دے، لیکن یہ کفارہ عام کفارہ یعنی کفارہ یمین سے قدرے مختلف ہے، اس صورت میں جو کفارہ واجب ہے وہ دم ہے، یعنی ایک جانور کی قربانی واجب ہے۔

مشی الی الکعبة کی نذر کا حکم

اس حدیث میں بیت اللہ کی طرف مشی کی نذر ماننے کا ذکر ہے، اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رکوب کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، اور فصل ثانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن کو رکوب کی اجازت کے ساتھ بدنہ کی ہدی کا امر بھی فرمایا، اور اسی حدیث کی دوسری روایت میں رکوب کی اجازت دی اور کفارہ یمین کا امر فرمایا، ان احادیث کی وضاحت کے لئے اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال کا منقح ہونا ضروری ہے۔

مذاہب

اتنی بات پر تو فقہا کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے بیت اللہ کعبہ یا مکہ کی طرف مشی کی نذر مانی تو یہ نذر منعقد ہو جائے گی اور اس پر واجب ہے کہ پیدل چل کر یا توجہ کرے یا عمرہ مشی کی قدرت ہوتے ہوئے اس پر مشی واجب ہے، لیکن اگر مشی پر قدرت نہ ہو تو ایسی حالت میں رکوب بھی جائز ہے، اتنی بات پر تو فقہاء کا اتفاق ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۱۲/ ۹)

اختلاف اس بات میں ہے کہ رکوب کی وجہ سے اس پر جزاء کیا واجب ہوگی؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشہور اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس پر دم واجب ہے جس کی کم از کم مقدار بکری ہے، امام احمد کا قول مختار یہ ہے کہ اس پر کفارہ یمین لازم ہے، مالکیہ کے ہاں اس مسئلہ میں کافی تفصیل ہے، بعض صورتوں میں وجوب دم کے قائل ہیں، اور بعض صورتوں میں قدرت ہو جانے پر دوبارہ حج یا عمرہ کے وجوب کے قائل ہیں، پچھلے سفر میں جتنا راستہ سوار ہو کر طے کیا تھا اتنے حصے میں اب پیدل چلے گا۔ (المغنی لابن قدامۃ: ۱۲/ ۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس پر بدنہ واجب ہوگا اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا **"لتهد بدنة"** اور بعض حضرات نے کہا کہ اس پر ایک بکری کی قربانی واجب ہوگی اور انہوں نے بدنہ کے امر کو استحباب پر محمول کیا ہے اور یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اظہر قولین امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے اور ہدی کا حکم محض استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔ **واللہ اعلم۔** **"بشقاء اختک"** تعب ومشقت کے معنی میں ہے **"فلتحج"** جیم کو تینوں اعراب صحیح ہیں، یعنی جب کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز ہے توحج کر لے، **"راکبة"** سوار ہو کر **"تکفر"** جزم کے ساتھ معنی میں **"فلتکفر"** کے ہیں، **"یمینها"** یہ منصوب ہے، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ تکفیر سے مراد کفارہ جنایت ہے جو کہ ہدی ہے یا اس کے قائم مقام، روزہ اور کفارہ یمین مراد نہیں ہے۔

دلائل: حنابلہ کا وجوب کفارہ پر استدلال اسی باب کی فصل ثانی میں عبداللہ بن مالک کی حدیث

سے ہے کہ عقبہ بن عامر کی بہن نے پیدل بغیر دوپٹہ اوڑھنے کے حج کی نذر مانی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو دوپٹہ اوڑھنے اور رکوب کی اجازت دی اور کفارہ یمین یعنی تین دن روزے رکھنے کا امر فرمایا، حنفیہ اور شافعیہ کے یہاں وجوب دم کے دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) اسی باب کی فصل ثانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اخت عقبہ بن عامر کو ہدی کا امر فرمایا تھا۔

(۲) مستدرک حاکم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں، **"فمن نذر ان یحج ماشیا فلیھد ھدیا و لیر کب"** جس نے پیدل چل کر حج کرنے کی نذر مانی ہے اسے چاہئے کہ قربانی کرے اور سوار ہو۔ اس میں ہدی کا امر فرمایا ہے، حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اور علامہ ذہبی نے بھی اس کی توثیق فرمائی ہے۔ (المستدرک للحاکم: ۳۰۵/ ۴)

حدیث عقبہ کا جواب

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن کو کفارہ یمین کا امر فرمایا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کفارہ رکوب کی جزا نہیں تھا، بلکہ اختمار کی جزاء تھا، اس نے دو باتوں کی نذر مانی تھی، ایک مشی کی، دوسرے ترک اختمار یعنی دوپٹہ نہ اوڑھنے کی، ترک اختمار کا اور کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا، اور ترک مشی پر ہدی کا امر فرمایا، چنانچہ اس واقعہ کی بعض روایات میں کفارہ کا امر ہے، اور بعض میں ہدی کا ذکر ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، درحقیقت کفارہ اور ہدی دونوں کا امر فرمایا تھا، کفارہ اختمار کی وجہ سے اور ہدی رکوب کی وجہ سے۔ (اشرف التوضیح: ۳۱۴/ ۲)

ننگے پاؤں حج کرنے کی نذر

{۳۲۹۵} وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اُخْتٍ لَهُ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ فَقَالَ مُرُوْهَا فَلْتَخْتَمِرْ وَلِتَرْكَبْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۴۶۷، باب من رأی علیہ کفارۃ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۲۹۳، ترمذی شریف: ۲/۲۸۰، باب فی من یحلف بالمشی ولا یستطیع کتاب النذر والایمان، حدیث نمبر: ۱۵۴۴، نسائی شریف: ۲/۱۲۸، باب اذا حلفت المرأۃ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۳۸۱۵، ابن ماجہ شریف: ۱۵۵، باب من نذر ان یحج ماشیا، کتاب الکفارات، حدیث نمبر: ۲۱۳۴، دارمی: ۲/۲۳۹، باب فی کفارۃ النذور، کتاب النذور والایمان، حدیث نمبر: ۲۳۳۴۔

حل لغات: حفی: برہنہ پاؤ ہونا، **الحافی:** برہنہ پاؤ، **اختمرت المراۃ بالخمار:** اوڑھنی اوڑھنا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن کے بارے میں پوچھا کہ جنہوں نے ننگے پیر دوپٹہ اوڑھے بغیر حج کرنے کی نذر مانی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ان کو حکم کرو کہ وہ اوڑھنی اوڑھ لیں اور سوار ہو جائیں اور تین دن کے روزے رکھیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ایسی نذر ماننا کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آئے درست نہیں ہے، اسی طرح جس نذر میں بلاوجہ کے لئے نفس کو سخت اذیت میں مبتلا کرنا ہو ٹھیک نہیں ہے، ایسی نذروں کو پورا نہ کیا جائے بلکہ انکا کفارہ ادا کیا جائے، چونکہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی بہن سے ننگے پیر حج کرنے کی نذر مانی تھی، اور اس میں نفس کو صرف پریشان کرنا ہے، اسی طرح بغیر دوپٹہ اوڑھے حج کرنے کی نذر مانی تھی جب کہ یہ معصیت ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں نذریں توڑ کر کفارہ ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔

عن عبد اللہ بن مالک: صاحب مشکوۃ نے فرمایا کہ ان کی کنیت ابو تمیم جیشانی ہے، حضرت عمر اور حضرت ابوذر وغیرہما رضی اللہ عنہم سے حدیث کی سماعت کی ہے ان کا شمار مصر کے تابعین میں ہے۔

علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو اوڑھنی اوڑھنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ معصیت ہونے کی وجہ سے اس پر نذر منعقد ہی نہ ہوئی لیکن علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تو

پہلے گذر چکا ہے کہ نذر معصیت میں بھی منعقد ہوتی ہے، لیکن اس کو اس امر معصیت کے ذریعہ پورا نہیں کیا جائے گا، بلکہ حانث ہو کر اس کا کفارہ ادا کرے گا، یہی ہمارا یعنی احناف کا مذہب ہے اور یہی متعدد احادیث سے ظاہر ہے۔ (انوار المصابیح: ۴۰۲/ ۶، شرح الطیبی: ۴۷/ ۷، مرقاۃ: ۵۶۹/ ۳)

نذر معصیت میں کفارہ

{۳۲۹۶} **وَعَنْ** سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ اَخَوَيْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ بَيْنَهُمَا مِيْرَاثٌ فَسَأَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ الْقِسْمَةَ فَقَالَ اِنْ عُدْتَ تَسْاَلُنِيْ الْقِسْمَةَ فَكُلُّ مَالِيْ فِيْ رِتَاجِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِنَّ الْكَعْبَةَ غَنِيَّةٌ عَنْ مَالِكَ كَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ وَكَلِّمْ اَخَاكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَمِيْنَ عَلَيْكَ وَلَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ الرَّبِّ وَلَا فِيْ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۱۷۴، باب الیمین فی قطعیۃ الرحم، کتاب الایمان والنذور، حدیث نمبر: ۳۲۷۲۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کے درمیان میراث تھی، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے تقسیم کیلئے کہا تو دوسرا بولا کہ اگر آپ نے دو بارہ تقسیم کا مطالبہ کیا تو میرا سارا مال خانہ کعبہ کے لئے وقف ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ کعبہ کو تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے، اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو، اور اپنے بھائی سے بات چیت کرو، بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں نہ تو تم پر قسم ہے اور نہ نذر ہے، اور نہ رشتہ توڑنے میں اور نہ اس چیز میں جس میں اختیار نہ ہو نذر پوری کرنا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: جو نذر ایسی ہو کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آرہی ہو تو اس کو پورا کرنا جائز ہے، البتہ کفارہ یمین لازم ہوگا۔ ایسی نذر جس سے تقسیم میراث کا مطالبہ نہ ہو سکے یا جس سے قطع رحمی لازم آتی ہو، معصیت ہے، لہٰذا ان کو پورا کرنا جائز ہے، اسی طرح جس چیز کا آدمی مالک نہیں اس کی نذر مان رہا ہے

تو وہ نذر ہی منعقد نہیں ہوتی۔

وعن سعيد بن المسيب: یہ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ **"في رتاج الكعبة"** راء کو کسرہ ہے جس سے مراد مصالح یا زینت کے مرقاۃ میں لکھے ہیں۔ رتاج کے معنی قاموس میں **"محركة الباب العظيم"** لکھے ہیں القاموس الوحید میں "وہ بڑا دروازہ جس میں ایک چھوٹا دروازہ ہو" اور نہایہ میں اس کے معنی **"الباب"** کے لکھے ہیں، سب کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے اور اس حدیث میں کعبہ ہی مراد ہے اس لئے کہ ان صحابی نے کعبہ شریف کے لئے ہدیہ کرنے کا ارادہ کیا تھا نہ کہ اس کے دروازہ کے لئے صرف، اور کعبہ کے لئے باب سے کنایہ کیا ہے اس لئے کہ اس سے داخل ہوا جاتا ہے، اور اسی لئے اس کا لام مجرور ہے، **"كفر عن يمينك"** یہاں مظاہر حق جدید میں بین القوسین یہ لکھا ہے، اور چونکہ تمہارے اوپر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، اس لئے تم اپنی قسم کا (یعنی اس ناجائز کام کا کفارہ ادا کرو)

اشکال یہ ہے کہ اگر نذر کا پورا کرنا واجب نہیں ہے، تو کفارہ کس چیز کا ادا کریں؟ اس نذر کو ملغی کہنا چاہئے، جب کہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ معصیت کی نذر بھی منعقد ہے، لیکن جس گناہ کے نام کے ساتھ نذر اس نے مانی ہے اس کا التزام واجب نہیں ہے بلکہ اس کا کفارہ واجب ہوگا اور اگر نذر کو معصیت میں ہونے کے باوجود مثلاً شراب پینے کی نذر مانی تھی اور شراب پی بھی لی، تو اگرچہ فعل حرام کا ارتکاب کیا جس کا گناہ ہوگا لیکن اس کی نذر پوری ہو جائے گی، اور اب اس کا کفارہ نہیں دینا ہوگا۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ تم پر ایسی قسم کا التزام واجب نہیں ہے بلکہ ایسی حالت میں تم پر کفارہ ادا کرنا واجب ہے، علامہ طیبی نے فرمایا کہ **"لا يمين عليك"** کے معنی **"لا يجب الوفاء بما نذرت"**

جان لیجئے یہ کہ یہاں نذر کو یمین کہہ دیا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس سے بھی وہی لازم ہوتا ہے جو یمین سے لازم ہوتا ہے۔ **"ولا نذر في معصية الرب، اى لا وفاء في هذا النذر ولا في قطعية الرحم"** معصیت رب میں قطع رحم بھی داخل تھا اس لئے یہ تعمیم کے بعد تخصیص کی قبیل سے ہے۔

(انوار المصابیح: ۶/۴۰۳، مرقاۃ: ۳/۵۷۰)

الفصل الثالث

نذر طاعت اور نذر معصیت

{۳۲۹۷} **عَنْ** عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلنَّذْرُ نَذْرَانِ فَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ طَاعَةٍ فَذٰلِكَ لِلّٰهِ فِيْهِ الْوَفَاءُ وَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ فَذٰلِكَ لِلشَّيْطَانِ وَلَا وَفَاءَ فِيْهِ وَيُكَفِّرُهُ مَا يُكَفِّرُ الْيَمِيْنَ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۲/۱۳۱، باب کفارۃ النذر، کتاب النذر، حدیث نمبر: ۳۸۴۵۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)......جس شخص نے اطاعت کی نذر مانی تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور اس کا پورا کرنا لازم ہے۔

(۲)......جس نے کسی نافرمانی کی نذر مانی ہے تو وہ شیطان کے لئے ہے، اور اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، اور اس کا کفارہ ادا کرے جو قسم میں کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔ (نسائی)

تشریح: طاعت وعبادت کی مانی ہوئی منت کو بشرطیکہ اس کی ادائیگی پر قدرت ہو پوری کرنا واجب ہے، جب کہ معصیت کی نذر پوری کرنا جائز نہیں ہے، قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔

النذر: یعنی اس کی جنس، **"نذران"** یعنی اس کی دو نوعیں ہیں، جن کو دو لوگ مانتے ہیں، **"فمن کان نذرہ فی طاعتہ"** ظاہر یہ ہے کہ اس میں مباح چیز کی نذر بھی داخل ہے۔ **"فذلک للہ"** تو وہ نذر اللہ کے لئے ہے، یعنی اس سے اللہ راضی ہے، **"فیہ الوفائ"** یعنی یہ اس کے حق میں واجب ہے اور اس کا پورا کرنا اس پر واجب ہے **"من کان"** سے **'لا وفائ"** تک یعنی اس کا پورا کرنا مناسب نہیں ہے،

بلکہ وہ نذر پوری نہ کر کے اسکا کفارہ دیناواجب ہے، **"ویکفرہ"** یعنی اس نذر کا کفارہ ادا کرے، **"مایکفر الیمین"** اتنا ہی اور وہی کفارہ جو قسم توڑنے کا ہوتا ہے۔

مسالک: ابن ہمام نے فرمایا کہ جب کوئی کافر قسم کھائے اور حالت کفر میں ہی قسم توڑ دے یا اسلام قبول کرے تو اس پر کفارہ نہیں اور جب کوئی کافر نذر مانے ایسی چیز کی جو ثواب ہے، مثلاً صدقہ یا روزہ تو اسلام لانے کے بعد ہمارے نزدیک اور امام مالک کے نزدیک اس پر اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی کچھ واجب نہیں اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس پر نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔

(دلائل مرقاۃ میں دیکھئے، انوار المصابیح: ۶/۴۰۴، مرقاۃ: ۳/۵۷۰)

جان کی قربانی کی نذر

{۳۲۹۸} **وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ قَالَ اِنَّ رَجُلاً نَذَرَ اَنْ يَنْحَرَ نَفْسَهُ اِنْ نَجَّاهُ اللهُ مِنْ عَدُوِّهٖ فَسَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ لَهُ سَلْ مَسْرُوْقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَا تَنْحَرْ نَفْسَكَ فَاِنَّكَ اِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا قَتَلْتَ نَفْسًا مُؤْمِنَةً وَاِنْ كُنْتَ كَافِرًا تَعَجَّلْتَ اِلَى النَّارِ وَاشْتَرِ كَبْشًا فَاذْبَحْهُ لِلْمَسَاكِيْنِ فَاِنَّ اِسْحَاقَ خَيْرٌ مِنْكَ وَفُدِيَ بِكَبْشٍ فَاَخْبَرَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ هٰكَذَا كُنْتُ اَرَدْتُ اَنْ اُفْتِيَكَ۔ (رواہ رزین)**

حل لغات: نجی فلان: نجات دلانا، **النفس:** بہت سے معنوں میں سے چند یہ ہیں، شخص، کسی چیز کی ذات، جسم، روح، جان، عادت، **الکبش:** مینڈھا کسی بھی عمر کا۔

ترجمہ: حضرت محمد بن منتشر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ اپنے آپ کو ذبح کرلے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے دشمن سے نجات عطا کر دی، تو اس شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا، تو انہوں نے کہا کہ مسروق سے معلوم کرلو، تو حضرت مسروق نے ان سے کہا کہ تم اپنے آپ کو ذبح مت کرو، اس لئے کہ اگر تم مؤمن ہو تو تم ایک مؤمن کو قتل کرو گے، اور اگر تم کافر ہو تو جہنم کی طرف جانے میں جلدی کرو گے، تم ایک مینڈھا خریدلو اور اس کو مساکین کے لئے ذبح کرو،

بلاشبہ اسحاق علیہ السلام تم سے بہتر ہیں جبکہ ان کا فدیہ ایک مینڈھا دیا گیا، تو ان صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ یہی فتوی میں تم کو دینا چاہتا تھا۔ (رزین)

تشریح: خودکشی فعل حرام ہے، اس پر سخت وعید ہے، ایسے ہی خودکشی کی نذر ماننا بھی نہ صرف غیر مشروع بلکہ غیر معقول عمل ہے لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے، لیکن اگر کوئی نذر مان ہی لے تو بہتر ہے کہ وہ ایک بکری کی قربانی کر دے۔

ابن المنتشر: یہ افتعال سے اسم فاعل ہے مصنف مشکوۃ نے فرمایا کہ یہ ہمدانی ہیں اور حضرت مسروق کے بھتیجے ہیں، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ایک جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے۔

قال ان رجلا ان ینحر نفسہ ان نجاہ اللہ من عدوہ: اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دشمن کے ذریعہ ہلاکت کی مختلف انواع انتہائی دردناک ہوتی ہیں ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو قتل کر لینا نہایت آسان ہے اس میں ایک تو یہ ہے کہ ذلت اور الزام عیب سے بچتا ہے اور پھر وہی کہ اس میں تعذیب کی قلت ہے، چنانچہ ایسی حرکتیں آج بھی جہلا میں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں، اس کی نظیر کیلئے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے:

حکایت

ایک آدمی جس کا اونٹ کھو گیا تھا اس نے اعلان کر دیا کہ اس کو جو لیکر آئے گا وہ اونٹ اسی کو دیدوں گا، تو لوگوں نے اس سے کہا کہ پھر تمہارا فائدہ کیا ہوا؟ تو اس نے کہا کہ تم لوگ گم شدہ چیز مل جانے کی لذت سے واقف نہیں ہو۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۵۶)

سل مسروقا: مصنف مشکوۃ نے فرمایا کہ یہ مسروق بن اجدع ہمدانی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے حضرات صحابہ کرام کے دور کا آغاز پایا جس میں سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت ذی النورین اسد اللہ علی المرتضی رضی اللہ عنہ اجمعین جیسی بلند ترین شخصیتیں موجود تھیں، اور یہ حضرات فقہاء کرام میں شمار ہوتے تھے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۵۸)

فائدہ: (۱) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مفتی سے سوال کیا جائے وہ دوسرے کسی بڑے مفتی کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دے سکتا ہے۔

(۲) حدیث پاک میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے فدیہ کا ذکر کیا گیا ہے ایک جماعت اسی کی قائل ہے حالانکہ راجح یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور انہیں کا فدیہ جس کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶/۵۵۸) فقط۔

تم باب الایمان والنذور بحمدہ وتوفیقہ ومنہ وکرمہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب القصاص

قصاص کا بیان

ماقبل سے مناسبت: ماقبل میں ایمان ونذور سے متعلق احادیث وروایات کو ذکر کیا گیا ہے۔ اب قصاص سے متعلق احادیث کو بیان فرمارہے ہیں، نذر ویمین اور قصاص میں کیا مناسبت ہے؟ سوچنا چاہئے کہ جس طرح نذور یمین میں کفارہ واجب ہوتا ہے جو بصورت مال ادا کیا جاتا ہے تو اسی طرح سے قصاص میں بھی کفارہ واجب ہوتا ہے جو بصورت جان ادا کیا جاتا ہے، لیکن نذر ویمین کا وقوع بمقابلہ قصاص بکثرت ہے اسلئے اولاً نذور وایمان کو لائے اسکے بعد قصاص کو لائے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

خلاصہ باب: اس باب کے تحت حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ تقریبا چالیس احادیث مبارکہ کو لائے ہیں جو قصاص خون ناحق میں ملوث کے لئے وعید، مسلمان کے خون کی حرمت، خودکشی کی حرمت، خون بہا کا حکم اور دیت وغیرہ کے احکام پر مشتمل ہیں۔

فائدہ: ہم مذکورہ ابواب کی طرح اس باب کے تحت میں بھی ابتداء چند مباحث کو ذکر کررہے ہیں جو آنے والی روایات کا خلاصہ ہی نہیں بلکہ مستفیدین کیلئے ایک نہایت فائدۂ عظیمہ ثابت ہوگا جس کو ہم بحوالہ کتب عربیہ معتبرہ نقل کررہے ہیں۔

ذیل میں سترہ مباحث ہیں جو محض بطور مقدمہ اور اصل مقصد کی طرف متوجہ کرنے کیلئے درج کئے جارہے ہیں تفصیل روایات کے تحت میں مع اختلاف ائمہ ذکر کی جائیگی ان شاء اللہ اس لئے اجمال اور تفصیل کو دیکھ کر تکرار تصور نہ کیا جائے۔

(۱) قصاص کے لغوی معنی؟ (۲) قصاص کے شرعی معنی؟

(۳) ثبوت قصاص؟
(۴) قانون قصاص کی حکمت؟
(۵) قصاص واجب ہونے کی شرطیں؟
(۶) اگر مرد عورت کا قاتل ہو؟
(۷) غیر مسلم کا قتل؟
(۸) غلام کا قتل؟
(۹) ایک شخص کے قتل میں متعدد لوگ شریک ہوں؟
(۱۰) بالواسطہ قتل کرنا؟
(۱۱) مطالبہ قصاص کا حق کس کو ہے؟
(۱۲) حق قصاص کون وصول کریگا؟
(۱۳) اسلام سے پہلے انتظام کے طریقے؟
(۱۴) جزوی نقصان کا قصاص؟
(۱۵) قصاص کب ساقط ہو جاتا ہے؟
(۱۶) اقسام قتل؟
(۱۷) خودکشی؟

{۱}......قصاص کے لغوی معنی

قصاص کا لفظ **"قص"** سے ماخوذ ہے، قص کے معنی دوسرے کا نقش قدم تلاش کرنے اور اس پر چلنے کے ہیں۔ (القاموس المحیط: ۶۳۲/ ۳، باب القاف)

اسی معنی میں یہ لفظ قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ **"فارتدا علی اثارھما قصصا"** چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ (سورۃ الکھف: ۶۴)

قتل کے بدلہ قتل میں بھی یہی ہوتا ہے کہ بدلہ لینے والا قاتل ہی کی راہ پر چلتا ہے، اسی لئے اسکو قصاص کہتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن: ۲۴۵/ ۲)

عربی زبان میں قص کے معنی کاٹنے کے بھی آتے ہیں اسی لئے بال کاٹنے کو **"قص الشعر"** کہتے ہیں۔ (القاموس المحیط: ۶۳۲/ ۳، باب القاف)

قصاص کی اس معنی سے مناسبت اور بھی زیادہ واضح ہے۔

{۲}......قصاص کے شرعی معنی

شریعت کی اصطلاح میں کسی شخص کو جسمانی ایذا یا قتل کر دینے کی وجہ سے مجرم کو وہی سزا دینے کا نام **"قصاص"** ہے، عربی زبان میں اس کو **"قود"** بھی کہتے ہیں اور حدیث میں بھی قصاص کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

{۳}......ثبوت قصاص

قصاص کا واجب ہونا قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، حدیث سے بھی، اس پر امت کا اجماع واتفاق بھی ہے، اور یہ قیاس کا تقاضہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم پر قتل میں قصاص فرض کیا گیا ہے **"کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ"** اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے۔ (سورۃ البقرہ:۱۷۸)

بلکہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ پچھلی امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے قانون قصاص رکھا تھا، (سورۃ المائدہ:۴۵)

باب کے تحت اور دیگر احادیث سے بالتفصیل قصاص کا ثبوت معلوم ہوتا ہے خود آنحضرت ﷺ نے قصاص کا حکم دیا ہے آئندہ روایات سے معلوم ہو جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ نے اس پر علماء امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ (المغنی:۸/۲۱۴)

بنیادی طور پر ہر جرم اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اسی درجہ سزا بھی دی جائے، یہی عقل وقیاس کا تقاضہ ہے اور اسی کا نام قصاص ہے، اس لئے شریعت کی چاروں معتبر دلیلوں سے قصاص کا واجب ہونا ثابت ہے۔ (قاموس الفقہ: ۴/۵۰۴)

شریعت اسلامیہ نے جہاں پر انسان کو اس کے دیگر حقوق کو مفصلاً بیان فرمایا ہے اور اس کے مقاصد کو **"کلیہ و جزئیہ"** ذکر کیا ہے وہیں پر شریعت اسلامی کے بنیادی مقاصد میں سے ایک انسانی زندگی کا تحفظ ہے، ایمان کے بعد شاید انسانی جان کی حفاظت سے بڑا کوئی فریضہ نہیں اور کفر کے بعد قتل ناحق سے بڑھ کر غالباً کوئی گناہ نہیں، کفر کے علاوہ قتل ہی ایسا جرم ہے جس کی سزا دوزخ کا دائمی عذاب قرار دیا گیا ہے ارشاد ہے: **"من یقتل مومنا متعمدا فجزائہ جھنم خالداً فیھا غضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذابا عظیماً"** (سورۃ النساء:۹۳)

جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کر دے، اس کی سزا دوزخ ہے، وہ ہمیشہ اسی میں رہیگا، اس پر اللہ کا غضب ہوتا رہے گا، لعنت ہوتی رہے گی اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ مؤمن کے بارے میں یہ بات ناقابل تصور ہے کہ وہ جانتے بوجھتے کسی مسلمان کے قتل کا مرتکب ہو، **"ما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطأ"** کسی مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر دے الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ (سورۃ النساء:۹۲)

قرآن کی نگاہ میں ایک نفس انسانی کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے، اور ایک شخص کی زندگی بچانا گویا پوری انسانیت کو بچانا ہے۔ (المائدہ:۳۲)

صرف عداوت و دشمنی ہی کے قتل کی قرآن کریم نے مذمت نہیں کی بلکہ مفلسی کے خوف سے قتل اولاد کی بھی مذمت کی گئی۔ (الانعام:۱۵۱)

جو نزول اسلام کے وقت عربوں میں مروج تھا اور جس نے آج ترقی یافتہ صورت اختیار کر لی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خون انسانی ہی کے بارے میں فیصلہ ہوگا، "**اول ما یقضی بین الناس یوم القیامۃ فی الدماء**" قیامت میں سب سے اول فیصلہ خونوں کے بارے میں ہوگا۔ (بخاری شریف:۲/۹۶۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ اللہ کے نزدیک تمام دنیا کا تباہ ہو جانا ایک مومن کے قتل ناحق کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے۔ (ابن ماجہ شریف:۲/۹۸)

نہ صرف قتل بلکہ قتل میں تعاون بھی حرام ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے آدھے کلمہ **"بشطر کلمة"** سے بھی قتل مؤمن میں تعاون کیا ہو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے گا، کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا،''رحمت الٰہی سے ناامید'' **(ائس من رحمت اللہ)** (ابن ماجہ شریف: ۲/۹۸)

جیسے دوسروں کا قتل حرام ہے اسی طرح خودکشی بھی حرام ہے، آنحضرت ﷺ نے خودکشی کرنیوالے کے بارے میں فرمایا کہ اس پر جنت حرام ہے۔ (قاموس الفقہ: ۴/۴۷۳)

{۴}......قانون قصاص کی حکمت؟

اسلام کا قانون قصاص سماج کی جرائم سے حفاظت اور امن قائم کرنے میں نہایت مؤثر اور اہم کردار ادا کرتا ہے، موت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو انسان کو خوفزدہ کرے اور ظلم و جور کے خوگر ہاتھ کو تھام لے، مالی جرمانہ ایک خفیف سزا ہے اور کسی عادی مجرم کو یہ سزا دی جائے تو وہ اس کو بہ آسانی سماج کے بے قصور افراد کی طرف لوٹا دیتا ہے اور ان سے ظلماً وصول کر کے ادا کرتا ہے، قید کی سزا کا مجرم پر اثر ہوتا ہے، وہ محتاج بیان نہیں، اکثر اوقات قید سے اصلاح کے بجائے جرم کی صلاحیت میں مزید اضافہ ہوتا ہے، مجرم اذہان کو باہم ملنے اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے، اسی لئے جرم و سزا کے تجزیہ نگاروں نے لکھا ہے کہ عام طور پر ایک بار جیل جانے والا آئندہ اس سے زیادہ موثر اور تیر بہ ہدف طریقہ پر جرم کا مرتکب ہو کر جیل پہنچتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے قصاص کو انسانی زندگی کا محافظ قرار دیا ہے۔ **"ولکم فی القصاص حیاۃ یااو لی الالباب"** اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی کا سامان ہے۔ (البقر: ۱۷۸)

یہ خود اس شخص کے لئے بھی حفاظت ہے جو جرم کا ارادہ رکھتا ہو کہ سزا کا خوف اسکو جرم سے اور جرم کے نتیجہ میں پیش آنے والی سزا سے بچاتا ہے۔ اس کے لئے تحفظ کا ذریعہ ہے، جس کی بابت مجرم غلط قصد و ارادہ رکھتا ہو، اور پورے سماج کو بھی اس کے ذریعہ تحفظ فراہم ہوتا ہے۔

انتقام ایک فطری جذبہ ہے قانون قصاص کا منشاء اس کو غیر معتدل ہونے سے بچانا ہے عربوں

میں انتقام کے لئے بڑے غیر معتدل طریقے تھے، اگر کسی خاندان کے غلام نے دوسرے خاندان کے غلام کو قتل کر دیا تو مقتول کے لوگ چاہتے تھے کہ اس کے بدلہ آزاد کو قتل کریں، عورت کے بدلہ مرد کو قتل کر دیتے، فرد کے بدلہ جماعت کے قتل کے درپے ہوتے، یہ نامنصفانہ اور غیر انسانی طریقہ انتقام پشتوں اور نسلوں تک قتل وقتال کا بازار گرم رکھتا تھا، اسلام نے اعتدال وانصاف کے دائرہ میں انتقام کی گنجائش رکھی تاکہ شعلہ انتقام سرد ہوسکے اور ایک شخص کے قصور کی سزا بے قصور لوگوں کو نہ ملے۔

پھر اس بات کی بھی گنجائش رکھی کہ فریقین راضی ہو جائیں تو مجرم کو قتل کرنے کے بجائے اس سے خون بہا وصول کرلیا جائے، اور خون بہا کی مقدار بھی کثیر رکھی گئی تاکہ مجرم کو بھی اپنے جرم کا احساس ہو اور مقتول کے خاندان کی بھی کسی قدر اشک شوئی ہوسکے، قرآن کریم نے مقتول کے ورثہ کی طرف سے قصاص سے درگذر کے لئے عجیب لطیف اور حکیمانہ تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: **"فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان"** پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دیدی جائے تو معروف طریقہ کے مطابق خوں بہا کا مطالبہ کرنا وارث کا (حق ہے اور اسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔ (البقرہ:۱۷۸)

قرآن نے قاتل کو "بھائی" کہہ کر مقتول کے ورثہ کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ قاتل نے گو وقتی غلبہ شیطانی کی وجہ سے اسے قتل کر دیا ہے، مگر درحقیقت وہ بھی تمہارا بھائی ہے اور تم کو اسی نظر سے اس کے معاملہ کو دیکھنا چاہئے اس لئے قصاص کی سزا جاری کرنے کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا کہ قاضی کی موجودگی میں مجرم کو مقتول کے اولیاء کے حوالہ کر دیا جائے کہ وہ خود سزا جاری کرسکیں، قاضی یا اس کے نمائندہ کی موجودگی اس لئے ضروری ہے کہ مقتول کے اولیاء بدلہ لینے میں حد سے تجاوز نہ کریں اور اس کے حوالہ اس لئے کیا گیا کہ نفسیاتی طور پر جب مجرم اپنے آپ کو سپر انداز کر دیتا ہے، تو انتقام کی انگیٹھی سرد ہو جاتی ہے، اور درگذر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

سزائے موت کی مخالفت کے رجحان نے حقیقت یہ ہے کہ ہمارے عہد میں جرم کی حوصلہ افزائی کی ہے اور انسانی خون کو بے قیمت بنا کر رکھ دیا ہے، مجرم کے ساتھ ہمدردی دراصل مظلوم کے ساتھ مزید ظلم اور ظلم پر تعاون ہے، آج اس رجحان نے ایسا فروغ پایا ہے کہ بہت سے ممالک نے سزائے موت ہی

منسوخ کر دی ہے اور جن ملکوں نے قانوناً اس سزا کو باقی رکھا ہے وہ بھی عملاً اس کو معطل کر چکے ہیں۔

{۵}......قصاص واجب ہونے کی شرطیں؟

قصاص واجب ہونے سے متعلق کچھ شرطیں ہیں، جن پر اتفاق ہے اور کچھ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض قاتل سے متعلق ہیں، بعض مقتول سے اور کچھ احکام قصاص لینے سے متعلق ہیں کہ قصاص لینے کا مستحق کون ہے؟ اور قصاص لینے کا طریقہ کیا ہوگا؟

قاتل سے متعلق

قاتل سے متعلق پانچ شرطیں ہیں:

(۱) قتل کرنے والا بالغ ہو، اگر نابالغ نے قتل کیا ہو اور وہ ذی شعور ہو وہ پھر بھی قتل نہ کیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع: ۷/۲۳۴)

(۲) دماغی اعتبار سے صحت مند اور متوازن ہو، اگر پاگل نے کسی کو قتل کر دیا تو چونکہ وہ غیر مکلف ہے اس لئے اس پر قصاص جاری نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۷/۲۳۴)

(۳) قاتل نے یہ فعل اپنے اختیار سے کیا ہو، اکراہ اور جبر کے تحت اس کا مرتکب نہیں ہوا ہو، اکراہ کی دو صورتیں ہیں اکراہ ملجی اور اکراہ غیر ملجی، اکراہ غیر ملجی یہ ہے کہ ہلاکت کا فوری خطرہ درپیش نہ ہو، ایسے اکراہ کی وجہ سے اگر کسی شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا تو وہ بھی قصاص میں بالاتفاق قتل کیا جائے گا، اکراہ ملجی یہ ہے کہ مکرہ کو فوری ہلاکت کا خطرہ ہو، حنفیہ کے نزدیک اگر اکراہ ملجی کے تحت کوئی شخص قتل کا مرتکب ہوا تو اس پر قصاص تو جاری نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۷/۲۳۵)

البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی تعزیر کی جائے گی اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو مقتول کی "دیت" ادا کرنی ہوگی۔ (بدائع الصنائع: ۶/۱۹۰)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اکراہ کے باوجود

قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع: ۶/۱۹۰)

(۴) قاتل نے قتل ہی کے ارادہ سے مقتول پر حملہ کیا ہو، اگر ارادۂ قتل نہیں تھا تو "**قتل خطاء**" ہے اور اس میں دیت ہے نہ کہ قصاص۔

(۵) ارادہ قتل نہ ہونے میں ذرا بھی شبہ نہ ہو، "**ان یکون القتل منه عمداً محضاً لیس فیه شبهة العدم**"۔ (بدائع الصنائع: ۷/۲۳۴)

مقتول سے متعلق

مقتول سے متعلق تین شرطیں ہیں:

(۱) مقتول قاتل کا جزو نہ ہو، چنانچہ بیٹا، بیٹی، پوتے، نواسے کے قتل پر باپ، دادا، نانا، نانی وغیرہ از راہ قصاص قتل نہ کئے جائیں گے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: والد اپنی اولاد کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا، "**لایقتل الوالد بولده**" (ابن ماجہ شریف: حدیث نمبر: ۲۶۹۳)

یہ گویا ایک درجہ میں باپ کی اپنی ملکیت میں تصرف ہے، اس پہلو نے اس کے باعث قصاص واجب ہونے میں شبہ پیدا کر دیا ہے، پھر والدین وغیرہ میں فطری طور پر غیر معمولی جذبہ شفقت رکھا گیا ہے وہ بھی تقاضہ کرتا ہے کہ اس کا مقصد و منشاء قتل کا نہ رہا ہوگا، یہی رائے حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کی ہے۔
(المغنی: ۸/۲۲۷)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی واضح علامت موجود ہو جو بتاتی ہو کہ شقی القلب باپ بیٹے کو ہلاک کرنے ہی کی نیت رکھتا تھا، تو پھر باپ سے قصاص لیا جائے گا، جیسے باپ نے بیٹے کو لٹا کر ذبح کر دیا، تو اس صورت میں باپ سے قصاص لیا جائے گا۔ (بدایۃ المجتہد: ۲/۴۰۱)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ حدیث میں باپ سے قصاص اس لئے معاف کیا گیا ہے کہ اس نے تادیب اور تقاضہ تربیت کے تحت اپنی اولاد پر ہاتھ اٹھایا ہوگا اور جوش میں غضب میں حد سے تجاوز ہو گیا ہوگا، لیکن جب اس کا ارادہ قتل بالکل واضح ہو گیا تو اب وہ قابل عفو نہیں۔

(۲) مقتول کو قتل کرنا مباح نہ ہو، ایسے شخص کو فقہ کی اصطلاح میں **"معصوم الدم"** کہا جاتا ہے چنانچہ اگر کافر حربی کو قتل کر دیا گیا تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا، کیونکہ اسلام کی نگاہ میں وہ معصوم الدم نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲۳۶/۷)

یہیں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایسے جرم کا مرتکب ہوا جس کی سزا موت ہے، جیسے کوئی مسلمان مرتد ہو گیا (العیاذ باللہ) یا کسی شادی شدہ شخص نے زنا کا ارتکاب کیا، تو کیا اس کا قاتل از راہ قصاص قتل کیا جائیگا؟ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ایسے شخص کا قاتل قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ شرعاً موت ہی کا مستحق تھا۔ (المغنی: ۲۲۱/۸)

حنفیہ نے بھی ارتداد کے سلسلہ میں اسی کی صراحت کی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲۷۶/۷)

(۳) مقتول پر مالک کو ملکیت حاصل نہ ہو، چنانچہ مالک اگر اپنے غلام کو قتل کر دے تو گو وہ گنہگار بھی ہوگا اور اس کی تعزیر بھی کی جائے گی لیکن مالک سے اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(بدائع الصنائع: ۲۳۵/۷)

{٦}......اگر مرد عورت کا قاتل ہو؟

بعض صورتوں کی بابت فقہاء کے درمیان اختلاف رائے بھی ہے، من جملہ ان کے یہ ہے کہ اگر مرد عورت کا قاتل ہو، تو مرد قتل نہیں کیا جائے گا، یہ بعض فقہاء کا مسلک ہے، لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک مرد بھی عورت کے بدلہ قتل کیا جائے گا، کیونکہ قرآن کریم نے قصاص کا جو قانون مقرر کیا ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ ایک نفس انسانی کے مقابلے میں دوسرے نفس انسانی کو قتل کیا جائے گا۔

(شامی: ۳۴۴/۵، المغنی: ۲۳۵/۸)

النفس بالنفس: (مائدہ: ۴۵) اس میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ آنحضور ﷺ نے ایک خاتون کے قصاص میں ایک یہودی کو قتل کرایا تھا۔ (بخاری شریف: ۱۰۱۷/۲، مسلم شریف: ۵۸/۲)

{۷}......غیر مسلم کا قتل؟

ایسا غیر مسلم جو مسلمان ملک کا شہری ہو، جس کو اصطلاح میں ذمی کہتے ہیں اگر مسلمان اسے قتل کر دے تو امام ابوحنیفہ (کے یہاں وہ مسلمان بھی اس کے بدلہ قتل کیا جائے گا، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک غیر مسلم کے بدلہ مسلمان بطور قصاص قتل نہیں کیا جائیگا۔ (المغنی:۲۱۸/۸)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر ایسے غیر مسلم کو لٹا کر ذبح کر دے تب تو مسلمان قاتل قصاص میں قتل کیا جائیگا ورنہ نہیں۔ (بدایۃ المجتہد:۳۹۹/۲)

حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کریم نے جو قصاص کے اصول متعین کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ کسی بھی انسانی جان کی ہلاکت موجب قصاص ہے اسی لئے حکم قصاص کو عام رکھا گیا ہے، اور مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے، اور ارشاد ہے: **"کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ"** اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔ **(بقرہ:۱۷۸)** اور: **کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس"** اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان۔ (مائدہ:۴۵) نیز فرمایا گیا: **"من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا"** اور جو شخص مظلومانہ طور پر قتل ہو جائے تو ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا اختیار دیا ہے۔ (بنی اسرائیل:۳۳) حدیث میں بھی وضاحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیر مسلموں کی جان کو وہی اہمیت دی ہے جو مسلمانوں کی جان کو حاصل ہے۔ **"فدمه کدمنا و دیته کدیتنا"** (السنن الکبریٰ:۶۲/۸، حدیث نمبر:۱۵۹۳۴)

یعنی ان کا خون ہمارے خون کی طرح اور ان کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے عبد الرحمن بن سلمان رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا، اور فرمایا کہ: میں عہد کو پورا کروں گا، **"انا احق من وفی بذمته"** (مراسیل ابوداؤد:۱۲/ باب الدیات)

خلفاء راشدین کا معمول بھی یہی رہا ہے۔ **(العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی للشیخ ابی زھرہ:۴۰۲)**

یہی قیاس کا بھی تقاضہ ہے، جب غیر مسلم کے مال کی چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا، اور غیر مسلم عورت سے زنا پر حد زنا جاری ہوگی اور شرعاً ان کے مال کی طرح ان کی جان بھی معصوم ہے یعنی اس پر دست درازی درست نہیں، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ غیر مسلم کا قتل موجب قصاص نہ ہو، پھر جائے فکر ہے کہ اگر کسی ملک میں اقلیت کے خون کو اس طرح رائیگاں کر دیا جائے تو کیا اس معاشرہ میں امن برقرار رہ سکے گا، اس لئے حنفیہ کی رائے اسلام کے عادلانہ مزاج اور سماجی مصلحتوں سے قریب تر ہے، اور جن روایتوں میں یہ بات آتی ہے کہ مسلمان غیر مسلم کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا، وہاں غیر مسلم سے حربی مراد ہے نہ کی ذمی۔

{۸}......غلام کا قتل

فقہاء کے درمیان اس بابت بھی اختلاف ہے کہ اگر مرد آزد شخص غلام کو قتل کر دے تو اسے بطور قصاص قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ مالکیہ وشوافع اور حنابلہ کے نزدیک اس کا جواب نفی میں ہے یعنی قتل نہیں کیا جائیگا۔ (المغنی: ۲۲۱/۸)

حنفیہ کے نزدیک قتل کیا جائے گا۔ (شامی: ۱۶۴/۱۰)

ائمہ ثلاثہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو پیش نظر رکھا ہے کہ آزاد غلام کے بدلہ قتل نہیں کیا جائیگا، **"قال علی: من السنة ان لا یقتل حر بعبد"**

(بیہقی: ۶۳/۸، دارمی: ۲/۱۱۱۶۲)

حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں آزاد غلام کی تفریق کے بغیر قتل کی سزا قتل مقرر کی گئی ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کا خون مساوی ہے۔ **"المسلمون تتکافأ دماؤهم"**

(ابن ماجہ شریف: ۲/۱۹۲)

پس جب غلام معصوم الدم ہے اور بحیثیت مسلمان اور انسان سبھی کی زندگی یکساں اہمیت کی حامل اور لائق احترام ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان کے قتل پر قصاص واجب نہ ہو، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس قانون میں کسی ایک طبقہ کی زندگی کی حرمت اور اہمیت کو کم کر دیا گیا ہو وہ سماج امن عامہ کو برقرار

نہیں رکھ سکتا، اس لئے جیسے جسمانی اوصاف کے اعتبار سے قاتل اور مقتول کے درمیان مساوات ضروری نہیں ہے۔

جواب: جہاں تک اس حدیث کی بات ہے جو ائمہ ثلاثہ نے پیش کی ہے تو احناف کے نزدیک اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ کوئی شخص خود اپنے غلام کو قتل کر دے، کیونکہ اس کے حق میں غلام کی حیثیت ایک حد تک مال کی بھی ہے، اور یوں بھی کوئی شخص غلام جیسی قیمتی متاع کو ضائع کرنا نہیں چاہتا، پس جیسے باپ کو بیٹے کے قتل پر قصاص سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے اسی طرح غلام کے قتل پر اس کا آقا قصاص سے مستثنیٰ ہوگا۔

{۹}......ایک شخص کے قتل میں متعدد لوگوں کی شرکت

ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص کے قتل میں متعدد لوگ شریک ہوں تو کیا وہ سبھی حضرات قتل کئے جائیں گے؟ اکثر فقہاء جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں، کے نزدیک ان تمام لوگوں سے قصاص لیا جائے گا، جو ایک شخص کے قتل میں عملاً شریک ہوں، بعض فقہاء کے نزدیک ایک شخص کے قتل میں اگر کئی لوگ شریک ہوں تو وہ قتل نہیں کئے جائیں گے۔ (شامی: ۲۰۶/ ۱۰، بدائع الصنائع: ۱۸۰/ ۶)

ظاہر ہے کہ جمہور کی رائے اسلام کے مزاج ومذاق سے بھی مطابقت رکھتی ہے اور امن عامہ کی مصلحت سے بھی، ورنہ جرم پیشہ لوگوں کے لئے قتل کا ایک نیا طریقہ ہاتھ آجائے گا، چنانچہ شریعت کے مزاج شناس خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب اس طرح واقعہ پیش آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے قتل میں شریک پوری جماعت کو قتل کرایا اور فرمایا: کہ اگر تمام اہل صنعاء بھی اس ایک شخص کے قتل میں شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا، **"لو تمالأ علیه اهل صنعاء لقتلتهم جمیعا"**

(السنن الکبریٰ للامام بیہقی: ۴۱/ ۸)

{۱۰}......بالواسطہ قتل کرنا؟

قصاص واجب ہونے کی ایک شرط خود قتل سے متعلق ہے کہ قتل براہ راست (مباشرۃ) کیا گیا ہو، اگر قاتل نے کوئی ایسا سبب اختیار کیا جو مقتول کے لئے باعث قتل بن گیا، تو یہ موجب قصاص نہیں، جیسے کسی شخص نے بیچ راستہ میں کنواں کھود دیا اور کوئی شخص اس میں گر کر مرگیا تو اس پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔
(بدائع الصنائع: ۲۳۹/۷)

تاہم حنفیہ کے یہاں اس میں بڑی وسعت ہے، مثلا اگر چند افراد نے کسی شخص کے بارے میں قاتل ہونے کی جھوٹی گواہی دی لیکن بعد میں اپنے جھوٹ کا اقرار کرلیا، یا جس شخص کو مقتول قرار دیا گیا تھا وہ زندہ پایا گیا اور بے گناہ نام نہاد قاتل قتل ہو چکا ہے، تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہان سے قصاص لیا جائے گا، کہ وہی اس پر سزائے قتل جاری ہونے کا باعث بنے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ وہ متسبب ہے یعنی بالواسطہ قتل کا ذریعہ بنا ہے، اس لئے وہ قصاصا قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ ان سے دیت وصول کی جائیگی۔ (بدائع الصنائع: ۲۳۹/۷)

تاہم کسی شخص پر اکراہ کیا گیا کہ وہ کسی شخص کو قتل کرے اور وہ مجبور ہو کر مذکور شخص کے قتل کا مرتکب ہوا، تو مجبور کرنے والا شخص قتل کیا جائیگا۔

قصاص واجب ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مقتول کا ولی معلوم ہو، ورنہ قصاص واجب نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۲۴۰/۷)

{۱۱}......مطالبہ قصاص کا حق کس کو ہے؟

قصاص کو شریعت اسلامی میں بنیادی طور پر بندہ کا حق مانا گیا ہے، اسی لئے جو شخص قصاص لینے کا حق دار ہے وہ اسے معاف کرنے کا بھی اختیار رکھتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ حق کسے حاصل ہوگا؟ حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک یہ حق، مقتول کے ورثہ کا ہے، خواہ وہ ایک ہوں یا کئی، مرد ہو یا عورت۔

(بدائع الصنائع: ۲۴۲/۷، بدایۃ المجتہد: ۴۰۳/۲)

مالکیہ کے نزدیک عصبہ مرد ہی قصاص لینے کے مستحق ہیں، بیٹیاں، بہنیں یا شوہر قصاص لینے کے حقدار نہیں۔ (حاشیہ دسوقی علی الشرح الکبیر: ۲۵۶/۴)

تاہم اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ مستحقین قصاص میں اگر ایک شخص بھی قصاص کو معاف کر دے تو قصاص نہیں لیا جائیگا۔ (بدایۃ المجتہد: ۴۰۲/۲)

اگر ورثہ میں سے بعض نابالغ ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بالغ ورثہ کو فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک، نابالغ کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا، اور اس وقت تک قصاص کے فیصلہ کو موقوف رکھا جائے گا۔ (بدائع الصنائع: ۲۴۲/۷)

البتہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس بچہ کے بالغ ہونے تک اس ملزم کو قید میں رکھا جائے گا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حنفیہ کے ساتھ ہیں۔

{۱۲}......حق قصاص کون وصول کرے؟

یہ گفتگو استحقاق قصاص کے بارے میں ہوئی، اس کے بعد مرحلہ قصاص وصول کرنے یعنی قاتل کے قتل کئے جانے کا ہے، قرآن کریم نے کہا ہے: **"من قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل"** اور جو شخص مظلومانہ طور پر قتل ہو جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے چنانچہ اس پر لازم ہے کہ وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ (بنی اسرائیل: ۳۳)

اس آیت کے مطابق گو قصاص کا فیصلہ عدالت کرے گی لیکن خود مقتول کے اولیاء ملزم کو قتل کریں گے، اور مقتول کے اولیاء کو اس کا موقعہ دیا جائے گا، اس میں ایک بڑی مصلحت ہے، جب کوئی مجرم سپر انداز ہو جاتا ہے، اور اپنے آپ کو حوالہ کر دیتا ہے، تو فطری بات ہے کہ آتش غضب سرد ہو جاتی ہے، گویا یہ ایک تدبیر ہے، جس کے ذریعہ شریعت اولیاء مقتول کے رویّ کو نرم کرنا چاہتی ہے، اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وارث ایک ہی ہو اور بالغ ہو تو وہ حق قصاص وصول کریگا، نابالغ ہو تو قاضی وصول کریگا، اور ایک قول کے مطابق اس کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا، اگر متعدد ہوں اور بالغ ہوں تو ان

میں سے کوئی بھی قصاص لے سکتا ہے، اگر بالغ ونابالغ ہوں تو بالغ شخص قصاص لے گا، کسی اور شخص کو قصاص لینے کا وکیل بھی بنا سکتے ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اصل مستحق قصاص وہاں موجود رہے، جس مقتول کا کوئی وارث موجود نہ ہو وہاں حکومت مجرم کو کیفر کردار تک پہنچائے گی۔ (بدائع الصنائع: ۲۴۵/۷)

{۱۳}......اسلام سے پہلے انتقام کے طریقے؟

اسلام سے پہلے انتقام کے بڑے انسانیت سوز طریقے مروج تھے، خود یورپ میں سزائے موت کے مجرموں کو آگ میں جلایا جاتا، ابلے ہوئے تیل میں ڈالا جاتا، پانی میں غرق کردیا جاتا، لوہے کا کفن پہنایا جاتا، زندہ دفن کر دیا جاتا، سوئیزرلینڈ اور جرمن میں اس طرح کی سزائیں سولہویں، سترہویں بلکہ اٹھارہویں صدی تک دی جاتی رہیں، فرانس میں اٹھارہویں صدی کے اواخر میں بھی مجرم کو چار گھوڑوں سے باندھ دیا جاتا، اور اس کو چار مخالف سمتوں میں دوڑایا دیا جاتا، یہاں تک کہ اس کے جسم کے چار ٹکڑے ہو جائیں۔ (فلسفہ العقوبۃ للدکتور فکری احمد عکاز: ۲۴۲)

اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ کی تہذیب کی، غیر انسانی طور وطریق کو ختم کیا اور برائی کا جواب بھی بھلے طریقہ پر دینے کا حکم دیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قتل بھی کرو تو بہتر طریقہ پر **"اذا قتلتم فاحسنوا القتلة"** (ترمذی شریف: ۲۶۰/۱)

مثلہ کرنے اور اعضاء انسانی کو کاٹ کاٹ کر مارنے سے منع فرمایا۔

(ترمذی شریف: ۲۶۰/۱)

ان ہی عادلانہ اور مہذب اصولوں میں سے یہ ہے کہ قاتل نے خواہ جیسے بھی قتل کیا ہو اور جو بھی انسانیت سوز طریقہ اختیار کیا ہو، لیکن تم ان کے ساتھ وہ رویہ اختیار نہ کرو، بلکہ بھلے طریقہ پر تلوار سے قتل کردو، ارشاد ہوا کہ قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جائے گا۔ **"لاقود الا بالسیف"** (ابن ماجہ شریف: ۱۹۱/۲)

یہی رائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲۴۵/۷)

شوافع اور مالکیہ کے نزدیک جیسا اس نے قتل کیا تھا ویسا ہی اسے قتل کیا جائیگا، اگر اس نے

مقتول کو ڈبویا تھا تو یہ بھی ڈبو یگا، پتھر مار مار کر ہلاک کیا تھا تو اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا۔

(بدائع المجتہد: ۲/۴۰۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں طرح کی رائے منقول ہے۔(المغنی: ۸/۲۴۲)

یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر قاتل نے اسے جلایا تھا تو یہ بھی جلایا جائیگا۔

(المغنی: ۸/۲۴۲)

ان حضرات کے پیش نظر وہ روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک خاتون کا سر پتھر سے کچل دیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی پر بھی اسی طرح قصاص کی تعمیل فرمائی۔

(بخاری شریف: ۲/۱۰۱۷، مسلم شریف: ۲/۵۸، ابو دؤاد شریف: ۲/۶۲۳)

حنفیہ کا خیال ہے کہ یہ واقعہ یا تو مثلہ کی ممانعت سے پہلے کا ہے، یا تورات کی شریعت کے مطابق ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بطور سرزنش جاری فرمایا، خیال ہوتا ہے کہ احناف کی رائے شریعت کے مزاج سے زیادہ قریب ہے۔ واللہ اعلم۔

{۱۴}......جزوی نقصان کا قصاص؟

یہ تمام گفتگو اس صورت سے متعلق ہے جس میں ایک شخص نے دوسرے کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا ہو، اگر جزوی نقصان پہنچایا ہو، جیسے زخمی کر دیا، یا دانت توڑ دیا تو اگر قصاص میں مماثلت اور برابری کو قائم رکھنا ممکن ہو، اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ زخم کے بدلہ زخم لگانے کی صورت میں حد سے تجاوز ہو جائے گا، تو قصاص کا حکم ہوگا، مثلاً ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، کاٹ دیئے جائیں گے، آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دی جائیگی، ملزم نے جو دانت نکالا ہے وہی دانت اس کا اکھاڑ دیا جائیگا، اور اگر مماثلت قائم رکھنا ممکن نہ ہو تو پھر دیت وصول کی جائیگی۔ **(شامی: ۳۵۳/۵، باب القود فی مادون النفس)**

حنیفہ کے نزدیک جان سے کم میں مرد اور عورت کے درمیان قصاص نہیں، البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی قصاص ہے۔(فتاوی شامی: ۵/۳۵۶)

یہی رائے فقہاء شوافع کی بھی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۷/۳۰۳)

فقہاء نے اس سلسلہ میں زخم کی مختلف صورتوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کے اثرات ونتائج کا دقیق تجزیہ کیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصل میں یہ مسئلہ طب کے باب سے متعلق ہے، اور ایسے مسائل میں فقہاء کے نزدیک ماہر اطباء کی رائے ہی بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے، اور فی زمانہ میڈیکل سائنس نے ایسی غیر معمولی ترقی کی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں بڑی حد تک صحیح نشاندہی کی صلاحیت رکھتی ہے، اس لئے ہمارے زمانے میں اس باب میں ماہرین اطباء کی رائے ہی حجت ہے۔

{۱۵}......قصاص کب ساقط ہوجاتا ہے؟

بعض صورتوں میں قصاص واجب ہونے کے باوجود ساقط ہوجاتا ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) قصاص کا محل ہی باقی نہ رہے، جیسے ملزم کی موت واقع ہوجائے، یا قصاص کے طور پر جس عضو کو کاٹا جانا چاہئے تھا کسی اور حادثہ میں وہ عضو ضائع ہو چکا، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں دیت بھی واجب نہیں رہتی۔

(۲) مستحقین قصاص یا ان میں سے کوئی قصاص معاف کردے، البتہ یہ ضروری ہے کہ معافی اس شخص خاص کی طرف سے ہو جسے قصاص لینے کا حق تھا، نیز وہ بالغ اور عاقل بھی ہو، البتہ اگر مستحقین قصاص میں سے بعض نے معاف کیا اور بعض نے معاف نہیں کیا تو جن لوگوں نے معاف نہیں کیا ہے وہ دیت کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔

(۳) صلح کے ذریعہ بھی قصاص معاف ہوجاتا ہے، صلح سے مراد یہ ہے کہ ملزم اور مستحقین قصاص کے درمیان مال کی کسی مقدار پر صلح ہوجائے، یہ مال مقدار دیت بھی ہوسکتی ہے۔ اور اس سے کم یا زیادہ بھی۔ (بدائع الصنائع: ۷/۲۴۶)

اس بات پر اجماع ہے کہ اگر قاتلہ حمل کی حالت میں ہو تو جب تک ولادت نہ ہوجائے، اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (بدایۃ المجتہد: ۲/۳۹۵، قاموس الفقہ: ۴/۵۱۱،۵۰۴)

{۱۶}......اقسام قتل اور ان کا حکم

ناجائز قتل جو شریعت کی نظر میں جنایت سمجھا جاتا ہے حضرات فقہاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے احکام کے اعتبار سے اس کی پانچ قسمیں کی ہیں۔

(۱)......قتل عمد۔

(۲)......قتل شبہ عمد۔

(۳)......قتل خطاء۔

(۴)......قتل قائم مقام خطاء۔

(۵)......قتل بہ سبب۔ (فتاوی شامی: ۵/۳۳۹)

(الف) قتل عمد

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں عمد سے مراد وہ قتل ہے، جس میں ہتھیار یا کسی ایسی چیز کا استعمال کیا جائے جس میں اجزاء جسم کو ٹکڑے کر دینے کی صلاحیت ہو، جیسے، تلوار، دھار دار لکڑی، نوکدار پتھر، بانس کا دھار دار حصہ، آگ وغیرہ۔ (فتاوی عالم گیری: ۶/۲)

دراصل قتل عمد وہ ہے جس میں مجرم کا ارادہ ہی قتل کا ہو اور ارادہ قتل ایک باطنی چیز ہے، لہٰذا ایسے آلات کا استعمال جو قتل کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں، اس کے حق میں دلیل ارادہ ہے۔

(فتاوی شامی: ۵/۳۳۹)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ دوسری چیزیں جو قتل کے لئے استعمال کی جاتی ہیں اور جس سے انسانی جان کی ہلاکت کا ظن غالب ہوتا ہے، وہ بھی اسی حکم میں ہے، جیسے موجودہ زمانے میں بجلی کا کرنٹ دے کر ہلاک کرنا یا زہر کھلا دینا، یا زہری انجکشن دینا وغیرہ۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بڑے پتھر

یالکڑی کی سل وغیرہ سے حملہ کیا جائے اور موت واقع ہو جائے تو یہ بھی قتل عمد ہے۔(فتاوی عالم گیری:۳/ ۶)

قتل عمد کے درج ذیل احکام ہیں۔

(۱)......قتل عمد کی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہے جیسا کہ خود قرآن کریم میں مذکور ہے۔(البقرہ:۱۷۸)

(۲)......اگر مقتول کے ورثاء دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں اور قاتل بھی دیت دینے پر تیار ہو تو دیت واجب ہوتی ہے۔

(۳)......قاتل اگر مقتول کا وارث ہو تو میراث سے محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: **"لایرث القاتل"** قاتل وارث نہیں ہوتا۔(ابن ماجہ شریف:۲/۱۱۲،حدیث ۲۷۶۶)

(۴)......یہ تو دنیوی احکام ہیں، اخروی حکم شدید گنہگار ہونا ہے، یہاں تک کہ جیسا کہ مذکور ہوا کہ قرآن کریم نے اس کو دائمی عذاب جہنم کا باعث بتایا ہے۔

(۵)......البتہ قتل عمد پر کفارہ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ کفارہ میں ایک پہلو عبادت کا بھی ہے، اور یہ گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کفارہ اس کے مناسب حال نہیں۔(فتاوی شامی:۵/ ۳۴۰)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حنفیہ نے اس جرم کو اتنا سنگین تصور کیا ہے گویا یہ نا قابل تلافی گناہ ہے، اور کفارہ ان گناہوں کیلئے ہوتا ہے، جن کی تلافی ممکن ہو۔

(ب) قتل شبہ عمد

شبہ عمد: ایسی چیز سے حملہ کرنے کا نام ہے، جو نہ ہتھیار ہو اور نہ ہتھیار کے درجہ کی چیز ہو، جیسے بڑے پتھر اور لکڑی، یہ تعریف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایسی چیز سے بالقصد مارنے کو کہتے ہیں جس سے عام طور ہلاکت واقع نہیں ہوتی، اس بنا پر بڑے پتھر اور لکڑی سے ہلاکت صاحبین کے نزدیک قتل عمد کے زمرہ میں آتی ہے۔

(فتاوی عالم گیری:۲/ ۶)

اسی طرح کنویں میں گرا دیا جائے یا چھت یا پہاڑ سے گرا دیا جائے، اور بہ ظاہر اس میں جان بچنے

کی امید نہیں تو صاحبین کے نزدیک یہ قتل عمد اور امام صاحب کے نزدیک شبہ عمد، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ امام صاحب کی رائے پر فتویٰ ہے۔ (فتاوی شامی: ۵/۳۴۱)

لیکن غالباً صاحبین کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ اصل اہمیت آلہ کی نہیں بلکہ فاعل کے ارادہ اور اس کے فعل کے اثر و نتیجہ کی ہے، ائمہ ثلاثہ کی بھی وہی رائے ہے جو صاحبین کی ہے۔

(المغنی: ۸/۲۰۸)

قتل کی اس صورت کے یہ احکام ہیں۔

(۱)......قاتل گنہگار ہوگا۔

(۲)......کفارہ واجب ہوگا، کیونکہ قرآن کریم نے قتل خطاء پر کفارہ واجب قرار دیا ہے، (النسائ: ۹۲) اور شبہ عمد کو بھی قتل خطاء سے ایک گونہ مماثلت ہے، واضح ہو کہ کفارہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا اور یہ میسر نہ ہو تو مسلسل دو ماہ روزے رکھنا ہے۔ (آیت مذکورہ)

(۳)......عاقلہ پر دیت مغلظہ واجب ہوگی، خود رسول اللہ ﷺ نے اس دیت کا ذکر فرمایا ہے۔ (نصب الرایۃ: ۴/۳۳۱ بحوالہ ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، عن عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن عمرو)

(۴)......شبہ عمد کے ذریعہ بھی عضو کو نقصان پہنچایا جائے تو وہ عمد ہی کے حکم میں ہے۔

(۵)......شبہ عمد سے ہلاکت کی صورت میں چونکہ قاتل کا ارادہ قتل مشکوک ہے، اس لئے قصاص واجب نہ ہوگا۔ (فتاویٰ عالم گیری: ۶/۳)

(ج) قتل خطاء

قتل خطاء وہ ہے جس میں قتل کا ارادہ نہ ہو، خطاء کی دو صورت ہے، قصد و ارادہ میں غلطی ہوگئی جیسے شکار سمجھ کر گولی چلائی اور معلوم ہوا کہ وہ شکار نہیں تھا، آدمی تھا، اس کے فعل میں غلطی ہوا قع ہوگئی، جیسے گولی کسی اور شیٔ پر چلائی لیکن نشانہ چوک گیا اور آدمی کو لگ گئی، یا اس کے ہاتھ سے کوئی وزنی چیز چھوٹ گئی اور کسی آدمی کو لگ گئی جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ (فتاوی شامی: ۵/۳۴۱)

قتل خطاء کے درج ذیل احکام ہیں۔

(۱)......کفارہ واجب ہوگا۔

(۲)......دیت واجب ہوگی، مگر عام دیت، نہ کہ دیت مغلظہ جو عاقلہ ادا کریں گے۔

(۳)......قاتل میراث سے محرم ہوگا۔ (عالم گیری: ۶/۳)

(۴)......قتل کا گنہگار تو نہ ہوگا لیکن غفلت و بے توجہی اور کوتاہی کا گناہ ہوگا۔ (فتاوی شامی: ۵/۳۴۲)

(د) قائم مقام خطاء

قائم مقام خطاء: وہ ہے جس میں قاتل کے فعل اختیاری کو دخل نہ ہو، جیسے: ایک شخص سویا ہوا تھا نیند ہی میں کروٹ لی اور کسی پر آپڑا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی، اس کے احکام بھی وہی ہیں جو قتل خطاء کے ہیں۔ (فتاوی شامی: ۵/۳۴۲)

قتل بہ سبب: سے مراد یہ ہے کہ وہ بالواسطہ ہلاکت کا باعث بنا ہو، جیسے دوسرے کی زمین میں بلا اجازت کنواں کھود دے یا راستہ پر لکڑی وغیرہ رکھدے اور کنویں میں گر کر یا راستہ میں ٹھوکر کھا کر کسی کی بھی موت واقع ہو جائے، اس صورتمیں بھی اس پر اور اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور گو اس کو قتل کا گناہ نہیں ہوگا لیکن غیر مملوکہ زمین میں اس بے جا تصرف کا گناہ ہوگا، البتہ قصاص واجب نہ ہوگا، اور نہ بالواسطہ قاتل میراث سے محروم ہوگا۔ (فتاوی شامی: ۵/۳۴۲)

{۱۷}......خودکشی

جیسے ایک انسان کے لئے دوسرے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح خودکشی بھی حرام ہے، کیونکہ انسان خود اپنی جان کا مالک نہیں بلکہ اس کا امین ہے، اور خودکشی اس امانت میں خیانت ہے، حضرت ابو ہریرہ ﷺ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کرلے وہ دوزخ میں رہے گا اور ہمیشہ اسی طرح گرتا رہے گا، جس نے زہر پی کر خودکشی کی تو وہ دوزخ میں ہمیشہ اسی

طرح زہر خورانی کرتا رہے گا، اور جس شخص نے لوہے کے ہتھیار سے خود کو ہلاک کیا ہو وہ دوزخ میں بھی ہمیشہ اپنے پیٹ میں ہتھیار گھونپتا رہے گا۔ (بخاری شریف: ۸۶۰ / ۲، باب شرب السم والدوائی)

ایک اور روایت میں ہے کہ گلا گھونٹ کر خودکشی کرنے والا جہنم میں ہمیشہ گلا گھونٹتا رہے گا، اور اپنے آپ کو نیزہ مار کر ہلاک کرنے والا دوزخ میں بھی ہمیشہ اپنے آپ کو نیزہ مارتا رہے گا۔

(بخاری شریف: ۱۸۲ / ۱، باب ماجاء فی قاتل النفس)

حضرت جابر بن سمرہ ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے خودکشی کر لی، آپ ﷺ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ (ترمذی شریف: ۲۰۵ / ۱، باب ماجاء فی من قتل نفسہ)

حنیفہ، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک حضور ﷺ کے اس عمل کا مقصود محض تنبیہ و توبیخ ہے، یہ کوئی مستقل قانون نہیں، اس لئے تمام ہی مسلمان اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔

(شرح مہذب: ۲۶۷ / ۴، فتاوی عالمگیری: ۱۶۳ / ۱)

البتہ اگر کوئی شخص بالقصد خودکشی نہ کرے بلکہ غلطی سے آدمی اپنے ہاتھوں ہلاک ہو جائے تو بالاتفاق اس پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ (فتاوی عالمگیری: ۱۶۳ / ۱، قاموس الفقہ: ۴۷۵، ۴۷۳ / ۴)

الفصل الاول

قتل مؤمن تین چیزوں کی وجہ سے

{۳۲۹۹} عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالْمَارِقُ لِدِيْنِهٖ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۱۶/۲، باب قول الله تعالیٰ "ان النفس بالنفس،

کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۵۸۷۸، مسلم شریف: ۵۹/۲، باب مایباح بہ بدم المسلم، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۱۶۷۶۔

حل لغات: المارق: اسم فاعل، **مرق من الدین:** مذہب سے الگ ہونا، اطاعت سے نکل جانا، اتباع چھوڑ دینا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کسی مسلمان شخص کا جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں خون بہانا حلال نہیں ہے، مگر تین میں سے کسی ایک چیز کی بناء پر جائز ہے (۱) جان کے بدلے جان، (۲) شادی شدہ زانی (۳) اپنے دین سے نکلنے والا جماعت کو چھوڑ کر۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: کسی بھی مسلمان کو ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے، بخاری شریف میں حدیث ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن اپنے دین کے بارے میں اس وقت تک وسعت میں رہیگا، جب تک کہ وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کریگا، مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کی توقع رہتی ہے، لیکن جب وہ قتل ناحق کے جرم میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو وہ اپنے لئے مغفرت کا دائرہ تنگ کرلیتا ہے، البتہ تین وجوہات میں سے کسی بھی ایک وجہ سے اگر مسلمان کو قتل کیا گیا تو گناہ نہیں ہے۔

(۱)......قصاص یعنی قتل ناحق میں قتل کے بدلہ قاتل کو قتل کرنا۔

(۲)......شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا۔

(۳)......دین اسلام سے الگ ہو کر مرتد ہونے والا کافر سے بدتر ہے اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔

لا یحل دم امرء: امرء سے انسان مراد ہے، لہٰذا یہ حکم عورت و مرد سب کو شامل ہے، مرتدہ عورت کا تفصیلی حکم کا بیان آگے آرہا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قتل ناحق کے بدلہ میں قصاصاً قتل کرنا حلال ہے، لیکن یہ مقتول کے ولی کے لئے ہی ہے۔ جو قاضی شرعی کے حکم اور دوسرے مقتول کو قتل کرے گا اس کے علاوہ اور کسی کے لئے حلال نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی اور نے قتل کر دیا تو اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

الثیب: اس سے مراد وہ آزاد مکلف ہے جس کا نکاح نکاح صحیح ہو چکا ہو اور پھر وہ زنا کا ارتکاب

کرے تو امام یعنی امیر المؤمنین کو اس کے سنگسار کرنے کا حق ہے اس کے علاوہ اس کا حق اور کسی کو حاصل نہیں ہے، اس لئے اگر کسی مسلمان نے اس کو قتل کر دیا تو علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو بھی قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

لیکن علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے، اور فرمایا کہ ہمارے نزدیک اظہر یہ ہے کہ اس کو قصاصاً قتل نہ کیا جائے۔ **"المارق دینہ"** ارتداد کی کسی بھی شکل میں اس کا قتل واجب ہے سوا اس کے کہ وہ توبہ کر کے پھر داخل اسلام ہو جائے، البتہ اس عموم سے عورت مستثنیٰ ہے۔

اقسام قتل مع اختلاف ائمہ

قتل کی ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک تین قسمیں ہیں، قتل عمد اور قتل شبہ عمد اور قتل خطاء اور ہر ایک کا حکم اور دیت الگ الگ ہے، لہٰذا اب احتیاج اس کی ہے کہ قتل کی ان قسموں کو جانا جائے، اور ان کی تعریف معلوم کی جائے، اس کے بعد ہر ایک کی دیت معلوم کی جائے، پس جاننا چاہئے کہ آلات قتل تین ہیں، (۱) محدد، (۲) مثقل کبیر، (۳) مثقل صغیر۔

الف: قتل عمد وہ ہے جو سلاح یعنی ہتھیار کے ذریعہ سے ہو یا اس چیز سے جو جاری مجری السلاح ہو یعنی محدد (ہر دھار دار چیز)

ب: شبہ عمد وہ ہے جو مثقل صغیر سے ہو، یعنی وہ غیر دھار دار چیز جس سے عامۃ ہلاکت واقع نہیں ہوتی جیسے معمولی سا ڈنڈا، چھوٹا پتھر، اور قتل خطا عام ہے، خواہ کسی آلہ سے ہو۔

پھر خطا کی دو قسمیں ہیں ایک خطائی الفعل، ایک خطائی الظن، (سیاتی بیانہ) اور جو قتل مثقل کبیر سے یعنی ایسی غیر دھار دار چیز سے ہو جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہے اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ قتل عمد میں داخل ہے۔ یا شبہ عمد میں، امام صاحب کے نزدیک شبہ عمد میں داخل ہے اور صاحبین اور جمہور کے نزدیک قتل عمد میں ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مثقل کبیر امام صاحب کے نزدیک ملحق ہے مثقل صغیر کے ساتھ،

اور عند الجمہور والصاحبین ملحق ہے محدود کے ساتھ، اور جو اوپر گذرا ہے کہ خطاء کی دو صورتیں ہیں، خطاء فی الظن یہ ہے کہ دور سے کسی شخص نے کسی انسان کو کمبل وغیرہ اوڑھے ہوئے دیکھا اور یہ سمجھ کر کہ یہ شیر یا چیتا ہے، اس کو مار ڈالا، یہ خطاء فی الظن ہے، قصاص صرف قتل عمد میں ہے اور قتل شبہ عمد اور خطا میں صرف دیت ہے، شبہ عمد میں دیت مغلظہ اور خطاء میں غیر مغلظہ نیز قسمیں آخرین میں دیت کے ساتھ کفارہ بھی ہے بخلاف قتل عمد کے کہ اس میں کفارہ واجب نہیں۔ (الدر المنضود: ۶/۴۰۶)

قصاص کا حکم اور اختلاف ائمہ

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ حکم قصاص قاتل و مقتول دونوں کے آزاد ہونے کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا آزاد کو غلام کے مقابلہ میں اور عورت کو مرد کے مقابلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس صورت میں دیت لی جائے گی۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی"** آزاد کو آزاد کے بدلہ میں، اور غلام کو غلام کے بدلہ میں اور عورت کو عورت کے بدلہ مین قتل کیا جائے گا، آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ غلام آزاد کے برابر نہیں ہے اور عورت مرد کے برابر نہیں ہے، لہٰذا آیت کریمہ اس کے حکم کے بیان سے ساکت ہے ایسی صورت میں آزاد کو غلام کے مقابلہ میں اور مرد کو عورت کے مقابلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا،

احناف کا مذہب: جس طرح آزاد کے بدلہ میں غلام اور مرد کے بدلہ میں عورت قتل کی جائے گی، اسی طرح آزاد کو غلام کے بدلے میں اور مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

دلیل: **"وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس"** آیت مطلق ہے، معلوم ہوا کہ مقتول کے بدلہ میں قاتل کو قتل کیا جائے گا، مقتول چاہے آزاد ہو یا غلام عورت ہو یا مرد اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

جواب: قرآن کریم کی آیت میں جو حکم ہے وہ قصر اضافی ہے، قصر حقیقی نہیں ہے، اور یہاں مقصود رسم جاہلیت کی نفی ہے زمانہ جاہلیت میں ذات برادری کو لے کر بڑی ناانصافیاں رائج تھیں، اللہ تعالیٰ نے مثال

دے کرفرمایا: **الحر بالحر الخ"** آزاد کسی آزاد کو قتل کرے گا تو وہ قاتل آزاد قصاص میں مستحق قتل ٹھہرے گا اسی طرح قاتل غلام مقتول کے بدلے میں قتل ہوگا اور قاتل عورت مقتول عورت کے بدلے میں قتل ہوگی، یہ نہیں چلے گا کہ کوئی طبقہ طاقتور ہے اور اس کے طبقہ کا غلام قتل ہوا تو اب اس کے بدلے میں مغلوب طبقہ کا قاتل غلام نہیں بلکہ بے قصور آزاد قتل کیا جائے گا، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں یہی رائج تھا۔

والثیب الزانی: عاقل بالغ آزاد مسلمان جو کہ شادی شدہ ہو، اگر محصنہ عورت سے زنا کا ارتکاب ہوگا تو ان کو سنگسار کر دیا جائے گا، مذکورہ صفات سے متصف شخص کو محصن اور عورت کو محصنہ کہا جاتا ہے۔

سوال: رجم کے لئے مذکورہ صفات کی شرائط کیوں لگائی گئی ہے؟

جواب: مذکورہ صفات درحقیقت بہت بڑی نعمت ہیں، ان نعمتوں سے متصف شخص نے جب زنا جیسا کبیرہ گناہ کیا تو اس نے اپنے آپ کو سخت سزا کا مستحق کرلیا، لہٰذا اس کو رجم جیسی شدید سزا دی جائے گی، پھر یہ اوصاف خود زنا سے روکنے والے ہیں، نکاح صحیح کے بعد وطی پر قادر ہے اور حلال سے سیر ہونا حرام سے خود مانع ہے۔ "والمارق لدینہ" دین سے نکلنے والے یعنی مرتد ہونے والے کا قتل لازم ہے البتہ اگر توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائے تو پھر قتل نہیں کیا جائے گا۔

ارتداد

ارتداد کے معنی پھر جانے اور واپس ہو جانے کے ہیں، فقہ کی اصطلاح میں اس سے مراد اسلام اور ہدایت کی نعمت خداوندی سے بہرہ ور ہونے کے بعد پھر کفر و الحاد کی طرف جانا ہے اور جو بدنصیب اس کا مرتکب ہو اسے **"مرتد"** کہتے ہیں۔

ارتداد کی سزا

اسلام نے دین کے معاملہ میں کسی کو مجبور نہیں کیا ہے اور ہر شخص کو اختیار دیا ہے کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر جی چاہے تو اس دائرہ میں آئے ورنہ باز رہے، لیکن جو لوگ ایک دفعہ اس دروازہ میں داخل ہو چکے ہوں، ان کو پھر واپسی کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے کہ اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو فکر و عقیدہ کا یہ

اہم ترین مسئلہ بھی بچوں کا گھروندا بن کر رہ جائیگا، عقلا بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے اسلام کی حیثیت محض ایک رواجی اور رسمی مذہب کی نہیں ہے، بلکہ فکر وعقیدہ سے لے کر سماج ومعاشرت اور سیاسیات ومعیشت تک ایک محکم اور مکمل نظام کی ہے، مملکت اسلامی میں رہتے ہوئے پھر اس دین سے بیزاری کا اظہار **"بغاوت"** کے مترادف ہے اور دنیا کا کونسا ملک ہے، جو اپنی آستین میں باغیوں کو جگہ دیتا ہو؟ اس لئے اسلام کی نگاہ میں دارالا سلام میں رہتے ہوئے جو لوگ ارتداد کے مرتکب ہوں، ان کی سزا قتل ہے۔

فقہی ثبوت

اور یہ سزا کتاب وسنت، اجماع اور عملی تواتر سے ثابت ہے قرآن کریم میں کہا گیا: **"وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون"** (التوبۃ: ۲)

اگر معاہدہ کے بعد وہ لوگ عہد شکنی کریں اور تمہارے دین کے معاملہ میں طعن کریں تو رؤساء کفر سے جنگ کرو کہ ان کو وعدے کا کوئی پاس نہیں، شاید وہ باز رہیں۔

ام المؤمنین سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون مباح نہیں ہوسکتا، مگر تین چیزوں میں سے ایک کے پائے جانے کی وجہ سے، شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے، مسلمان ہونے کے بعد کفر کو اختیار کرے یا کسی کی جان لی ہو اور بطور قصاص قتل کیا جائے۔ (نسائی شریف: ۱۴۷/ ۲)

اس مضمون کی متعدد احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ (مسلم شریف: ۵۹/ ۲، ابوداؤد شریف: ۵۹۸/ ۲)

اور عہد اسلام میں تواتر کے ساتھ اس پر عمل ہوتا رہا ہے، نیز ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے: **"قد اتفق الائمۃ علی ان ارتد عن الا سلام وجب قتلہ وعلی ان قتل الزندیق واجب وھو الذی یسر الکفر ویتظاھر بالا سلام وعلیہ انہ اذا ارتد اھل بلد قوتلوا وصارت اموالھم غنیمۃ"** (المیزان الکبریٰ: ۱۷۱/ ۲)

ائمہ کا اتفاق ہے کہ مرتد اور زندیق کا قتل واجب ہے، زندیق وہ شخص ہے جو اسلام کا اظہار کرے اور بباطن کافر ہو، نیز ائمہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب پوری آبادی مرتد ہو جائے تو اس سے قتال کیا جائے اور اس کے اموال مال غنیمت شمار ہوں گے۔

ارتداد کا ثبوت

ارتداد کے ثبوت کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ مرتد عاقل، بالغ اور ہوش وحواس کی حالت میں ہو، اپنی رضامندی سے کلمہ کفر بولا ہو، یا ان امور کا ارتکاب کیا ہو، جسے فقہاء ارتداد قرار دیتے ہیں۔ نابالغ، پاگل، بے ہوش آدمی اگر ایسے الفاظ کہے یا اکراہ اور دباؤ میں کہے تو وہ مرتد تصور نہ کیا جائیگا، تین دنوں تک ایسے شخص کو قید میں رکھا جائے گا، مستحب طریقہ یہ ہے کہ اس درمیان اس پر اسلام پیش کیا جائے، وہ تائب ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ اس مدت کے بعد اسے قتل کر دیا جائے گا، یہ حکم مرد کے لئے ہے، عورت اگر مرتدہ ہوگئی تو اسے قتل نہ کیا جائے، بلکہ قید کر دی جائے اور جب تک توبہ نہ کرلے مار پیٹ کے ذریعہ سخت سرزنش کی جائے۔ (عالمگیری: ۲/۲۵۳)

مرتد کے احکام

مرتد ہوتے ہی اس کی ساری املاک اس کی ملک سے نکل جائے گی، اور حالت اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا اور حالت کفر کی کمائی بیت المال میں بطور **"فئی"** داخل کر دی جائے گی، حالت ارتداد میں اس کا کسی بھی عورت مسلمان، کتابی یا مشرک سے نکاح کرنا درست نہ ہوگا، اور نکاح منعقد نہ ہوگا۔ (عالم گیری: ۲/۲۵۴)

مرتد ہونا ان امور میں سے ہے جن کی وجہ سے زوجین میں علاحدگی ہو جاتی ہے۔

مرتدہ عورت کا حکم: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد و عورت جو بھی مرتد ہوگا، اس کو قتل کیا جائے گا، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے، **"من بدل دینه فاقتلوه"** جو مرتد ہو جائے

اس کو قتل کر دو، اس حدیث کے عموم میں مرد و عورت سب داخل ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ قید خانہ میں رکھا جائے گا، اور بار بار توبہ طلب کی جائے گی، حدیث ہے کہ **"ایما امراۃ ارتدت عن الاسلام فادعھا فان تابت فاقبل توبتھا وان ابت فاستتبھا"** جو عورت اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس کو دعوت دو پس اگر وہ توبہ کرلے تو اسکی توبہ قبول کرلو اور اگر وہ انکار کرے تو پھر اس کو توبہ کے لئے کہو۔لہٰذا یہ روایت عام روایات کے لئے مخصص ہے، نیز جب کافرہ حربیہ کے بارے میں تاکید ہے کہ اس کو قتل مت کرو تو مرتدہ کو بھی قتل نہ کیا جائے گا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بنوحنیفہ کی عورتوں کو قید کیا تھا قتل نہیں کیا تھا، چنانچہ ان ہی عورتوں میں سے ایک عورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی تھی، جس سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔(لامع الدراری)

اعتراض: مرتد کو قتل کرنا تو اکراہ ہے جو کہ اسلام میں حرام ہے۔

جواب: مرتد کا قتل اسلام پر مجبور کرنے کے لئے نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کو گھر میں نظر بند کیا جاتا ہے اگر اسلام پر مجبور کرنے کی وجہ سے قتل ہوتا تو مرتدہ کو بھی قتل کیا جاتا، مرتد کو فتنہ روکنے کے مقصد سے قتل کیا جاتا ہے، مرد کو نظر بند کرنا اس کے موضوع کے خلاف ہے، اور اس کو چلنے پھرنے کی آزادی دی جائے گی تو وہ لوگوں کے ذہنوں کو بگاڑے گا، اور فتنہ کا باعث بنے گا، لہٰذا اس کا قتل ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **"والفتنۃ اشد من القتل"** یعنی فتنہ قتل سے سنگین بات ہے، اس لئے فتنہ روکنے کے لئے مرتد کو قتل کیا جاتا ہے۔(تحفۃ الالمعی: ۴/۳۳۲)

التارک للجماعۃ: درحقیقت **"المارق لدینہ"** کی صفت کاشفہ ہے جماعت مسلمین کو چھوڑنا بھی اسلام سے نکلنا ہے، یہ کوئی الگ سے صفت نہیں ہے، بلکہ ماقبل کی وضاحت کے لئے ہے، ورنہ تین امور کی تخصیص باطل ہو جائے گا، ترمذی شریف کی روایت میں **"المارق لدینہ"** کی جگہ پر **"التارک لدینہ"** کے الفاظ ہیں، اور **"التارک للجماعۃ"** کی جگہ پر **"المفارق للجماعۃ"** کے الفاظ ہیں، ان کلمات کی شرح میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے درس ترمذی میں بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے، یہاں نقل کی جاتی ہے۔

مرتد کی سزا قتل ہے: ہمارے دور میں بعض متجددین نے قتل مرتد سے انکار کیا ہے اور

یہ کہا ہے کہ مرتد کو قتل کرنے کا حکم شریعت میں نہیں ہے، اور قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں، **"لا اکراہ فی الدین"** (البقرہ:۲۵۶) یعنی دین کے بارے میں کوئی اکراہ نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور حدیث باب سے بھی استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں **"المفارق للجامعة"** یہ **"التارک لدینه"** کے لئے قید ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ محض مرتد ہو جانا یہ موجب قتل نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ مفارقت جماعت یعنی بغاوت نہ پائی جائے لہٰذا جب کوئی شخص مرتد ہو کر بغاوت کا ارتکاب کرے تب وہ موجب قتل ہوگا، تنہا ارتداد موجب قتل نہیں ہوگا۔

لیکن یہ استدلال درست نہیں اس لئے کہ دوسری روایت میں مطلقاً فرمایا گیا کہ **"من بدل دینه فاقتلوه"** اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور کے بہت سے واقعات موجود ہیں جن میں بغاوت نہ ہونے کے باوجود مرتد کو قتل کیا گیا ہے، اور **"المفارق للجماعة"** درحقیقت **"التارک لدینه"** کے لئے صفت کاشفہ ہے، مستقل قید نہیں ہے، لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

المفارق للجماعة: کا کیوں اضافہ کیا گیا؟ ایک طالب علم نے یہ سوال کیا کہ حدیث باب میں **"المفارق للجماعة"** کی جو صفت لائی گئی ہے اس صفت کا کیا فائدہ ہے؟ کیوں کہ **"التارک لدینه"** میں ہر مرتد داخل ہے اور جو مرتد ہو جائے وہ جماعت سے بھی الگ ہو جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ صفت کاشفہ ہے اور صفت کاشفہ کے لئے کوئی نیا فائدہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ وہ سابق کی محض ایک تفسیر ہوتی ہے، یہ تو ایک ضابطے کا جواب تھا۔

مرتد کی دو قسمیں: لیکن سوال یہ ہے کہ صفت کاشفہ لانے کی حکمت کیا ہے؟ کیوں کہ **"التارک لدینه"** کا لفظ بالکل واضح تھا، پھر **"المفارق للجماعة"** کے ذریعہ اس کی تفسیر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مرتد کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک مرتد وہ ہوتا ہے جو کھلم کھلا اسلام کو چھوڑ دے اور یہ کہے کہ میں اسلام میں نہیں رہتا اور مثلاً نصرانی مذہب اختیار کرلے یا یہودی مذہب اختیار کرلے اور

مرتد ہونے کے بعد اپنے آپ کو مسلمان نہ کہے۔

دوسرا مرتد وہ ہے، جو ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے، اور اس کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اور یہ نہیں کہتے کہ ہم اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔

لہٰذا اگر صرف **"التارک لدینہ"** کہا جاتا اور **"المفارق للجماعۃ"** کی قید نہ لگاتے تو صرف مرتد کی پہلی قسم اس میں داخل ہوتی اور دوسری قسم داخل نہ ہوتی، اس لئے کہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ **"التارک لدینہ"** وہ ہے کہ جو کھلم کھلا یہ کہے کہ میں اسلام کو چھوڑتا ہوں لیکن، جب **"المفارق للجماعۃ"** کا لفظ بڑھا دیا تو اس میں اس طرف اشارہ دیا گیا کہ چاہئے وہ مرتد اسلام سے خارج ہونے کا اعتراف نہ کر رہا ہو، لیکن اگر اس نے کوئی ایسا عقیدہ اختیار کر لیا ہے، جو جماعت المسلمین کے عقیدے کے مختلف ہے اور ضروریات دین کا انکار کر رہا ہے تب بھی وہ مرتد کے حکم میں داخل ہے، لہٰذا **"المفارق للجماعۃ"** کا فائدہ یہ ہوا کہ اس میں مرتد کی دوسری قسم بھی داخل ہو گئی چاہے وہ اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، دونوں صورتیں اس میں داخل ہو گئیں، اگر **"المفارق للجماعۃ"** کا لفظ نہ ہوتا اور صرف **"التارک لدینہ"** ہوتا تو اس صورت میں اس بات کا احتمال تھا کہ اس سے وہ مرتد مراد ہو جو کھلم کھلا یہ کہے کہ میں اسلام کو نہیں مانتا، اس لئے **"المفارق للجماعۃ"** کی صفت سے یہ فائدہ حاصل ہو گیا۔

(درس ترمذی: ۵/ ۴۵)

ارتداد کی سزا، دار الاسلام میں

ارتداد کی سزا قتل کا نفاذ ظاہر ہے کہ اسی وقت ہوگا، جب مسلم مملکت ہو، غیر مسلم ممالک ہندوستان وغیرہ میں اگر خدانخواستہ اس نوعیت کے واقعات پیش آجائیں تو مسلمان کا فریضہ ہے کہ **"شہادت حق"** کا حق ادا کرتے ہوئے ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کریں، اخلاق اور دعوتی طریق پر ان کو اسلام سے قریب کریں اور اگر کوئی بدبخت اس توفیق سے یکسر محروم ہو چکا ہو تو اس سے اپنا مقاطعہ کر لیں، اور اس

طرح اپنے عمل سے عند اللہ اس بات کا ثبوت فراہم کر دیں کہ ہمارے پاس اللہ کا رشتہ انسانی رشتوں سے زیادہ محکم اور مقدس ومقدم ہے، لیکن دار الکفر میں "ارتداد" کی حد شرعی جاری نہ ہوگی۔ (ہندیہ: ۲/۲۵۴)

قتل ناحق کا وبال

{۳۳۰۰} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهٖ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا۔ (رواه البخاري)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۱۴، باب قول اللّٰہ تعالیٰ و من یقتل مؤمنا، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۸۶۲۔

حل لغات: **الفُسحَة:** فاء مضموم سین ساکن حاء مفتوح معنی کشادگی، گنجائش، جگہ وافقہ، جگہ واقعہ آرام وتفریح، چھٹی۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن اپنے دین کے بارے میں اس وقت تک وسعت میں رہے گا، جب تک کہ وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرے گا۔ (بخاری)

تشریح: **فی فسحۃ:** مطلب یہ ہے کہ جب تک قتل ناحق کا صدور نہیں ہوتا ہے، دین محفوظ رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے رحم وکرم کی قوی امید رہتی ہے، دین پر چلنا آسان رہتا ہے، اور عمل صالح کی توفیق شامل حال رہتی ہے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قتل ناحق کے علاوہ دیگر کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے باوجود رحمت خداوندی سے بخشش کی امید رہتی ہے لیکن قتل ناحق کے ارتکاب کے بعد قاتل مایوس لوگوں کے طبقہ میں شامل ہوجاتا ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/۱۵)

صاحب مرقاۃ نے اس موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ **"من اعان علی قتل مؤمن ولو بشطر کلمۃ لقی اللّٰہ مکتوب بین عینیہ آیس من رحمۃ اللّٰہ"** اگر کسی شخص نے کسی

مسلمان کے قتل کے سلسلہ میں کسی معمولی بات کے ذریعہ بھی قاتل کی مدد کی ہوگی، تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا، کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان اللہ کی رحمت سے مایوس لکھا ہوا ہوگا۔ (مرقاۃ: ۸۴/۷، شرح الطیبی: ۵۱/۷)

سوال: کیا مسلمان کو عمداً قتل کرنے والے کی مغفرت ممکن ہے یا وہ ہمیشہ جہنم میں رہیگا؟

جواب: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے شرک ناقابل معافی جرم ہے، اس کے علاوہ جو گناہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے معاف فرمادیں گے، لہٰذا قتل عمد کی معافی بھی ممکن ہے، مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک شخص نے سو قتل کردیے، پھر اس کو ندامت ہوئی اور اس نے سچی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کردیا، جن نصوص میں قتل عمد کی سزا، **"خلود فی النار"** منقول ہے، وہاں مدت دراز قتل کی سزا پانے تک کی مدت جہنم میں رہنا مراد ہے۔

قتل ناحق کا فیصلہ

{۳۳۰۱} وَعَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِی الدِّمَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۱۴، باب قول اللہ تعالیٰ من یقتل مؤمنا، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۸۶۵، مسلم شریف: ۱/۶۷، باب تحریم قتل الکافر الخ کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۹۵، باب المجازاۃ بالدماء، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۱۶۷۸۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے جس چیز کا فیصلہ ہوگا وہ خون بہانا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: مسلمان کی جان بہت ہی قیمتی شئ ہے، لہٰذا اس کا قتل بہت ہی بڑا جرم ہے، اسی

بنا پر لوگوں کے حقوق سے متعلق معاملات کے فیصلوں میں سب سے پہلے خوں ریزی کا ہی فیصلہ ہوگا، دیگر معاملات کا فیصلہ بعد میں ہوگا، صاحب مرقاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث خون کے معاملہ کی تعظیم کے لئے ہے، اور اس کے ذریعہ پیدا ہونے والے خطرات کی تاثیر کو بیان کرنے کیلئے ہے۔ (مرقاۃ: ۷/۴۹)

اول مایقضیای یحکم بین الناس: یعنی مؤمنین کے درمیان یوم القیامۃ یہ ظرف ہے فی الدماء یہ اول مایقضی کی خبر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دنیا میں کسی کا قتل کر دیا تو قیامت کے دن سب سے پہلے اسی مقدمہ کا فیصلہ ہوگا۔

اشکال: ترمذی شریف میں حدیث ہے **"اول مایحاسب به العبد صلاته"** کہ قیامت کے دن بندے کے جس عمل کا سب سے پہلے حساب لیا جائیگا، وہ نماز ہے، یہ حدیث باب کے معارض ہے۔

جواب: حضرت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا فیصلہ ہوگا، اور حقوق العباد میں سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا، لہٰذا دونوں روایت الگ الگ اعتبار سے ہیں۔

یہ بھی جواب دیا جاتا ہے کہ جس عمل کو سب سے پہلے جانچا جائے گا وہ نماز ہے اور سب سے پہلے جس عمل کا نتیجہ نکلے گا وہ خون کا معاملہ ہے۔

نیز نماز مامورات میں سے ہے اور قتل ناحق منہیات میں سے، لہٰذا مامورات میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور منہیات میں سب سے پہلے قتل ناحق کا فیصلہ ہوگا۔

(شرح الطیبی: ۷/۵۱، مرقاۃ المفاتیح: ۴/۴)

کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کی ممانعت

{۳۳۰۲} وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ اِنْ لَقِیْتُ رَجُلاً مِنَ الْکُفَّارِ

فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّيْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا اَهْوَيْتُ لِاَقْتُلَهٗ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ أَأَقْتُلُهٗ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ لَا تَقْتُلْهُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَطَعَ اِحْدَى يَدَيَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنْ قَتَلْتَهٗ فَاِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهٗ وَاِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِيْ قَالَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۱۴، باب قول اللّٰہ تعالیٰ من یقتل مؤمنا متعمدا الخ، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۵۸۶۵، مسلم شریف: ۱/۶۷، باب تحریم قتل الکافر الخ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۹۵۔

حل لغات: المنزلۃ: گھر، رتبہ، مقام، حیثیت، پوزیشن، درجہ۔

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ بتائے اگر میں کافروں میں سے کسی شخص سے ملاقات کروں، پھر ہم دونوں آپس میں لڑیں اور وہ تلوار سے میرے ہاتھ پر وار کرے، اور اسکو کاٹ دے، پھر وہ ایک درخت کی پناہ لیکر کہے کہ میں اللہ کے لئے مسلمان ہوگیا اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں اس کو قتل کرنے کا ارادہ کروں تو وہ کہے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے، کیا میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اس کو مت قتل کرو تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اس نے میرا ہاتھ کاٹا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو مت قتل کرو اگر تم اس کو قتل کروگے تو وہ تمہاری اس جگہ پر ہوگا جہاں پر تم اس کے قتل کرنے سے پہلے تھے، اور تم اس کی جگہ پر ہوگے، جہاں پر وہ اس کلمہ کے کہنے سے پہلے تھا، جو کلمہ اس نے پڑھا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: کافر اسلام لانے سے پہلے مباح الدم ہوتا ہے لیکن اقرار شہادتین سے مسلمان ہوجاتا ہے لہٰذا عام مسلمان کی طرح یہ بھی معصوم الدم ہوجاتا ہے، اور اس کا قتل ناحق بھی حرام ہوتا ہے، اقرار شہادتین کے بعد اگر کوئی مسلمان اس کو قتل کرتا ہے تو وہ مسلمان قصاصا قتل کیا جائے گا، آنحضرت ﷺ کا مقصود اسلام لانے کے بعد قتل کرنے سے منع فرمانا ہے، یہ مطلب یہاں ہرگز نہیں ہے کہ اقرار شہادتین

کے بعد اگر کسی نے قتل کر دیا تو قاتل کافر ہو گیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واقعات پیش آنے سے پہلے کسی مسئلہ کا حل دریافت کیا جا سکتا ہے، البتہ نادر الوقوع واقعات کے بارے میں پہلے سے تحقیق و تفتیش ضیاع وقت کی بنا پر مکروہ ہے، اقرارِ توحید و رسالت ہر حال میں معتبر ہے اور مسلمان پر لازم ہے کہ اقرار شہادتین کرنے والے کو مسلمان سمجھے، خواہ ظاہر حال اس کے مخلص نہ ہونے کی طرف مشیر ہو۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے کسی مجبوری کی وجہ سے اسلام قبول کیا تو بھی معتبر ہے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حربی کافر نے جب اسلام قبول کر لیا تو حالت کفر کے جرم پر قصاص بھی نہیں ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم بھی نہیں دیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے قتل کرنے سے پہلے تمہارا خون بہانا حرام ہے، اور تم معصوم الدم مسلمان ہو، اور قتل کے بعد تم مباح الدم ہو جاؤ گے، جیسا کہ وہ کلمہ اسلام قبول کرنے سے پہلے مباح الدم کافر تھا اور اب کلمہ کی بدولت وہ معصوم الدم ہو گیا ہے، یہی مطلب ہے آپ ﷺ کے اس فرمان کا کہ تم اس کی جگہ میں ہو جاؤ گے خوارج اس جز سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے، ان کا کہنا غلط ہے وجہ شبہ وہی ہے جو مذکور ہوئی یا پھر فقط گنہگار ہونے میں تشبیہ دی گئی ہے یعنی اس کے قتل کے بعد تم بھی گناہ گار ہو گے۔

صرف زبان سے شہادتین کا اقرار معتبر کیوں ہے؟ اس کی قیمتی بحث **"نفع المسلم"** سے نقل کی جاتی ہے۔

کسی چیز کے عالم میں وجود کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱)......لفظی۔ (۲)......ذہنی۔ (۳)......عینی۔

ان تینوں قسموں میں لفظی وجود سب سے کمزور وجود ہے، کیوں کہ جو مقاصد و اغراض کسی شیٔ کے وجود میں ملحوظ ہو سکتے ہیں وہ ان میں سے کوئی بھی اس وجود لفظی پر مرتب نہیں ہوتے، اس لئے اس وجود کو اگر عدم کے برابر کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا، پانی لفظی وجود کسی پیاسے کی پیاس نہیں بجھاتا، اور نہ روٹی کا صرف زبانی تذکرہ کسی بھوکے کے پیٹ کو بھر سکتا ہے۔

وجود ذہنی گو لفظی وجود سے قوی تر ہے، مگر شئی کے تمام آثار و احکام مرتب ہونے کے لئے یہ بھی

ناکافی ہے۔

وجود عینی جو خارج میں کسی کا اعتبار کئے بغیر موجود ہوتا ہے، اسی وجود کو درحقیقت وجود کہا جاسکتا ہے، اسی لئے جب کوئی پیاسا پانی مانگتا ہے تو اس کا مقصد یہی عینی وجود سمجھا جاتا ہے، اور اس کا لفظی یا ذہنی وجود کسی کے خواب وخیال میں نہیں آتا۔

اسی طرح ایمان کے وجود کی تین صورتیں ہیں:

(۱)......لفظی۔(۲)......ذہنی۔(۳)......عینی۔

سابق تمہید کی بنا پر ایمان کا لفظی وجود بیکار ہونا چاہئے جب کسی تشنہ کے لئے پانی کا لفظی وجود کارآمد نہیں ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں ایمان کا لفظی وجود کیا کارآمد ہوسکتا ہے؟ مگر یہاں ایک سخت مشکل یہ درپیش ہے کہ عالم بشریت کی سرتاسر محتاجی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو الفاظ وحروف کا جامہ پہنائے بغیر ادا کرسکے، اس کی قلبی ترجمانی کا یہی ایک ناتمام آلہ ہے اگر وہ بھی ناقابل اعتبار ٹھہرے تو عالم انسانی کا تمام کاروبار معطل اور بیکار ہوجائے، اس لئے چاروناچار ایمان کا لفظی وجود شریعت میں ایک حد تک قابل اعتبار سمجھا گیا ہے، جیسا کہ اس حدیث **"امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ الخ"** مجھے حکم ہوا کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں۔ میں کہا گیا ہے، اب اسے ایمان کی رفعت وبلندی کہئے یا فیاضی سے تعبیر کیجئے کہ محض کلمہ توحید پر اس نے جان بخشی کا اعلان کردیا ہے، اور کسی کے دل کے راز سے کوئی بحث نہیں کی، اگر زبان اقرار کرلیتی ہے اور دوسری کوئی دلیل جو قلبی انحراف پر دلالت کرسکے، ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتی ہے، تو اس وقت ہم اس بات کے مامور ہیں کہ اس اقرار ہی کو قلبی تصدیق کی دلیل سمجھیں۔ (نفع المسلم:۱/۲۸۶)

اقرار شہادتین کے بعد قتل کی ممانعت

{۳۳۰۳} **وَعَنْ** أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُنَاسٍ مِنْ جُهَيْنَةَ فَاَتَيْتُ عَلٰى رَجُلٍ

مِنْهُمْ فَذَهَبْتُ اَطْعَنُهُ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهُ فَقَتَلْتُهُ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اَقَتَلْتَهُ وَقَدْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَهٗ مِرَارًا۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۱۵/۲، باب قول اللّٰہ تعالیٰ ومن احیاھا، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۸۷۲، مسلم شریف: ۶۸/۱، باب تحریم قتل الکافر الخ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۴۱۔

حل لغات: شققت: ماضی واحد مذکر حاضر، معناہ، پھاڑنا شگاف ڈالنا، **طعن فلانا:** نیزہ مارنا۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں "**جھینہ**" کے کچھ لوگوں کی طرف بھیجا تو میں ان کے ایک آدمی کے پاس آیا جوں ہی میں اس کو نیزہ مارنے چلا تو اس نے "**لا الہ الا اللہ**" پڑھ لیا، میں نے اس کو نیزہ مار کر قتل کر دیا، پھر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کو قتل کر دیا، جب کہ اس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے یہ کام پناہ لینے کی غرض سے کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس کا دل کیوں نہیں چیرا؟ (بخاری ومسلم)

ایک دوسری روایت میں جندب بن عبد اللہ بجلی بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس وقت تم "**لا الہ الا اللہ**" کے ساتھ کیا کروگے جب کہ وہ قیامت کے دن آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کئی بار فرمائی۔ (مسلم)

تشریح: کلمہ گو مسلمان ہے بغیر قوی دلائل کے اسکی تکفیر جائز نہیں ہے، اور اس کا قتل حرام ہے دل میں کسی کے کیا ہے اس کی تحقیق کا بندہ مکلف نہیں ہے، ظاہر احوال دیکھ کر فیصلہ کرنے کا بندہ مکلف ہے زبان سے کلمہ کے اقرار کے باوجود اسکو کافر سمجھ کر قتل کرنا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی، جس

پر ان کو بعد میں بھی ندامت ہوئی کہ انہوں نے اس بات کی تمنا کی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا، آج ہی میں اسلام لاتا تاکہ میرے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے، مقصد یہ تھا کہ کاش حالت اسلام میں مجھ سے یہ گناہ سرزد نہ ہوتا۔

اسامۃ بن زید: یہ دونوں باپ بیٹے انتہائی خوش قسمت خدام رسول ﷺ میں سے ہیں جن پر آنحضرت ﷺ کی بے پناہ شفقت ومحبت تھی، شفقت ومحبت تو آپ کو پوری امت کے ساتھ تھی لیکن محبت کی راہ سے یہ ممتاز تھے۔

خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ کافر کے خون کے بارے میں کہ اصل اس کا مباح الدم ہونا ہے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس نے محض جان بچانے کے لئے یہ کلمہ پڑھا تھا نہ کہ اسکی تصدیق کرتے ہوئے چنانچہ مباح الدم ہونے کی وجہ سے اس کو قتل کر دیا اس لئے کہ وہ اس کے قتل پر مامور ہوئے ہیں اور مجتہد کی خطا نہ صرف معاف ہے بلکہ اس میں ماجور ہے خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ صرف اتنا ہے **"الخطاعن المتجهد موضوع"** مجتہد سے خطا کو معاف کر دیا گیا ہے۔

یا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کی یہ تاویل کی جائے کہ اس حالت میں اس کا ایمان قبول کرنا اور توبہ کرنا معتبر نہیں ہے اللہ تعالی کے فرمان **"فلم یک ینفعهم ایمانهم لما رأو باسنا"** لیکن جب ہمارا عذاب انہوں نے دیکھ لیا تو اس کے بعد ان کا ایمان لانا انہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا۔

(سورۃ المؤمن، مرقاۃ: ۵/ ۴، شرح الطیبی: ۵۴/ ۷)

سوال: مسلمان کو قتل کرنے کے باوجود آپ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر نہ قصاص واجب کیا نہ دیت اور نہ کفارہ ایسا آپ ﷺ نے کیوں فرمایا؟

جواب: چوں کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کو کافر سمجھ کر قتل کیا تھا، لہذا شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو گیا، البتہ کفارہ واجب ہوا تھا، وہ یہاں مذکور نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ کا حکم فوری بیان کرنا ضروری نہیں ہے، یا پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے تنگدست ہونے کی وجہ سے دیت کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔

کیف تصنع: کا مطلب یہ ہے کہ "لا الہ الا اللہ" کا اقرار کرنے والا یا پھر خود یہ کلمہ یا اس کلمہ کو

لے کر آنے والے فرشتے قیامت کے دن اگر تم سے دریافت کریں گے کہ تم نے اس کلمہ کے معترف کو کیوں قتل کیا تو تمہارے پاس کیا جواب ہوگا؟ آپ ﷺ نے اس کلمہ کی عظمت واحترام بٹھانے کے لئے اور اس کے قائل کے قتل کی قباحت بٹھانے کے لئے مذکورہ جملہ کئی بار اسی مجلس میں یا الگ الگ مجلسوں میں دہرایا، اس تنبیہ کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسلمان سے قتال نہیں کروں گا، اسی وجہ سے وہ جنگ جمل و جنگ صفین میں شریک نہیں ہوئے۔

سوال: دو مسلمان گروہ اگر وہ جنگ کریں تو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: جو گروہ حق پر ہو اس کا ساتھ اس وقت تک دینا چاہئے جب تک کہ دوسرا گروہ حق پر نہ آجائے جمہور کی یہی رائے ہے بعض صحابہ کرام کی رائے یہ تھی یہ مسلمانوں کے درمیان قتال میں شرکت نہ کرنا بہتر ہے۔ (فیض المشکوۃ:۶/۳۳۹)

معاہد کو قتل کرنے کی ممانعت

{۳۳۰۴} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ أَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱/۴۴۸، باب اثم من قتل معاهدا، کتاب الجزیة، حدیث نمبر: ۳۱۶۶۔

حل لغات: **عاهد:** معاہدہ کرنا، امان لینا، **راح الشیء روحا:** کسی چیز کی بو محسوس کرنا، **الرائحة:** بو اچھی ہو یا بری، **الخریف:** موسم خزاں، ۲۱ر دسمبر سے ۲۱ر ستمبر تک، **المسیرة:** چال مسافت۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس نے کسی عہد کرنے والے کو قتل کر دیا تو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی

مسافت تک پہنچتی ہے۔(بخاری)

تشریح: جو کافر اسلامی حکومت میں رہتا ہو اور اس نے جنگ و جدال نہ کرنے کا عہد کر رکھا ہو اس کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اگر کوئی مسلمان ناحق اس کو قتل کرے گا تو وہ جنت میں دخول اولی سے محروم کر دیا جائے گا، اور اس کو لمبی مدت تک جہنم میں رہنا ہوگا۔

ابن عمرو: یہ واؤ کے ساتھ ہی ہے **"من قتل معاهداً"** ھاء کے کسرہ کے ساتھ معاہد اس کو کہتے ہیں جس نے لڑائی نہ لڑنے کا امام سے عہد کیا ہو خواہ وہ ذمی ہو یا حربی ہو، اور ایک روایت میں ہاء کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے یہ وہ ہوگا جس سے امام نے معاہدہ کیا ہو، **"لم یرح رائحة الجنة"** لم یرح میں تین طرح سے روایات ہیں راح یراح سے راء کے فتح کے ساتھ راح یراح سے راء کے کسرہ کے ساتھ اراح یریح سے راء کے ضمہ کے ساتھ۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ راء اور یاء کے فتحہ کے ساتھ اجود ہے اور معنی سب کے ایک ہیں جنت کی خوشبو اس کو حاصل نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کو کبھی بھی جنت کی بو نہ ملے گی جس کا مطلب ابدالآباد جنت میں نہ جانا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلے پہل جب جنت کی خوشبو ان مسلمانوں کو حاصل ہوگی جنہوں نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کیا ہے یا کیا تو اس سے توبہ کر لی تھی ان کے ساتھ معاہد کے قاتل کو خوشبو حاصل نہ ہوگی اسلئے کہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب اگر وہ موحد اور مسلمان ہیں تو وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ وہ گناہوں کی سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔(شرح الطیبی:۵۵/۷)

اور بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ تہدید اور تغلیظا ہے، **"وان ریحها یوجد"** یہ جملہ حالیہ ہے یعنی حال یہ کہ جنت کی بو پائی جاتی ہے **"من مسیرة اربعین خریفا"** چالیس سال کی مسافت سے، خریف سے مراد یہاں سال ہی ہے جیسا کہ دوسری روایت میں **"سبعین عاما"** موجود ہے اور ایک روایت میں **"مائة عام"** بھی موجود ہے، اور رالفردوس میں الف عام بھی ہے۔

علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے ان تمام روایتوں کو اس طور پر جمع کیا گیا ہے کہ یہ فرق مسافت اشخاص کے اعمال اور ان کی شخصیتوں کے فرق کے اعتبار سے ہے عظیم ترین شخصوں کو ایک

ہزار کی مسافت ان سے کم والوں کو ایک سال کی مسافت سے وہکذا جنت کی خوشبو وہ جس کو جنتی مسافت سے مالک عرش وکرسی والجنۃ چاہے گا حاصل ہوگی۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا بھی احتمال ہے کہ ان تمام روایتوں میں مسافت کے بعد کی تعبیر مختلف انداز میں بیان کرنے کی منشاء صرف طول مسافت کو بتانا ہو نہ کی اس کی تحدید **"واللہ اعلم بمرادہ وحبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔** (رواہ البخاری)

اس مضمون کی روایات کو بہت سے محدثین نے اپنی کتابوں کے اندر ذکر کیا ہے، چنانچہ احمد، نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص بلا وجہ شرعی کے اپنے کسی معاہد کو قتل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کردے گا یعنی ایک مدت دراز تک اس کو جنت میں جانے سے روک دیگا، نیز طبرانی نے حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی ہے کہ جو شخص کسی ذمی کو تہمت لگائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جہنم کا لباس بطور استہزا کے پہنائے گا اسی لئے ہمارے علمائے حضرات نے فرمایا ہے کہ ذمی سے لڑائی جھگڑا کرنا بمقابلہ مسلمان کے زیادہ مذموم اور انتہائی برا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۶/۴)

اقسام الکافر اربعۃ

غیر مسلم کی چار قسمیں ہیں:

(۱)......ذمی وہ شخص جس کو اسلامی ملک میں شہریت حاصل ہو، وہ پرامن طریقہ سے اسلامی ملک میں رہتا ہو چوں کی اس کی جان ومال وآبرو کی حفاظت اسلامی حکومت پر ہے، اس لئے اس کو ذمی کہتے ہیں اور اس کو ناحق قتل کرنا اللہ ورسول کے ذمے کی عہد شکنی ہے، لہٰذا اس کے قاتل کے لئے سخت وعید ہے۔

(۲)......مستامن وہ غیر مسلم جو ویزا لے کر اسلامی ملک میں آیا ہو۔

(۳)......معاہد دار الحرب کا وہ کافر جس سے جنگ نہ کرنے کا اسلامی ملک سے معاہدہ ہو ان دونوں کا قتل بھی حرام ہے۔

(۴)......حربی دار الحرب کا وہ کافر ہے جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ ہو اگر مسلمان نے معاہد مستامن یا حربی

میں سے کسی کو قتل کیا تو قصاص میں مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا، اگر ذمی کو قتل کیا تو ائمہ کا اختلاف ہے۔

ذمی کا قصاص اور اختلاف ائمہ

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ذمی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: **"لایقتل مسلم بکافر"** کسی کافر کے بدلہ میں مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا، اس حدیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر حربی ہو یا ذمی کسی بھی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک ذمی کافر کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔

دلیل: روایت ہے کہ "**قتل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلما بمعاهد وقال علیہ السلام انا احق من وفی بذمتہ**" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہد کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا اور ارشاد فرمایا میں اس کے ذمہ کو پورا کرنے کا زیادہ مستحق ہوں۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بھی ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، بعد میں دیت پر مصالحت ہوگئی تھی۔ (یہ روایت غصب رایہ میں ہے) ان روایات کی وجہ سے اس روایت میں تخصیص ضروری ہے، جو ائمہ ثلاثہ کی دلیل کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب: حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ روایت زمانہ جاہلیت کے خونوں کے بارے میں ہے، یعنی اگر کسی نے زمانہ کفر میں کسی کافر کو قتل کیا، پھر وہ مسلمان ہوگیا اور مقتول کے ورثاء بھی مسلمان ہو گئے تو اب اگر وہ قصاص کا مطالبہ کریں تو اس کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (اعلاء السنن: ۱۸/۹۸)

اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کے بدلہ میں ایک مسلمان

کو قتل کرایا ہے یہ روایت سنن بیہقی کے حاشیہ میں ابن استر کمانی نے ذکر کی ہے۔

(تحفۃ الالمعی: ۳۴۱/ ۴، فیض المشکوۃ: ۳۴۰/ ۶)

علاوہ ازیں ذمی کا مسلمان سے قصاص نہ لینا ملکی نظام کے خلاف ہے ایسی صورت میں کوئی غیر مسلم اسلامی ملک میں رہنا پسند نہیں کرے گا، وہ خود کو دوسرے درجہ کا شہری سمجھے گا اور ہر وقت اس کو دھڑکا لگا رہے گا کہ کوئی مسلمان اسکو قتل کر دے گا، نیز مسلمان بھی قصاص نہ ہونے کی بنا پر ذمی کو قتل کرنے میں بے خوف ہو جائے گا، جس سے کثرت قتل کا قوی اندیشہ ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۳۴۲/ ۴)

احناف کی ایک اور دلیل قرآن کریم کی آیت ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **"ان النفس بالنفس"** بے شک جان کے بدلے میں جان۔ اس آیت میں مسلمان یا کافر کی کوئی قید نہیں ہے، لہٰذا **"المطلق یجری علی اطلاقه"** کی رو سے یہ حکم ہر قسم کے انسان کو شامل ہوگا۔

نیز حضور ﷺ نے اہل ذمہ کو قتل کرنے پر کیسی شدید وعیدیں بیان فرمائیں ہیں جو شخص اہل ذمہ کو قتل کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا حالانکہ وہ اہل ذمہ کافر ہے لیکن پھر بھی اس کے قتل پر اتنی شدید وعید بیان فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوا ہے کہ اسکا قتل کرنا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسے کسی مسلمان کو قتل کرنا۔

اور یہ کہ جب ذمی سے یہ کہہ دیا گیا کہ اس کی جان محفوظ ہے تو اب اس کی جان میں اور مسلمان کی جان میں دنیوی احکام کے لحاظ سے کوئی فرق باقی نہیں رہا چنانچہ اسی وجہ سے متعدد صحابہ کرام سے اور خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کیا ہے۔

لایقتل مؤمن بکافر کی مزید توجیہ

ماقبل میں ایک توجیہ تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بیان کر دی گئی ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے یعنی کسی مسلمان کو کسی کافر حربی کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض روایات میں اس جملہ کے بعد ایک جملہ اور ہے اور **"ولا ذو عهد فی عهده"** یعنی کسی ذمی کو کافر کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا، اس صورت میں ذو عہد کا

عطف کافر پر ہے اور عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کافر سے مراد کافر حربی ہے اور ذو عہد سے مراد ذمی ہے۔

اس حدیث شریف کی دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کی گواہی پر قتل نہیں کیا جائے گا۔ (الشرح الکبیر: ۸/۲۳۸، ۴، شرح المہذب: ۱۷۳/۲، کشاف القناع: ۶۰۹/۵، درس ترمذی: ۵/۵۴)

خودکشی کی سزا

{۳۳۰۵} وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى، فِيْهَا خَالِداً مُخَلَّداً فِيْهَا أَبَداً وَمَنْ تَحَسَّى سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسَمُّهُ فِيْ يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهُ فِيْ يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِيْ بَطْنِهِ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۶۰/۲، باب شرب السم، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۵۷۷۸، مسلم شریف: ۷۲/۱، باب غلظ تحریم قتل الانسان، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۰۹۔

حل لغات: تحسی الحساء: تھوڑا تھوڑا پینا، چسکیاں لینا، **الحدیدہ:** لوہے کا ٹکڑا، **وجاء:** کسی کو ہاتھ یا چھری سے مارنا، **تردی فی الحفرۃ:** بلندی سے گرنا، کھائی یا کھڈے وغیرہ میں گرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے پہاڑ سے گر کر اپنے آپ کو ہلاک کرلیا تو وہ جہنم کی آگ میں ہے، ہمیشہ ہمیش اس میں گرتا رہیگا، اور جس نے زہر پی کر اپنے آپ کو قتل کرلیا تو وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، جس کو وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پیتا رہیگا،

اور جس نے اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے قتل کرلیا تو اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، جس کو جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیش اپنے پیٹ میں گھونپتا رہیگا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: خود کشی فعل حرام ہے، اس کی سزا جہنم کی آگ ہے جب تک اس کے لئے جہنم میں رہنا مقدر ہوگا، اس وقت تک وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس درمیان ایک ساعت کے لئے بھی جہنم سے اس کو نجات میسر نہ آئے گی، اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو آرام نہیں ملے گا، اور جس طرح سے اس نے خود کشی کی ہوگی اسی طرح کی سزا اس کو جہنم میں مسلسل ملتی رہے گی، لہٰذا ہر مسلمان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور یہ امانت ہے اس لئے اس کی قدر کرنا چاہئے، اور اس میں قطعا خیانت نہ کرنا چاہئے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ضائع کرنے سختی سے منع فرمایا ہے فرمان باری ہے: **"ولا تلقوا بأيديكم الى التهلكة"**

خالدا: یہ عذاب اس پر ہمیشہ ہوتا رہے گا، **"مخلداً فيها ابداً"** یہ تاکید کے بعد تاکید ہے اور اس بیان کے لئے کہ ایسا شخص اسی عذاب کا مستحق ہے اور یا خلود سے مراد مدت طویل ہے اور مخلد سے اسی کی تاکید ہوئی ہے اور یہ تاکید تشدیداً اور تہدیداً ہوگی۔ **واللہ اعلم**۔ یہ حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ جہنم میں ہوگا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ جن لوگوں نے خود کشی کے یہ طریقے اختیار کئے ان کی یہ سزا اس وقت ہوگی جب کہ ان لوگوں نے اپنے اس فعل کو حلال قرار دیکر کیا ہو اور اگر اس سے عموم مراد لیا جائے یعنی حلال جانتے ہوئے کرنے کی قید نہ لگائی جائے تو پھر خلود اور تابید سے طویل مدت تک رہنا مراد ہوگا اسلئے کہ ان کا استعمال ان معنوں میں بھی ہوتا ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/۵۶، مرقاۃ المفاتیح: ۶/۴)

سوال: کیا خود کشی کرنے والے کی مغفرت ممکن نہیں ہے اور کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مشرک کے علاوہ ہر مجرم کی بخشش ممکن ہے لہٰذا خود کشی کرنیوالے کی بھی بخشش ممکن ہے۔ (مسلم شریف) کی روایت سے اسکی تائید بھی ہوتی ہے۔

خالدا مخلدا کی توجیہ: (۱) ایک جواب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے، کہ خلود کی سزا اس شخص کے لئے ہے جو خود کشی کو حرام جانتے ہوئے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے، ظاہر ہے کہ حرام کو حلال

سمجھنے والا کافر ہے۔

حافظ ابن حجر (فتح الباری کتاب الجنائز: ۲۷۷/۳) علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس جواب سے اتفاق کیا ہے، لیکن اس جواب پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مستحل حرام کو اس وقت کافر کہا جاتا ہے جبکہ ایسے قطعی حرام شیٔ کا انکار کرے، جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو، اور وہ حرام لعینہ ہو لغیرہ نہ ہو، اور جس چیز کی حرمت ظنی الدلالت یا ظنی الثبوت ہو اس کو حلال سمجھنے والا کافر نہ ہوگا۔ (شامی باب الحیض: ۴۹۴)

دوسرا جواب: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے " **قال الترمذی رواہ محمد بن عجلان عن سعید المقبری عن ابی ہریرۃ فلم یذکر خالدا مخلدا و کذا رواہ ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** " اس سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جنائز کے آخر میں بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔ " **الذی یختنق نفسہ یختنقہا فی النار والذی یطعنہا یطعنہا فی النار** " جو شخص اپنے آپ کو گلا گھونٹ کر ہلاک کرے وہ جہنم میں اپنا گلا گھونٹا رہے گا اور جو اپنے آپ کو نیزہ مار کر ہلاک کرے وہ جہنم میں اسی طرح نیزہ مارتا رہے گا۔ (بخاری: ۱/۱۸۲)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جس روایت میں خالدا مخلدا کا ذکر نہیں ہے وہی اصح ہے کیوں کہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ " **موحد عاصی** " عذاب کے بعد جہنم سے نکالے جائیں گے۔ (ترمذی)

تیسرا جواب: زجر و توبیخ پر محمول کیا جائے۔

چوتھا جواب: خودکشی کا خاصہ اور اس کی اصل سزا تو یہی ہے کہ " **خلود فی النار** " البتہ ایمان کی صفت آجانے سے اسکی اصل سزا مرتب نہ ہوگی جیسے پانی کا مزاج ٹھنڈک ہے، لیکن آگ پر رکھنے کی وجہ سے گرم ہو جاتا ہے۔

پانچواں جواب: یہاں عبارت محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے " **مخلدا فیہا الی ان یشاء اللہ** " (نفع المسلم)

گلا گھونٹ کر خودکشی کرنا

{۳۳۰۶} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذى يَخْنُقُ نَفْسَهٗ يَخْنُقُهَا فِى النَّارِ وَالَّذِىْ يَطْعَنُهَا يَطْعَنُهَا فِىْ النَّارِ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۸۲/۱، باب ما جاء فی قاتل النفس، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۳۶۵۔

حل لغات: خنق: نصر سے گلا گھونٹنا، سانس روکنا، گلا گھونٹ کر دم نکال دینا، **طعن فلانا بالرمح:** نیزہ مار لینا، نیزہ کے چوکے دینا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں اپنا گلا گھونٹا وہ جہنم میں بھی اپنا گلا گھونٹے گا اور جس نے دنیا میں اپنے کو نیزہ مارا جہنم میں بھی وہ اپنے آپ کو نیزہ مارے گا۔ (بخاری)

تشریح: خودکشی کرنے والا جہنم میں داخل کیا جائے گا، اور خودکشی کرنے کے لئے دنیا میں جو طریقہ اختیار کرے گا جہنم میں اس کو اسی طریقہ کا عذاب اپنے ہاتھوں برداشت کرنا ہوگا۔

کوئی شخص مصیبتوں سے تنگ آ کر اپنا گلا گھونٹ کر اپنے آپ کو قتل کر لیتا ہے یا نیزہ مار کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیتا ہے تاکہ مصیبتوں سے چھٹکارا مل جائے تو اس کو ہمیشہ اسی نوع کی سزا جہنم میں ملتی رہتی ہے، خودکشی کرنے والا یہ سمجھ کر خودکشی کرتا ہے کہ مصیبت سے نجات مل جائے گی، حالانکہ یہ اس کی غلط فہمی ہے، کیوں کہ موت نام ہے روح کے بدن سے جدا ہونے کا، روح مرتی نہیں ہے، روح کو جسم سے نکلنے کے بعد جزا و سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا خودکشی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اسی کو کسی نے کہا کہ:

اب تو کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
اور مر کر بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے

رحم کھا کر مار دینا

سوال: کوئی شخص انتہائی تکلیف دہ مرض میں مبتلا ہے اور بظاہر اس کے تندرست ہونے کے آثار نہیں ہیں، تو کیا اسکو انجکشن وغیرہ دے کر مار سکتے ہیں؟

جواب: اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، بخاری شریف میں حدیث ہے کہ ایک شخص کو شدید زخم آگئے، تو انہوں نے تکلیف سے تنگ آ کر اپنے کو قتل کرلیا، **"فقال اللہ عز و جل بدرنی عبدی نفسہ"** میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں جلد بازی کی۔

اسی حدیث سے ایک سوال کا حکم معلوم ہوگیا جو آج کل بہت کثرت سے اٹھایا جارہا ہے، رحم کھا کر مار دینا، بعض اوقات کسی شخص کی بیماری اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور وہ اس قدر اذیت میں ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی اور اس اذیت کا مداوا اور علاج کسی انسان کے پاس نہیں ہوتا۔

آج کل کی سائنس کہتی ہے کہ اس شخص کے حق میں بہتر یہی ہے کہ اس کو آسان طریقہ سے مار دیں یعنی کوئی ایسا انجکشن لگا دیا جائے جس سے وہ بآسانی مرجائے، کیوں کہ اس کے صحت یاب ہونے کی اب کوئی توقع نہیں ہے، اس کے لئے باقاعدہ تحریک چل رہی ہے کہ اس کو باقاعدہ قانونی شکل دی جائے یعنی ڈاکٹر کو یہ اختیار دیا جائے کہ جب وہ کسی مریض کو دیکھے تو اس کو موت کے حوالے کردے۔

اس حدیث مبارک سے اس کا حکم معلوم ہوگیا کہ یہ صاحب زخمی تھے اور زخم کی تکلیف برداشت نہیں کر پارہے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو قتل کردیا تو اس کو حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **"بادرنی عبدی بنفسہ"** میرے بندے نے اپنے آپ کو ہلاک کرنے میں مجھ پر سبقت کی۔

اور جو یہ کہا گیا ہے کہ ترس کھا کر اس کو موت دے دی جائے تو ارے بھائی! تم خدا کے اختیارات لے کر تو دنیا میں نہیں آئے ہو تمہیں کیا پتہ ہے کہ تم اس کی اذیت کو ناقابل برداشت کہہ رہے ہو اور کہہ رہے ہو کہ وہ دیکھی نہیں جارہی ہے اس اذیت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس کو کتنے درجات عطا فرمارہے ہیں اور کیسے اس کے گناہوں کی مغفرت ہورہی ہے اور کیسے وہ آخرت کے درجات اور منازل طے کررہا ہے تمہیں

اس کی کیا خبر؟ پھر بے شک تم یہ دیکھ رہے ہو کہ اس کے بچنے کی کوئی توقع نہیں لیکن کتنے ہی ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ اس تکلیف کے بعد لوگ بچ گئے اور وہ تکلیف ختم ہوگئی اور کیا تمہیں اس وقت کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہے کہ جلدی سے موت کے گھاٹ اتار کر اس کے لمحات زندگی کو ختم کر دیا جائے جب کہ یہ لمحات کتنے قیمتی ہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی جملہ اس کے منہ سے ایسا نکل جائے جو اس کا بیڑا پار کر دے اور گناہوں سے اس کی مغفرت ہوجائے، اس سے پہلے اگر جہنم میں جانے والا تھا اس جملہ کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے سرفراز فرمادیں تو تم کون ہو یہ فیصلہ کرنے والے؟

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو رحمن و رحیم ہیں اسے تو رحم نہیں آرہا ہے اور تمہیں اس پر رحم آگیا، تو گویا العیاذ باللہ رحمن و رحیم سے بھی زیادہ رحم کھانے والے ہوئے استغفر اللہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں شدید گستاخی ہے۔ (انعام الباری: ۴۹۱/۴، فیض المشکوۃ: ۳۴۲/۶)

خودکشی کی حرمت

{۳۳۰۷} وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهٖ جُرْحٌ فَجَزِعَ فَاَخَذَ سِكِّيْنًا فَحَزَّ بِهَا يَدَهٗ فَمَا رَقَاَ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى بَادَرَنِيْ عَبْدِيْ بِنَفْسِهٖ فَحَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۴۹۲/۱، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۴۶۳، مسلم شریف: ۷۲/۱، باب غلظ تحریم قتل الانسان، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۱۳۔

حل لغات: جزع: گھبرانا، بے برداشت ہوجانا، بے تاب ہوجانا، پریشان ہوجانا، **جز:** کاٹنا مگر الگ نہ کرنا، شگاف کرنا، **رقا الدمع والدم:** آنسو یا خون کا بند ہونا، خشک ہونا، **بدر الیہ:** جلدی کرنا، سبقت کرنا، پہل کرنا۔

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے لوگوں میں ایک شخص تھا، جس کو زخم تھا جب وہ اس زخم سے پریشان ہوگیا تو اس نے چھری لے کر اپنا ہاتھ کاٹ لیا، چنانچہ اس کے نتیجہ میں اتنا زیادہ خون بہہ گیا کہ وہ مرگیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں مجھ پر سبقت کی لہٰذا میں نے اس پر جنت حرام کردی۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ خودکشی جرم عظیم ہے، جس طرح دوسرے کو قتل کرنا حرام ہے اسی طرح اپنے آپ کو قتل کرنا یا اپنے اعضا میں سے کسی عضو کو نقصان پہنچانا بھی حرام ہے، جو اس عمل کو حلال سمجھ کر کرے گا، وہ کفر کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے جنت سے محروم ہوگا اور جو حرام سمجھ کر اس عمل کو انجام دے گا وہ سابقین کے ساتھ اول مرحلہ میں دخول جنت سے محروم ہوگا۔

مشیت اور رضا میں فرق

اگر چہ مشیت تھی لیکن رضا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر دنیا میں کوئی کام نہیں ہوسکتا، یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نہیں چاہ رہے تھے اللہ تعالیٰ کی مشیت تو نہیں تھی لیکن اس نے آپنے آپ کو مارلیا، یہ فرق ہمیشہ یاد رکھیں کہ مشیت اور چیز ہے، رضا اور چیز ہے دنیا میں جتنے گناہ کے کام ہوتے ہیں سارے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر گناہ کا کام بھی نہیں ہوسکتا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہوتے، شیطان جو پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا، لوگ شیطان کے پیروکار ہورہے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہورہے ہیں شراب پی رہے ہیں، زنا کررہے ہیں یہ سب کام اللہ کی مشیت سے ہورہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا صرف اعمال صالحہ میں ہوتی ہے، عمل غیر صالح کے ساتھ رضا نہیں ہے۔ (انعام الباری: ۴۹۱/۴)

خودکشی کرنے والے کیلئے دعائے مغفرت

{۳۳۰۸} وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ لَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هَاجَرَ اِلَيْهِ وَهَاجَرَ مَعَهٗ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهٖ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَاَخَذَ مَشَاقِصَ لَهٗ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهٗ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَاٰهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِيْ مَنَامِهٖ وَهَيْئَتُهٗ حَسَنَةٌ رَوَاهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ لَهٗ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَفَرَلِيْ بِهِجْرَتِيْ اِلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيْلَ لِيْ لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا اَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۷۴، باب الدلیل علی ان قاتل لنفسہ الخ، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۱۶۔

حل لغات: مشاقص: جمع ہے، **مشقص:** کی چھری، تیر کا پھل، پیکان، **براجم:** یہ **برجمۃ** کی جمع ہے، انگلیوں کے جوڑ، **شخب الدم:** زخم سے خون کا بہنا، **الهیئة:** شکل، صورت، کیفیت، ہیئت۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک آدمی نے بھی ہجرت کی، وہ آدمی بیمار ہوا، تو گھبرا گیا، چنانچہ اس نے اپنی تیروں کے پیکان لئے، اور اس نے اپنی انگلیوں کے جوڑوں کو کاٹ دیا، اس کے نتیجہ میں ان کے ہاتھ سے خون بہا اور وہ مر گئے، پھر حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کو خواب میں دیکھا تو ان کی حالت اچھی تھی، لیکن وہ اپنے دونوں ہاتھ ڈھانکے ہوئے تھے، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو معاف

فرمادیا، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا بات ہے میں تم کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہاتھوں کو ڈھانکے ہوئے ہو، انہوں نے بتایا کہ مجھ سے کہا گیا کہ ہم تیرے ان حصوں کو درست نہیں کریں گے، جو تم نے خود سے خراب کئے ہیں، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی اے اللہ اس کے ہاتھوں کو بھی معاف فرمادے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ خودکشی کرنا اور اپنے اعضا کو نقصان پہنچانا بہت بڑا جرم ہے، جس پر قیامت میں سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا، تو دوسری طرف یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ خودکشی کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، بلکہ وہ مسلمان ہی رہتا ہے، اور جس طرح دیگر کبیرہ گناہوں کی بخشش ممکن ہے اسی طرح خودکشی کرنے والے کی بھی بخشش ممکن ہے، اور اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا چاہئے، نیز اس کی جنازہ کی نماز بھی ادا کی جائے گی۔

ان الطفیل بن عبد اللہ: صاحب مشکوۃ نے فرمایا کہ انہوں نے مکہ میں آکر اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی پھر اپنی قوم کے شہروں کی طرف لوٹ گئے اور وہیں رہے پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی جب کہ آپ خیبر میں تشریف فرما تھے اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی تھے جنہوں نے ان کی اتباع کی تھی اور پھر اس کے بعد یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ہائے مبارک سے وابستہ رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے، غزوہ یمامہ میں یہ شہید ہوئے، ان سے حدیث کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/۵۷)

بہترین استدلال: توریشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد **"اللهم وليديه فاغفر"** ان احادیث میں سے ایک ہے جن کو میں نے ذکر کیا اور جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس آدمی نے شہادتین پر یقین کیا اور قلب ولسان سے اس کا اقرار کیا وہ خلود فی النار کا مستحق نہیں ہوگا، خواہ کسی بھی گناہ کا ارتکاب کرے اور خواہ خودکشی ہی کیوں نہ کرے اور استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کیلئے جس نے اپنے آپ پر جنایت کی تھی یعنی مآلا خودکشی کی تھی اس کی مغفرت کی دعا فرمائی۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۷/۴، انوار المصابیح: ۷/۱/۶)

فوائد: حدیث پاک سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

(۱)......خودکشی گناہ کبیرہ ہے ورنہ اسکو عذاب کیوں ہوتا۔

(۲)......گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا ورنہ اس کی مغفرت کیوں ہوتی۔

(۳)......گناہ کبیرہ کا مرتکب مخلد فی النار نہیں ہوگا ورنہ اس کی مغفرت کیوں ہوتی ان سب چیزوں سے خوارج ومعتزلہ کی تردید ہوگئی۔

(۴)......بعض گناہوں کے ارتکاب سے عذاب ہوتا ہے، اس سے مرجیہ کی تردید ہوگئی جو اس کے قائل ہیں کہ ایمان کے ساتھ گناہوں سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

دیت لینے کا حکم

{۳۳۰۹} **وَعَنْ** اَبِیْ شُرَیْحٍ الْکَعْبِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ اَنْتُمْ یَاخُزَاعَۃُ قَدْ قَتَلْتُمْ ھٰذَا الْقَتِیْلَ مِنْ ھُذَیْلٍ وَاَنَا وَاللّٰہِ عَاقِلُہٗ مَنْ قَتَلَ بَعْدَہٗ قَتِیْلًا فَاَھْلُہٗ بَیْنَ خِیْرَتَیْنِ اِنْ اَحَبُّوْا قَتَلُوْا وَاِنْ اَحَبُّوْا اَخَذُوْا الْعَقْلَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالشَّافِعِیُّ، وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ بِاِسْنَادِہٖ وَصَرَّحَ بِاَنَّہٗ لَیْسَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ وَقَالَ وَاَخْرَجَاہُ مِنْ رِوَایَۃِ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ یَعْنِیْ بِمَعْنَاہُ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۶۰، باب ماجاء فی حکم ولی القتیل فی القصاص، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۴۰۶۔

حل لغات: عقل القتیل: مقتول کی دیت، عقل عن: فلاں کی طرف سے تاوان۔

ترجمہ: حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اے خزاعہ ہذیل کے اس آدمی کو قتل کیا ہے اور اللہ کی قسم اس کی دیت تو میں آدا کئے دیتا ہوں، اس کے بعد جو بھی کسی شخص کو قتل کریگا، تو مقتول کے وارثوں کو دو باتوں میں سے

ایک بات کا اختیار ہوگا، اگر وہ چاہیں تو قاتل کو قتل کریں اور اگر وہ چاہیں تو دیت لیں، (ترمذی، وشافعی)

شرح السنۃ میں بھی اسی سند کے ساتھ ہے اور انہوں نے تصریح کی ہے کہ صحیحین میں ابوشریح کی سند کے ساتھ یہ روایت نہیں ہے، ان دونوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس معنی کی روایت نقل کی ہے۔

تشریح: قبیلہ ہذیل اور خزاعہ مکہ مکرمہ کے دو قبائل تھے، زمانہ جاہلیت میں عرصہ دراز سے ان کے درمیان قتل وقتال کا سلسلہ چل رہا تھا اور فتح مکہ سے کچھ پہلے قبیلہ خزاعہ نے ہذیل کے ایک آدمی کو قتل کیا تھا، ہذیل والے اس قتل کا بدلہ نہ لے سکے تھے اور زخم تازہ تھے، مکہ فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے آپ نے حمد وثنا پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتیں فرمائیں اس قتل کے حوالے سے آپ+کو خیال ہوا کہ اگر بدلہ لینے کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو کبھی ختم نہ ہوگا اور دلوں میں نفرت بڑھتی رہے گی، لہٰذا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزاعہ کی طرف سے دیت کی ادائیگی کا اعلان کیا او رفرمایا کہ آئندہ اگر کوئی کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے ورثاء کو قصاص لینے کا حق ہوگا، البتہ وہ قصاص کی جگہ دیت بھی لے سکتے ہیں، اور معاف بھی کر سکتے ہیں۔

عن ابی شریح: یہ شین کے ضمہ کے ساتھ تصغیر ہے، **"الکعبی"** مؤلف مشکوۃ نے فرمایا کہ یہ ابوشریح خویلد بن عمرو کعبی عدوی خزاعی ہیں فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا اور مدینہ طیبہ میں ۶۸ھ میں انتقال فرمایا، یہ اپنی کنیت کے ساتھ ہی مشہور ہوئے، ایک جماعت نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔

اولیاء مقتول کو اختیار اور اختلاف ائمہ

شوافع کا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اولیاء مقتول کو بغیر قاتل کی رضا کے ان دونوں باتوں کے درمیان اختیار ملے گا، وہ چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت لیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعید بن میسب رضی اللہ عنہ، شعبی رضی اللہ عنہ، محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رضی اللہ عنہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے، اس حدیث میں قصاص اور دیت کے درمیان صراحت کے ساتھ اختیار دیا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک اولیاء مقتولین کا قصاص لینا متعین ہے، البتہ دیت لینے کا حق ان کو اس وقت حاصل ہوگا جب کہ قاتل بھی اس کے لئے تیار ہوں، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور حسن کا بھی یہی قول ہے۔

(شرح الطیبی: ۵۹/۷، مرقاۃ: ۸/۴)

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ"** یعنی قتل عمد میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے تو موجب اصلی قصاص ہے اور دیت کی طرف لوٹنا، **"فمن عفی لہ من اخیہ الخ"** میں ہے یعنی معاف کرنے میں شامل ہے، ظاہر بات ہے اگر اولیاء مقتول کی دیت لینے پر راضی ہو گئے تو قاتل تو راضی ہو ہی جائے گا، کیوں کہ جان بچنا نعمت غیر مترقبہ ہے، ائمہ کے درمیان درحقیقت اختلاف اس بات میں ہے کہ قتل عمد پر اصلا کیا واجب ہوتا ہے، تو حنفیہ کے نزدیک قتل عمد کا موجب اصلی قصاص ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصاص اور دیت دونوں ہیں۔

حدیث باب کا جواب: حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء مقتول کو اختیار ہے کہ وہ قاتل کو قتل کریں، اور اگر قاتل دیت دینے پر راضی ہے تو چاہئے تو دیت لے لیں۔

فائدہ: علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث شریف کے جملہ **"واھلہ بین خیرتین"** میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دیت کے مستحق مقتول کے تمام اہل ہوں گے اور اس میں مرد اور عورت اور زوجات بھی داخل ہوں گے اس لئے کہ یہ تمام حضرات اس کے اہل ہیں۔

اور دوسری دلیل: اس میں یہ ہے کہ جب بعض غائب ہوں یا بچے ہوں تو باقی کو قصاص لینا درست نہیں ہے حتی کہ بچے بالغ ہو جائیں اور غائب شخص آجائے اور یہی قول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ (شرح الطیبی: ۵۹/۷، مرقاۃ: ۹/۴)

عورت کے قاتل سے قصاص

{۳۳۱۰} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ یَهُوْدِیًّا رَضَّ رَاْسَ جَارِیَةٍ بَیْنَ حَجَرَیْنِ فَقِیْلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا اَفُلَانٌ اَفُلَانٌ حَتّٰی سُمِّیَ الْیَهُوْدِیُّ

فَأَوْمَاتْ بِرَأْسِهَا فَجِيئَ بِالْيَهُوْدِيِّ فَاِعْتَرَفَ فَأَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضَّ رَأْسُهٗ بِالْحِجَارَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۱۰۱۷، باب اذا اقر بالقتل مرة، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۸۸۴، مسلم شریف: ۲/ ۵۸، باب ثبوت القصاص، کتاب القسامة، حدیث نمبر: ۱۶۷۲۔

حل لغات: رض: رضا: دلنا، کوٹنا، اومأت ایماءاً: اشارہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے دو پتھروں کے درمیان رکھ کر ایک لڑکی کا سر کچل دیا، اس لڑکی سے دریافت کیا کہ کس نے تمہارے ساتھ یہ کیا، فلاں نے کیا ہے، یا فلاں نے کیا ہے؟ یہاں تک کہ اس یہودی کا نام لیا گیا، تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں، چنانچہ اس یہودی کو لایا گیا، تو اس نے اعتراف کرلیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سزا کا اس کیلئے حکم فرمایا، چنانچہ اس کا سر بھی پتھر سے کچل دیا گیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قاتل قصاصاً قتل کیا جائے گا، اگر مرد نے عورت کو قتل کیا ہے تو بھی مرد قاتل کو قتل کیا جائے گا، قصاص لینے کے لئے ضروری ہے کہ یا تو اقرار پایا جائے یا شہادت ہو، بغیر اقرار یا بغیر شہادت کے قصاص نہیں لیا جائے گا، قصاص کے لئے صرف مقتول کا بیان کافی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قاتل یہودی نے جب اپنے جرم کا اقرار کرلیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کئے جانے کا فیصلہ کیا۔

مسالک: اس حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کیا جاسکتا ہے جس طرح مرد کے قصاص میں عورت کو، اور عام اہل علم کا مسلک یہی ہے البتہ حسن بصری اور عطاء کا اس میں اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/ ۶۰، مرقاۃ: ۷/ ۹)

قتل عمد اور اس کا حکم

یہاں اس حدیث سے متعلق دو مسئلے ہیں: پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس حدیث سے جمہور فقہاء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر آلہ قتل دھار دار نہ ہو، مثلاً پتھروں کے ذریعہ کسی کو ہلاک کردیا

جائے تو اس صورت میں اگر وہ پتھر اتنے بڑے ہیں کہ ان کے مارنے سے عموماً ہلاکت ہو جاتی ہے تو اس طریقے سے ہلاک کرنا بھی موجب قصاص ہے، گویا کہ جمہور فقہاء کے نزدیک قتل موجب قصاص کی تعریف یہ ہے کہ کسی ایسے ذریعہ سے دوسرے کو ہلاک کرنا جو ذریعہ عام طور سے موت واقع کرنے کیلئے کافی سمجھا جاتا ہو، چاہے وہ تلوار ہو، چاقو ہو، خنجر ہو، یا کوئی بڑا پتھر ہو، یا بڑا ڈنڈا اور عصا ہو، جس کو دیکھ کر ہر آدمی یہ کہے گا کہ عام طور سے اسکے مارنے سے آدمی کی موت واقع ہو جائے گی، اس قتل کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا، اور اس سے قصاص لیا جائے گا، یہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ ان کے نزدیک وہ قتل قتل عمد میں شمار ہوگا جس میں قتل کرنے کا آلہ دھاردار ہو، کوئی ہتھیار ہو، مثلاً تلوار، چاقو خنجر وغیرہ، لیکن اگر کسی وزنی چیز سے کسی کو قتل کر دیا گیا، مثلاً بڑا پتھر یا بڑا عصا، تو یہ قتل عمد نہیں ہوگا بلکہ قتل شبہ العمد ہوگا، البتہ اس میں قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ دیت واجب ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مسلک ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مسلک

لیکن امام صاحب کے اس مسلک کو سمجھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا تعلق انسان کے اپنے دل کے ارادے سے ہے کہ آیا اس شخص کا واقعۃً قتل کرنے کا ارادہ تھا یا نہیں؟ اور دل کا ارادہ ایسی چیز ہے جو مخفی ہے، اس لئے ہم اس آلے کے ذریعہ استدلال کریں گے جو آلہ اس نے استعمال کیا، لہٰذا اگر اس شخص نے قتل کرنے کے لئے تلوار، چھری وغیرہ استعمال کی تو ہم یہی سمجھیں گے کہ اس نے عمداً قتل کیا، اس لئے کہ یہ آلات قتل ہی کیلئے استعمال ہوتے ہیں، تأدیب کیلئے استعمال نہیں ہوتے ہیں، چنانچہ کوئی استاذ اپنے شاگرد کی تأدیب کے لئے خنجر، چاقو اور چھری وغیرہ استعمال نہیں کرتا، نہ باپ اپنے بیٹے کی تادیب کیلئے یہ آلات استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا ان آلات کے استعمال میں قتل کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں ہے، اس لئے ہم یہ کہیں گے کہ یہ قتل عمد ہوا، بخلاف لاٹھی اور پتھر کے، کہ یہ اصلاً قتل کرنے کے لئے وضع نہیں ہوئے، بلکہ یہ آلات تادیب کے لئے استعمال

کئے جاتے ہیں، تو چونکہ ان آلات کے اندر دونوں احتمال موجود ہیں، ایک یہ کہ اس کے ذریعہ ہی قتل کرنا مقصود ہو، دوسرے یہ کہ قتل کرنا مقصود نہ ہو بلکہ صرف چوٹ لگانی مقصود ہو، اس لئے اس میں شبہ پیدا ہوگیا اس شبہ کی وجہ سے قتل عمد ثابت نہیں ہوگا اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔

یہ اس وقت ہے جب قاتل خود اس بات کا اعتراف نہ کرے کہ میرا قتل کا ارادہ تھا لیکن اگر وہ اعتراف کرلے کہ میرا ارادہ قتل ہی کرنے کا تھا اور پھر اس نے قتل میں لاٹھی یا پتھر استعمال کیا ہو تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی قتل عمد ہوگا اور موجب قصاص ہوگا۔

حنفیہ کا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ابن ماجہ کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"لا قود الا بالسیف"** (دارقطنی: ۳/۱۰۶، بیہقی: ۸/۶۳)

بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں **"لا قود الا بالحدیدۃ"** یعنی قصاص نہیں ہوتا مگر تلوار سے یا فرمایا کہ قصاص نہیں ہوتا مگر دھار دار آلے سے، اس سے استدلال کرتے ہوئے امام صاحب فرماتے ہیں کہ تلوار اور دھار دار آلے کے ذریعہ قتل موجب قصاص ہوتا ہے۔

جمہور فقہاء کا استدلال

جمہور فقہاء حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس یہودی نے بچی کو پتھر سے سر کچل کر قتل کیا اور یہ پتھر دھار دار آلہ نہیں تھا اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قتل کو عمد قرار دے کر موجب قصاص قرار دیا اور اس یہودی سے قصاص لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے پتھر سے کسی کو قتل کیا تو وہ بھی قتل عمد اور موجب قصاص ہوتا ہے اور امام صاحب نے استدلال میں جو حدیث پیش کی تھی **"لا قود الا بالسیف"** اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔ اور اپنی تائید میں ایک تو حدیث باب پیش کرتے ہیں اور دوسری قرآنی آیت پیش

کرتے ہیں "**ان النفس بالنفس**" یعنی جان کے بدلے جان، اور اس آیت میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ آلہ دھاردار ہوگا تو قصاص لیا جائے گا ورنہ قصاص نہیں لیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**الا ان قتیل قتل العمد قتیل الحجر والعصا او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم**"
(ابوداؤد شریف: باب فی الدیۃ)

یعنی قتل عمد کا مقتول وہ ہے جو پتھر یا لاٹھی سے قتل کیا گیا ہو، اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف دو وجہ سے حجت نہیں بن سکتی۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں اس یہودی نے خود اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے اور اعتراف کرنے کے بعد تعمد ثابت ہوگیا، اور امام صاحب کا یہ مسلک اس صورت میں ہے کہ جب قاتل تعمد کا اعتراف نہ کرے، لیکن اگر قاتل اعتراف کرلے تو اس کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا، لہٰذا یہ معاملہ متنازعہ امر سے خارج ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اگرچہ پتھر یا لاٹھی سے قتل کیا ہو قتل عمد نہیں ہے اور شرعاً موجب قصاص نہیں ہے، لیکن اگر امام اور حاکم یہ محسوس کریں کہ اس کا جرم بڑا سنگین ہے اور اس سے دوسرے مجرموں کی ہمت افزائی ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں فتنے کو ختم کرنے کیلئے تعزیراً قتل کا حکم دے دے، تو ان کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، اس صورت میں وہ قتل قصاصاً نہیں سمجھا جائے گا بلکہ تعزیراً اور سیاستاً سمجھا جائے گا، لہٰذا حدیث باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو جو قتل کرایا وہ تعزیراً تھا، قصاصاً نہیں تھا۔ (والتفصیل فی الشامی: ۵۲۸/۶، مغنی المحتاج: ۳/۴، الشرح الکبیر مع الدسوقی: ۲۴۲/۴، اعلاء السنن: ۸۴/۱۸)

موجودہ دور میں صاحبین کے قول پر فتویٰ مناسب ہے

اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مذہب یہی ہے کہ مثقل سے قتل کرنے میں قصاص نہیں ہوتا،

لیکن جمہور کا مذہب بھی مضبوط اور قوی ہے، اور جس طرح ہمارے دور میں قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہے، اس میں مجرموں کی حوصلہ شکنی اور مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے اگر جمہور فقہاء کا مسلک اختیار کیا جائے تو مناسب ہے۔ چنانچہ متاخرین حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو زہر پلا کر ہلاک کر دے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصل مذہب میں قصاص نہیں ہے، کیونکہ قاتل نے زہر پلایا ہے، دھاردار آلہ استعمال نہیں کیا اس لئے قتل عمد نہیں ہے، بلکہ شبہ عمد ہے، لیکن متاخر حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ دور میں جرائم کا قلع قمع کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے اور زہر پلانے والے آدمی سے بھی قصاص لیا جائے، لہٰذا جس طرح زہر کے اثر کے مسئلے میں متاخرین حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے اسی طرح اگر ہمارے دور میں مطلقاً انہی کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص جب بھی کوئی ایسا آلہ استعمال کریگا جس سے ہلاکت غالب ہو تو اس کو قتل عمد ہی سمجھا جائے گا، تو ایسا کرنا مناسب ہوگا، تاکہ صحیح معنوں میں مجرموں کی سرکوبی ہو سکے۔

قاتل کو کس طرح قتل کیا جائے؟ فقہاء کا اختلاف

اس حدیث کے تحت دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قاتل کو بھی اسی طریقے سے قتل کیا جائے گا جس طریقے سے اس نے مقتول کو قتل کیا تھا، مثلاً اگر کسی قاتل نے خنجر سے قتل کیا تھا تو قاتل کو بھی خنجر ہی سے قتل کیا جائے گا، اور اگر قاتل نے گولی ماری تھی تو قاتل کو بھی گولی ماری جائے گی، اور اگر قاتل نے پتھر سے ہلاک کیا تھا تو قاتل کو بھی پتھر سے ہلاک کیا جائے گا۔ گویا کہ ان کے نزدیک قصاص **"بمثل ذالک الفعل"** ہوگا، الا یہ کہ وہ فی نفسہ حرام ہو، تو اس صورت میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائے گا بلکہ تلوار سے لیا جائے گا، مثلاً کوئی شخص دوسرے کو لواطت کے ذریعہ یا زنا کر کے قتل کر دے تو چونکہ یہ دونوں فعل بذات خود حرام ہیں، اس لئے ان میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائے گا، اور حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس یہودی کا سر کچل کر قصاص لیا، اس لئے کہ اس نے سر کچل کر قتل کیا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصاص لیتے وقت قتل کے طریقہ میں تماثل کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، قاتل نے مقتول کو کسی بھی طریقہ سے قتل کیا ہو لیکن قاتل کو قصاصاً ہمیشہ تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا اور **"لا قود الا بالسیف"** والی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں، سابقہ مسئلے میں جب اس حدیث سے استدلال کیا تھا تو اس کے معنی یہ تھے کہ "قصاص اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک تلوار سے قتل نہ کیا گیا ہو" اور اس مسئلہ میں: اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ "قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار سے" اب یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی حدیث کے دو مختلف معانی کیسے لئے جاسکتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ عموم مشترک ہے اور خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عموم مشترک جائز نہیں ہے، یعنی ایک ہی لفظ سے بیک وقت دو معنی مراد نہیں لئے جاسکتے، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ **"لا قود الا بالسیف"** قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار کے ذریعہ۔ کا جملہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ کئی مواقع پر استعمال فرمایا، ایک موقع پر جب آپ نے استعمال فرمایا تو آپ کی مراد یہ تھی کہ **"لا یجب القصاص الا بالقتل بالسیف"** قصاص واجب نہیں ہوتا مگر قتل بالسیف کے ساتھ۔ اور دوسرے موقع پر جب آپ نے استعمال فرمایا تو اس وقت آپ کی مراد یہ تھی کہ **"لا یستوفی القصاص الا بالسیف"** قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار کے ذریعہ۔ اس طرح آپ نے علیحدہ علیحدہ مواقع پر الگ الگ معنی مراد لئے اس لئے یہ اشکال درست نہیں۔

حدیث باب کا جواب

حدیث باب کا جواب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دیتے ہیں کہ اس واقعہ میں اس یہودی کا سر کچل کر قتل کیا گیا یہ اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ قصاص بالمثل واجب تھا بلکہ تعزیراً اور سیاستاً آپ نے اسی طرح قتل کرنے کو مناسب سمجھا۔ چنانچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اصلاً قصاص تلوار سے ہی لیا جائے گا لیکن اگر حاکم کسی خاص

واقعہ میں یہ محسوس کرے کہ جس سنگدلانہ طریقے سے قاتل نے مقتول کو قتل کیا تھا وہ بھی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو بھی اسی طریقہ پر قتل کیا جائے تو حاکم اس طریقہ سے قتل کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ چونکہ زیر بحث واقعہ میں اس بچی کے ساتھ بڑی سخت زیادتی ہوئی تھی اس لئے حضور اقدس ﷺ نے لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے تعزیراً اس کا سر کچلنے کا حکم دیا۔ ورنہ اصل حکم یہ نہیں تھا اصل حکم وہی تھا جو آپ نے **"لاقود الابالسیف"** قصاص نہیں ہے مگر تلوار کے ذریعہ۔ والی حدیث میں بیان کیا۔ (والتفصیل فی الشامی: ۶/۵۳۷، الشرح الکبیر ۴/۶۵، المہذب: ۲/۱۸۲، اعلاء السنن: ۱۸/۹۴، درس ترمذی: ۴/۳۸ تا ۴۳/۵)

فائدہ: سیاست کا باب تمام فقہاء کے مذہب پر چلتا ہے لیکن فقہ حنفی میں زیادہ وسعت ہے بعض علماء نے سیاست کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھیں ہیں مثلاً عبدالبر بن شحنہ نے اس موضوع پر کتاب لکھی جس کا نام غالباً **"لسان الحکام"** ہے حافظ ابن تیمیہ نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کتاب کا نام **"السیاسة الشرعیة"** ہے اس کے لکھنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قواعد شرعیہ کے مطابق بھی نظام عالم چلانا بسہولت ممکن ہے اس کتاب میں انہوں نے من جانب الشرعیہ گفتگو کی ہے مذاہب اربعہ میں سے کسی خاص مذہب کی نصرت مقصود نہیں۔

لطیفہ

لغت کے ایک امام ابوالعلاء امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ملے اور پوچھا کہ اگر کوئی کسی کو حجر عظیم مار دے تو کیا شبہ عمد ہے؟ تو امام صاحب نے فرمایا ہاں اور ساتھ ہی فرمایا **"ولو ضرب بأباقبیس"** ابوقبیس ایک پہاڑ کا نام ہے، مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی ابوقبیس پہاڑ بھی کسی کے اٹھا کر مار دے تو میں اسکو شبہ عمد سمجھتا ہوں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کے متعلق بعض جاہلوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ قواعد عربیہ کے خلاف ہے **"ابو"** جو اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہے اس کی حالت جرّی یا کے ساتھ آتی ہے اس قاعدہ کی رو سے یوں ہونا چاہئے تھا **"ولو ضرب بأبی قبیس"** اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اسماء ستہ مکبرہ کے وجوہ اعراب نہ جاننے کی نشانی ہے، اسماء ستہ مکبرہ کے اعراب میں کئی لغتیں ہیں ایک وہی جو معروف ہے جس کی بنیاد پر اعتراض کیا گیا ہے اور ایک لغت یہ بھی ہے کہ رفع، نصب اور جر تینوں حالتوں میں ان کے

آخر میں الف مقصورہ پڑھا جائے، یہ لغت بھی لغت فصیحہ ہے، ایک شاعر نے اسی لغت کے مطابق کہا ہے۔

ان اباھا وابا اباھا

قد بلغا فی المجد غایتاھا

دوسرے وہ شخص ڈاکو تھا ہمیشہ لوگوں کو ایذاء پہنچاتا تھا اس لئے اس کو قتل کیا گیا۔

(تقریر ترمذی للتھانوی: ۴۲۰)

فائدہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قصاص بالمثل میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرے کنویں میں پھینک کر تو قاتل کو بھی کنویں میں ڈالا جائے گا، مگر جب ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ حضرت یہ بتائے کہ اگر کوئی شخص کسی چھوٹی بچی سے زنا کرے یا چھوٹے بچے سے اغلام کرے اور وہ اس کے نتیجہ میں مر جائے تو کیا اس شخص کے ساتھ بھی اغلام یا زنا کاری سے مماثلت ہوگی؟ تو انہوں نے کہا توبہ! توبہ!! وہ اس صورت میں کہتے ہیں کہ اگر وہ فعل فی نفسہ حرام ہے تو اس صورت میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائے گا بلکہ تلوار سے لیا جائے گا۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اس تخصیص کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ **"فسکت"** پس اصل سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جو بات مذکورہ حدیث قصاص میں دوٹوک نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس یہودی کو قتل کرایا تھا وہ قصاص بھی ہو سکتا ہے اور سیاست بھی۔ (تحفۃ الالمعی: ۳۲۷/۴)

دانت کا بدلہ

{۳۳۱۱} وَعَنْهُ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ وَهِيَ عَمَّةُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَمُّ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ لَا وَاللّٰهِ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَنَسُ كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْاَرْشَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۶۶۴، باب والجروح القصاص، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۶۱۱، مسلم شریف: ۲/ ۵۹، باب اثبات القصاص، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۱۶۷۵۔

حل لغات: **الثنیۃ:** آگے کے چار دانتوں میں سے ایک دانت، **الجاریۃ:** نابالغ لڑکی، **کتاب:** بمعنی علاوہ دیگر کے فیصلہ حکم، **الارش:** زخم کا تاوان، **ابر الیمین:** قسم کو پورا کرنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ربیع رضی اللہ عنہا نے جو کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں ایک انصاری لڑکی کا دانت توڑ دیا، تو وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا، تو انس بن نضر نے جو کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا تھے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم ربیع کے دانت نہیں توڑے جائیں گے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اے انس! قصاص کا حکم اللہ کی کتاب میں ہے، اس کے بعد لڑکی والے راضی ہو گئے، اور انہوں نے دیت قبول کرلی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم ضرور پوری کر دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: **وعنہ:** یعنی انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے "**کسرت الربیع**" راء کو ضمہ یاء کو فتحہ مشددہ ہے حضرت نضر کی بیٹی اور حارثہ بنت سراقہ کی ماں۔ صاحب مشکوۃ نے فرمایا کہ صحیح معنوں میں یہ آیا ہے کہ یہ ربیع بنت نضر کی ماں ہیں، "**وھی عمۃ انس بن مالک**" یعنی نضر راوی حدیث کے بیٹے۔

مضمون حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انس بن النضر کی بہن ربیع نے کسی عورت کے سامنے کے دانت توڑ دیئے، یہ انس بن النضر چچا ہیں حضرت انس بن مالک کے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے انس بن مالک بن النضر، لہٰذا ربیع جو کہ انس بن النضر کی بہن ہیں ان کی پھوپھی ہوئیں تو بہر حال جس عورت کا دانت انہوں نے توڑا تھا اس کے اولیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کے موافق قصاص کا فیصلہ فرمایا یعنی "**السن بالسن**" مطلب یہ ہوا کہ ربیع کا دانت توڑا جائیگا، اس پر ربیع کے بھائی انس بن النضر نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے

آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میری بہن کا دانت آج نہیں توڑا جائے گا، مطلب یہ تھا کہ **"ان شاء اللہ تعالیٰ"** اس کی نوبت نہیں آئیگی، آپ نے فرمایا کہ اے! انس قرآن کا فیصلہ تو قصاص ہی کا ہے، وہ اس پر خاموش رہے مگر پھر انجام کار اس عورت کے اولیاء دیت لینے پر راضی ہو گئے، گویا قصاص معاف کر دیا اور جو بات انس بن النضر نے اعتماد علی اللہ تعالیٰ کے طور پر کہی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا، راوی کہتا ہے کہ اس پر حضور ﷺ کو تعجب ہوا کیونکہ شروع میں تو عورت کے اولیاء قصاص پر مصر تھے اور آپ نے فرمایا **"ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لا بره"** کہ واقعی بعض بندے اللہ تعالیٰ کے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کوئی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں۔

حضرت امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا **"قال ابو داؤد: سمعت احمد بن حنبل قیل له کیف یقتص من السن؟ قال تبرد"** کہ میں نے اپنے استاذ محترم حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ جب ان سے سوال کیا گیا کہ **"قصاص من السن"** کی کیا صورت ہوگی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو مبرد یعنی ریتی سے گھسا جائے ریتی سے گھسنے کا طریقہ اس صورت میں اختیار کیا جائے گا جب جنایت کسر سن ہو یعنی کوئی شخص کسی کے دانت کا کچھ حصہ توڑ دے تو اب اس میں قصاص کی صورت یہ ہوگی کہ ریتی کے ذریعہ اس کا بھی اتنا ہی دانت گھس دیا جائے، لیکن اگر قلع سن کیا گیا ہو یعنی پورا دانت اکھاڑ دیا گیا ہو تو پھر وہاں اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ اس صورت میں پورا دانت ہی نکالدیا جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ **"ضمان فی السن"** کے مسئلہ میں فقہاء نے صغیر اور کبیر کا فرق کیا ہے، وہ یہ کہ بچہ کا دانت اگر دوبارہ نکل آئے جیسا کہ ظاہر ہے، دوبارہ نکلنا ایک سال کے بعد تو وہاں پر ارش واجب نہ ہوگا، بخلاف کبیر کے کہ اس کے اندر اول تو **"تاجیل سنه"** اور **"عدم تاجیل"** ہی میں اختلاف ہے دوسرے یہ کہ اگر بعد میں نکل آئے تو اس وقت امام صاحب کے نزدیک ضمان ساقط اور صاحبین کے نزدیک ارش واجب ہوتی ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۴۲۳)

فوائد حدیث

اس حدیث سے (۱)......جس چیز کے واقع ہونے کا آدمی کو گمان ہو اس کے بارے میں وہ قسم کھاسکتا ہے۔

(۲)......اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی قسم پوری فرما دیتے ہیں۔

(۳)......قسم کھانے والے کا مقصد حضور ﷺ کی مخالفت نہ تھا، بلکہ اللہ کی شان کریمی سے کرم کی امید تھی۔

(۴)......اگر فتنہ اور تکبر کا خوف نہ ہو تو آدمی کے منہ پر اس کی تعریف کی جاسکتی ہے۔

(۵)......قصاص کے برخلاف دیت لینے پر سفارش کا استحباب بھی معلوم ہوا۔

(۶)...... نیز یہ قصاص کا اختیار یا دیت کا اختیار ان کے مستحق کو ہے نہ کہ اس کو جس پر یہ واجب ہے۔ (قالہ النووی) (فیض المشکوۃ:۶/۳۴۸)

کافر کے عوض مسلمان کا قتل

{۳۳۱۲} **وَعَنْ** اَبِیْ جُحَیْفَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ هَلْ عِنْدَكُمْ شَیْءٌ لَیْسَ فِی الْقُرْآنِ فَقَالَ وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا اِلَّا مَا فِی الْقُرْآنِ اِلَّا فَهْمًا یُعْطٰی رَجُلٌ فِیْ کِتَابِهٖ وَمَا فِی الصَّحِیْفَةِ قُلْتُ وَمَا فِی الصَّحِیْفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِکَاكُ الْاَسِیْرِ وَاَنْ لَا یُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَذُکِرَ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا فِیْ کِتَابِ الْعِلْمِ۔

حوالہ: بخاری شریف:۲/۱۰۲۰، باب العاقلة، کتاب الدیات، حدیث نمبر:۶۹۰۳۔

حل لغات: فلق: پھاڑنا، **فلق الله الحب عن النبات:** اللہ نے دانے کو پھاڑ کر پودا نکالا، **بری:** پیدا کرنا، **النسمة:** ہر جاندار مخلوق، جان، انسان، عقل، دیگر بہت سے معنوں کے علاوہ، **دیت:**

خون کا تاوان، **فک الاسیر**: قیدی کو رہا کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو کہ قرآن میں نہ ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اس ذات کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور جان کو پیدا کیا، ہمارے پاس نہیں ہے، مگر وہی جو قرآن مجید میں ہے، سوائے اس فہم کے جو آدمی کو اپنی کتاب میں عطا کیا جاتا ہے اور جو اس صحیفہ میں ہے، میں نے عرض کیا کہ صحیفہ میں کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ دیت، قیدی کو چھڑانا، اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے، (بخاری) اور کوئی نفس ظلماً قتل نہ کیا جائے یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب العلم میں ذکر کی جا چکی ہے۔

تشریح: **وعن ابن جحیفة**: جیم کو ضمہ حاء کو فتحہ یاء ساکن اور اس کے بعد فاء ہے، انکا نام وہب بن عبداللہ عامری ہے۔ یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سب سے چھوٹے ہیں، ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس وقت وفات ہوئی ہے یہ بالغ نہیں تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں سن شعور کو پہنچ چکے تھے ان سے ان کے بیٹے عوز نے اور تابعین کی ایک جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے۔ "**ممالیس فی القرآن**" یہ سوال اس لئے کیا کہ شیعہ مذہب والوں کا یہ گمان تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعض وحی کے اسرار خاص طور پر بتائے گئے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بے شمار خرافات انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ منسوب کئے تھے، اور جنکی تفصیلات ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمارے پاس قرآن کریم کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے سوا اس فہم کے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی کتاب کے سمجھنے کے لئے عطا فرمائی جاتی ہے۔

مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یعنی ایسی فہم جو اللہ کے کلام کے مصداق کو سمجھ سکے اور اس کے ان رموز کو حاصل کرلے جو ظاہر نہیں ہیں، اور اس کے لفظ کے ظاہر سے معلوم نہیں ہوتے، اس میں قیاس واستنباط کی تمام شکلیں داخل ہیں جن تک عقل وفہم کے ذریعہ ہی رسائی ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنه افهام الرجال**" تمام علوم قرآن پاک میں ہیں

لیکن لوگوں کی افہام اس سے قاصر ہوگئیں۔

ومافی الصحیفة: اس کا عطف **"فهما"** پر ہے یعنی ہمارے پاس قرآن کے علوم کے فہم اور وہ جو اس صحیفہ میں ہے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ الصحیفہ کے معنی لکھا ہوا کاغذ یا کاغذ پر لکھا ہوا مضمون، اور اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ نے دیت وغیرہ کے کچھ مسائل اور احکام ایک کاغذ پر لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے۔

علامہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس اسلئے کیا تھا کہ شیعہ یہ گمان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت اور خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علوم وحی کے لئے خاص رکھا جس کا ذکر آپ نے ان کے علاوہ اور کسی سے نہیں کیا اور یا اس لئے کہ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم و تحقیق کے ان کمالات کو دیکھا جو ان کے زمانہ میں ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں تھے۔ اس لئے ان کو تعجب ہوا اور یہ سوال کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز میرے پاس قرآن کریم کے علاوہ نہیں ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ وارشاد کے لئے کسی قوم کو خاص اس طور پر نہیں کیا کہ دوسرے کو اس سے محروم رکھا ہو اور فرق جو واقع ہوا ہے وہ افہام کے تفاوت کی وجہ سے اور استعداد واستنباط کی وجہ سے ہے، چنانچہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم وادراک عطا فرمائی گئی اور اس کو آیات قرآن میں تامل اور اس کے معانی میں تدبر کی توفیق ہوئی تو اس پر علوم کے دروازے کھل گئے اور صحیفہ کا استثناء اس لئے کر دیا کہ ہوسکتا ہے اس میں جو مسائل واحکام انہوں نے لکھ رکھے ہیں وہ دوسرے کسی کے پاس نہ ہوں تو اس طور پر ان مسائل کے علم میں منفرد ہوں گے، واللہ اعلم۔

قلت ما فی الصحیفة: تو میں نے کہا کہ صحیفہ میں کیا ہے، **"قال العقل"** انہوں نے فرمایا کہ عقل یعنی دیت خون بہا، اور اس کے احکام۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں لکھے ہیں کہ آدمی کی دیت میں کیا ہے اور دیگر اعضاء میں دیت کا کیا حکم ہے **"وفکاک الاسیر"** عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا **"فکاک"** میں فاء کو فتح اور کسرہ دونوں جائز ہیں اور مطلب یہ کہ اس میں قیدی کی رہائی کے احکام اور اسکی ترغیب ہے اس لئے کہ بھلائی کہ یہ وہ انواع ہیں کہ جن کے ساتھ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

وان لا یقتل مسلم بکافر: چونکہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب ذمی کے قتل پر قصاصا مسلمان کے قتل کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک اس جملہ کا ترجمہ ومطلب یہ ہے یعنی کافر حربی کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کہ کوئی مسلمان کسی غیر ذمی کافر کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

مذاہب ائمہ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا برابر ہے کہ وہ کافر حربی ہو یا ذمی اور یہی قول حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا ہے نیز اسی کے مطابق قول ہے عطاء عکرمہ حسن عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور یہی مسلک ہے ثوری، ابن شبرمہ، اوزاعی، مالک، شافعی، احمد اور اسحاق & کا اور دوسرے حضرات نے کہا کہ مقتول اگر ذمی ہے تو اس کے قاتل مسلمان کو اس کے قصاص میں قتل کیا جائے گا، اور یہ حدیث ذمی کے علاوہ کے ساتھ مخصوص ہے، یہی قول نخعی، شعبی اور اصحاب ابوحنیفہ & کا ہے، ان کی دلیل یہ ہے، **"روی عن عبد الرحمن السلمانی ان رجلا من المسلمین قتل رجلا من اهل الذمة فرفع ذالک الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال انا احق من اوفی بذمته ثم امر به فقتل"** مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اہل ذمہ میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر اس کا مقدمہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیجایا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں اس کا ذمہ پورا کرنے کا زیادہ مستحق ہوں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم فرمایا چنانچہ اس کو قتل کیا گیا۔ (انوار المصابیح: ۴۲۲/۶)

وذکر حدیث ابن مسعود لا تقتل نفس ظلما فی کتاب العلم: صاحب مشکوۃ اس عبارت سے یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ یہ حدیث شریف کتاب العلم میں آچکی ہے اس لئے تکرار سے بچتے ہوئے صرف اس حدیث شریف کا یہاں حوالہ نقل کر دیا، لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ اگر حدیث ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ وہاں کے بجائے یہاں ذکر کرتے تو زیادہ اوفق للباب تھا۔ (مرقاۃ: ۴/۸)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ: نے فرمایا کہ اس حدیث شریف میں اس بات کی طرف بھی رہنمائی

ہے کہ عالم کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنی فہم کے ذریعہ قرآن کریم سے استخراج کرے اور غور وفکر کرے اور مسائل کا استنباط کرے جو مفسرین حضرات سے منقول نہ ہوں لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اصول شرعیہ کے موافق ہوں۔(شرح الطیبی: ۷/۶۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرا استثناء صحیفہ کا فرمایا کہ میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے ارشادات ہیں جو میں نے لکھ لئے تھے، انہوں نے پھر سوال کیا اچھا اس صحیفے میں کیا ہے؟ یہ سوال اس لئے کیا کہ تاکہ غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کا یہ منشاء اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ اس صحیفے میں تو خاص وصیت لکھی ہوئی تھی کہ تم میرے بعد خلیفہ بنو گے، اس لئے آپ سے دریافت کیا کہ اس صحیفے میں کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس صحیفے میں دیت کے احکام ہیں، اور قیدی کو چھڑانے کے احکام ہیں یعنی کن حالات میں قیدی کو چھوڑا جائے اور کن حالات میں نہ چھوڑا جائے اور یہ کہ کوئی مؤمن کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔(درس ترمذی: ۵/۵۳)

تنبیه: اس حدیث شریف کی مزید وضاحت کے لئے شروع باب میں بعنوان ''معاہد کو قتل کرنے کی ممانعت'' کے تحت دیکھا جاسکتا ہے۔

الفصل الثانی

قتل مؤمن پر وعید شدید

{۳۳۱۳} عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْیَا اَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَوَقَّفَہٗ بَعْضُھُمْ وَھُوَ الْاَصَحُّ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ

الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۵۹، باب ما جاء فی تشدید قتل المؤمن، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۳۹۵، نسائی شریف: ۲/ ۱۴۵، باب تعظیم الدم، کتاب تحریم الدم، حدیث نمبر: ۳۹۹۸۔

حل لغات: لزوال الدنیا: دنیا کا ختم ہو جانا، زال، ناپید ہونا، زائل ہونا، ختم ہونا، **اھون:** زیادہ بے وقعت، **ھان:** حقیر و ذلیل ہونا، بے وقعت ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ دنیا کا مٹ جانا اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے ہلکی بات ہے، (ترمذی، نسائی)

بعض نے اس روایت کو موقوف قرار دیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، ابن ماجہ نے اس کو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: مؤمن کی جان اور اس کی عزت و آبرو کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر و اہمیت ہے، لہٰذا جو شخص کسی مؤمن کو ناحق قتل کرتا ہے یا اس کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہوتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بہت مبغوض ہوتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ آخرت میں سخت سزا سے دو چار فرمائیں گے اس حدیث میں بھی مؤمن کی جان کی قدر و قیمت کی اہمیت بتائی گئی ہے چوں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تخلیق ایمان والوں کے لئے ہی کی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ایک مؤمن نہ رہے گا، تو قیامت آجائے گی اور اسی سے ساری کائنات کا ختم ہو جانا اللہ کے نزدیک اتنا زیادہ اہم نہیں ہے، جتنا اہم ایک مؤمن کا قتل ہونا ہے۔ اس لئے کہ ایک مؤمن بندہ کا قلب محل ایمان ہے مؤمن بندہ کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت بھری ہوئی ہے اور مؤمن کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے دل تجلی گاہِ جلیل اکبر است، اسلئے ایک مؤمن بندہ کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے یہاں جو کائنات کا خالق و مالک ہے اس تمام کائنات سے کہیں زیادہ ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۶۵۳/ ۴، شرح الطیبی: ۶۵/ ۷، مرقاۃ المفاتیح: ۱۲/ ۴)

قتل مؤمن میں زمین وآسمان والوں کی شرکت

{۳۳۱۴} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِشْتَرَكُوْا فِیْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَاَكَبَّهُمُ اللهُ فِی النَّارِ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۵۹، ابواب الدیات: باب الحکم فی الدماء، حدیث نمبر: ۱۳۹۸۔

حل لغات: **اشترک:** شریک ہونا، **اکب فلانا:** پچھاڑنا، زمین پر پٹخ دینا۔

ترجمه: حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر آسمان وزمین والے کسی مؤمن کے قتل میں شریک ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں اوندھے منھ پھینک دیں گے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اگر سارے آسمان والے اور سارے زمین والے کسی ایک مؤمن کے خون کرنے میں شریک ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منھ جہنم میں ڈالے گا، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے قتل میں ایک سے زیادہ افراد شریک ہوں اور ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوجائے اللہ تعالیٰ ان سب کو اس قتل کی وجہ سے جہنم کا عذاب دے گا، معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص کے قتل میں کئی افراد شریک ہوں تو سب سے قصاص لیا جائے گا۔ (درس ترمذی: ۵/۴۴)

لوان: یعنی اگر ایسا ہوجائے یا ایسا کیا جائے "**اهل السماء والارض اشترکوا فی دم مؤمن**"۔ یعنی یہ سب کسی مؤمن کے خون بہانے میں ناحق شرک ہوجائیں۔ "**لا کبهم الله فی النار**" علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "**ای صرعهم فیها**" علامہ تورپشتی نے فرمایا جملہ صحیح یہ ہے: "**کبهم الله فی النار**" اور حدیث پاک میں جو نقل کیا گیا وہ کسی راوی کا سہو ہے اگرچہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے

اتفاق نہیں کیا، اصل میں فعل "اکب" اور "کب" کے سلسلہ پر طویل گفتگو ہے جس کا تعلق قواعد صرف سے ہے اور مختلف اقوال ہیں اصحاب ذوق اس کو مرقات میں دیکھیں **"وقال هذا حديث غريب"** جس حدیث کی سند میں کسی جگہ صرف ایک راوی ہو اس کو حدیث غریب کہتے ہیں۔

(شرح الطیبی: ۶۶/ ۷، مرقاۃ المفاتیح: ۱۲/ ۴، تحفۃ الاحوذی: ۶۵۴/ ۴)

دربار خداوندی میں مقتول کی فریاد

{۳۳۱۵} **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِئُ الْمَقْتُوْلُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاصِيَتُهُ وَرَأْسُهُ بِيَدِهِ وَأَوْدَاجُهُ تَشْخُبُ دَمًا يَقُوْلُ يَارَبِّ قَتَلَنِيْ حَتّٰى يُدْنِيَهُ مِنَ الْعَرْشِ. (رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه)

حواله: ترمذی شریف: ۱۳۲/۲، باب ومن سورة النساء، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۳۰۲۹، نسائی شریف: ۱۴۵/۲، باب تعظیم الدم، کتاب تحریم الدم، حدیث نمبر: ۴۰۰۵، ابن ماجه: ۱۸۸، باب هل لقاتل مؤمن توبة، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۶۲۱۔

حل لغات: دوج: کی جمع، **ادواج:** رگیں، **شخب:** بہنا، **شخب الدم من الجرح:** خون کا زخم سے بہنا، **ادنی الشیئ:** قریب کرنا، **دنی الشیئ:** قریب ہونا۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قیامت کے دن مقتول قاتل کو لے کر آئے گا قاتل کی پیشانی اور اس کا سر مقتول کے ہاتھ میں ہوگا، جب کہ مقتول کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا، اور وہ کہے گا کہ اے میرے رب اسی نے مجھ کو قتل کیا تھا، یہاں تک کہ اس کو عرش کے پاس لے جایا جائے گا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: یجئی المقتول بالقاتل: باء تعدیہ کے لئے ہے یعنی اس کو لائیگا اور اس کو حاضر کرے گا، **"ناصیته"** یعنی اس کی پیشانی کے اوپر سامنے کے حصہ کے سر کے بال **"وراسه"** اور سر کے

بقیہ بال **"بیدہ"** قاتل کے ہاتھ میں ہوں گے، یہ فاعل سے حال ہے جبکہ مفعول سے بھی حال ہونے کا احتمال ہے۔ **"واوداجہ"** نہایہ میں یہ ہے کہ اوداج گردن و گلے کی وہ رگیں ہیں جن کو ذبح کرنے والا کاٹتا ہے۔ **"تشخب"** یہ خاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، **"ای تسیل، دما"** یہ ہے تو تمیز لیکن محول ہے فاعل سے یعنی فاعل کے قائم مقام بھی ہے، **"تشخب"** لازم ہے تو مفہوم یہ ہوگا کہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا۔ **"یقول یارب قتلنی"** اور موقعہ کی مناسبت کو پیش نظر رکھ کر علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: **"ای مکررہ"** یعنی اس جملہ کو بار بار کہے گا اور فریاد کرے گا، **"حتی یدنیہ من العرش"** یعنی اس طرح فریاد کرتا ہوا اور اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اس کو عرش کے قریب کردے گا، اس جملہ میں کنایہ ہے اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے اور اس سے انصاف حاصل کرنے میں مبالغہ کی طرف۔ (مرقاۃ: ۱۲/۴)

تین باتوں کی بنیاد پر قتل مؤمن کا جواز

{۳۳۱۶} **وَعَنْ** اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَشْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلاَّ بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ زِنًی بَعْدَ اِحْصَانٍ اَوْ كُفْرٌ بَعْدَ الْاِسْلَامِ اَوْ قَتْلُ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِهٖ فَوَاللّٰهِ مَا زَنَيْتُ فِیْ جَاهِلِيَّةٍ وَلاَ اِسْلَامٍ وَلاَ ارْتَدَدْتُ مِنْذُ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلاَ قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ فَبِمَ تَقْتُلُوْنَنِیْ۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ وللدارمی) لفظ الحدیث۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۳۸، باب ما جاء لایحل دم امری مسلم الا باحدی ثلاث، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۲۱۵۸، نسائی شریف، ۲/۱۴۷، ۱۴۸، باب ذکر مایحل بہ دم المسلم، کتاب تحریم الدم، حدیث نمبر: ۴۰۱۹، ابن ماجہ: ۱۸۲، باب لا یحل دم امرئ الا فی ثلاث، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۵۳۳، دارمی: ۲/۲۲۵، باب

مایحل بہ دم المسلم، کتاب الحدود، حدیث نمبر:۲۲۹۷۔

حل لغات: نشدہ: قسم دینا، **احصن الرجل:** شادی شدہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گھیراؤ کے دن میں اوپر سے جھانک کر فرمایا: کہ میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم لوگ جانتے نہیں ہو کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے مگر تین باتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے (۱) شادی کے بعد زنا کرنے سے، (۲) اسلام کے بعد کفر اختیار کرنے سے، (۳) ناحق کسی مسلمان کو قتل کرنے سے، تو اللہ کی قسم نہ میں نے زمانہ جاہلیت میں زنا کیا اور نہ زمانہ اسلام میں، اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے میں اسلام سے پھرا بھی نہیں ہوں، اور نہ میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے، جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو، پھر تم لوگ مجھے قتل کرنے کے درپے کیوں ہو؟ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) حدیث کے الفاظ دارمی کے ہیں۔

تشریح: صرف تین باتوں کی بنیاد پر مسلمان کا قتل جائز ہے، اس کے علاوہ قتل مؤمن حرام ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے ناحق قتل کیا، اس لئے کہ ان کے قتل کے پس پردہ ان تین محرکات میں سے کوئی بھی نہیں تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ناحق کے بعد مسلمانوں میں آپسی قتل وقتال کا جو سلسلہ چلا تو آج تک جاری ہے، اور اس کو ختم ہونا بھی نہیں ہے، اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دعائیں مانگی تھیں، جن میں دو قبول ہوئیں تھیں اور ایک قبول نہیں ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا تھا کہ امت عام قحط سے ہلاک نہ ہو، امت کا اغیار مکمل طور پر استیصال نہ کرسکیں، امت میں باہمی خوں ریزی نہ ہو، پہلی دو دعائیں مقبول ہوئیں مگر تیسری بات قبول نہیں ہوئی۔

ابوامامۃ بن سہل ابن حنیف: مصغر ہے، صاحب مشکوۃ نے فرمایا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ انصاری اوسی بدر واحد ودیگر تمام غزوات میں شریک بعزم مجاہدین رہے یہ ان چند جاں نثار صحابیوں میں ہیں جو غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مصاحبت اختیار کی ۳۸ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور پھر فارس کا گورنر بنایا ان سے انکے بیٹے نے معہ دیگر حضرات

کے حدیث کی روایت کی ہے۔

أن عثمان بن عفان اشرف: کسی اونچی جگہ پر چڑھ کر لوگوں کو خطاب کیا۔

یوم الدار: یہ ایسے ہی ہے جیسے غزوہ بدر کو "**یوم البدر**" اور غزوہ احد کو "**یوم الاحد**" اور فتح مکہ کو "**یوم الفتح**" کہتے ہیں۔ اسی طرح یوم الدار ہے جس سے مراد وہ دن ہے جب بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کو گھیر لیا تھا اور ان کو قتل کرنا چاہتے تھے اور بدبختوں نے قتل کر بھی دیا۔

والدارمی لفظ الحدیث: یعنی اس حدیث کے الفاظ دارمی کے ہیں اور دوسرے حضرات نے اسی معنی کی روایت کی ہے اور الفاظ میں فرق ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۳/ ۴)

قاتل کی محرومی

{۳۳۱۷} **وَعَنْ** اَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/ ۵۸۷، باب فی تعظیم قتل المؤمن، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۴۲۷۰۔

حل لغات: معنقاً: اسم فاعل تیز چال چلنے والا، **اعنق الدابۃ:** چوپائے کا تیز چلانا، **بلح:** تھکنا، چکنا چور ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن برابر اس وقت تک نیکیوں کی طرف پیش قدمی کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ حرام خون کا مرتکب نہ ہو اور جب وہ خون حرام کا مرتکب ہو جاتا ہے، تو وہ تھک جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں قتل ناحق کے ارتکاب کی نحوست کا ذکر ہے کہ جب تک بندہ مؤمن اس شنیع فعل کا مرتکب نہیں ہوتا صلاح اور خیر کے امور میں ترقی کرتا رہتا ہے، لیکن جوں ہی اس عمل قبیح کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ تھک جاتا ہے اور ہر خیر سے محروم ہو جاتا ہے، نیز اس کی ترقیات رک جاتی ہیں، لہٰذا

نیک بخت وہ شخص ہے جو اس عمل کی انجام دہی سے بچا رہے۔(مستفاد الدر المنضود: ۶/۲۵۷)

معنقا: میم کو ضمہ اور نون کسرہ ہے نہایہ میں ہے، **"ای مسرعا فی طاعتہ و منبسطا فی عملہ"** یعنی اپنی طاعت میں جلدی کرنے والا اور اپنے عمل میں خوش ہونے والا، خوش دلی سے کرنے والا **"صالحا، ای قائما بحقوق اللہ و حقوق اللہ تعالیٰ"** یعنی اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کرنے والا **"مالم یصب"** یاء کو ضمہ صاد کو کسرہ ہے **"ای لم یباشر، دما حراما"** جب تک کسی کا خون ناحق نہ کرے، **"فاذا اصاب دما حراما بلح"** اور جب کسی کا خون ناحق کر دیا تو اب وہ عاجز ہو گیا تھک کر بیٹھ گیا اسکا قلب سیاہ ہو گیا عمل خیر کی توفیق اس سے چھین گئی، اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ برباد ہو گیا۔

قاضی نے فرمایا: **"المعنق، المسرع فی المشی"** یعنی **"معنق"** کے معنی چلنے میں جلدی کرنے والے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بندہ کو ہمیشہ بھلائی کی توفیق ہوتی رہتی ہے اور وہ ان کی طرف سبقت کرتا رہتا ہے جب تک وہ خون حرام تک نہیں پہنچتا، یعنی ناحق قتل نہیں کرتا اور جب یہ اس نے کرلیا تو وہ اس گناہ کی وجہ اور اس کی نحوست سے اعمال صالحہ میں اشتغال سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس سے بھلائیوں کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **"معنقا، منبسطا فی سیرہ یوم القیامۃ"** یعنی **معنقا** کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن خوش خوش چل پھر رہا ہوگا لیکن جیسا کہ ظاہر ہے، علامہ توریشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں یہ معنی ٹھیک نہیں سمجھتا ہوں۔ بجا فرمایا۔

(شرح الطیبی: ۷/۶۸، مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۳)

قتل ناحق پر عدم مغفرت

{۳۳۱۸} **وَعَنْہُ** عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُلُّ ذَنْبٍ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّغْفِرَہٗ اِلَّا مَنْ مَّاتَ مُشْرِکًا اَوْ مَنْ یَّقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا۔ (رواہ ابوداؤد ورواہ النسائی) عَنْ مُعَاوِیَۃَ

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۵۸۶، ۵۸۷، باب فی تعظیم قتل المؤمن، کتاب

الفتن، حدیث نمبر: ۴۲۷۰، نسائی شریف: ۱۴۴/۲، باب کتاب تحریم الدم، حدیث نمبر: ۳۹۷۴۔

حل لغات: عسی: یہ افعال مقاربہ میں سے ہے، **رجای:** امید کے معنی میں ہے، **تعمد:** قصد کرنا، دیدہ و دانستہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہر گناہ کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے، لیکن جو شخص مشرک ہونے کی حالت میں مرجائے یا جس نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی مغفرت کی امید نہیں (ابو داؤد) اور نسائی نے اس روایت کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: او من قتل مؤمنا متعمداً" یعنی با قاعدہ اس کے قتل کا ارادہ کرے اور قتل کرے، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ اسی نے اس کے مؤمن ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا۔ علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کسی مسلمان کا متعمداً قتل کرنے والا کبھی نہ بخشا جائیگا، جبکہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے گناہ کی سزا پا کر جنت میں داخل ہوگا یعنی اس کے لئے خلود فی النار نہیں ہے۔

فائدہ: اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے تو یہ یقینی طور پر بہت بڑا اور اکبر الکبائر ہے لیکن اس کی وجہ سے دائمی خلود فی النار کا فیصلہ کرنا "**ان اللہ لا یغفر ان یشرک**" کے خلاف ہے لہٰذا اس بارے میں جس توجیہ کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے وہ دیگر توجیہات سے بے نیاز کر دیتی ہے فرمایا جو شخص مؤمن کو اس لئے قتل کرے آیا مؤمن ہے اور مؤمن ہونے کی وجہ سے اسکو مار ڈالے اور اس کے علاوہ اور کوئی دوسری وجہ نہ ہو تو خلود فی النار اس شخص کے بارے میں ہے اور ایسا کرنا یہ صرف کافر ہی سے ممکن ہے کوئی مؤمن کسی مؤمن کو اس طرح کرے عقل سے باہر کی بات ہے۔

(بذل المجہود: ۳۱۱/۱۲)

اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ صاحب شرح الموفق بھی اس توجیہ کی طرف گئے ہیں۔ (بذل المجہود: ۳۱۱/۱۲)

بیٹے کا قصاص والد سے

{۳۳۱۹} **وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِی الْمَسَاجِدِ وَلَا یُقَادُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ** (رواہ الترمذی والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۵۹/۱، باب ما جاء فی الرجل یقتل ابنہ یقاد منہ ام، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۴۰۱، دارمی شریف: ۲۵۰/۲، باب القود بین الوالد والولد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۳۵۷۔

حل لغات: الحدود: یہ جمع ہے، **الحد:** کی معنی مجرم کے لئے شرعاواجب ہونے والی مخصوص سزا، **القود:** بدلہ خون مقتول کے بدلے قاتل کاقتل۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حدیں مسجدوں میں قائم نہ کی جائیں، اور نہ بیٹے کا قصاص والد سے لیا جائے۔ (ترمذی، دارمی)

تشریح: ایک دوسری روایت ہے جس میں راوی حدیث اپنا چشم دیدہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ **"عن سراقۃ بن مالک رضی اللہ قال: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقید الاب من ابنہ ولا یقید الابن من ابیہ"** (ترمذی شریف: ۲۵۹/۱)

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس حال میں کہ آپ باپ کو اس کے بیٹے سے قصاص دلواتے تھے، لیکن بیٹے کو اس کے باپ سے قصاص نہیں دلواتے تھے۔ یعنی اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کو قتل کردے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، لیکن اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے تو باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (درس ترمذی: ۴۴/۵)

لا تقام الحدود فی المساجد: مشکوۃ کے ایک نسخہ میں **"فی المسجد"** بھی ہے یعنی بجائے جمع کے واحد ہے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مسجد میں حدود اس لئے نہ جاری کی جائیں کہ مساجد

فرض نمازوں اور ان کی توابع یعنی سنن ونوافل اور ذکر اللہ اور علوم دینیہ کے پڑھنے پڑھانے کے لئے بنائی جاتی ہیں ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری اور قصاص وغیرہ کی جو شرعی سزائیں مقرر ہیں ان کو مسجدوں میں جاری نہ کیا جائے اس لئے کہ یہ بناء مسجد کی غایت کے خلاف ہے، نیز اس سے مساجد کی بے حرمتی محتمل ہے ان حدود کے جاری کرتے وقت مسجد میں نجاست کے ہوجانے کے قوی احتمال سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص جس پر قصاص ہے وہ حرم میں پناہ لے لے اور وہاں سے نہ نکلے تو حکم یہ ہے کہ حق کو حاصل کرنے میں تعجیل کے پیش نظر اس کو وہاں ہی قتل کرنا جائز ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حرم میں قصاص نہ لیا جائے گا بلکہ اس پر ایسی ایسی تنگیاں کی جائیں گی کہ وہ حرم سے نکلنے پر مجبور ہوجائے اور جب حرم سے نکل آئے تو اس کو قتل کردیا جائے۔ اس پر علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اختلاف حرم اقدس میں قصاص کے بارے میں خاص نہیں ہے بلکہ یہی حکم اور اختلاف حرم کی تمام زمین کا ہے۔ **"ولا یقاد بالولد الوالد"** اور والد سے قصاص اس کے اپنے لڑکے کے قتل کا نہیں لیا جائیگا بلکہ اگر کسی باپ نے اپنے لڑکے کو قتل کردیا ہے تو اس سے دیت لی جائے گی۔

باپ بیٹے پر حد درجہ شفقت کرتا ہے اور اس کی شفقت ومحبت دائمی ہوتی ہے، عارضی نہیں ہوتی ہے، لہٰذا باپ اپنے بیٹے کو ناحق عمداً قتل نہیں کرسکتا، اگر باپ نے بیٹے کو قتل کیا ہے تو اس کے جواز کی کوئی وجہ ہوگی یا پھر یہ قتل خطا ہوگی جو کہ بظاہر قتل عمد لگ رہا ہوگا، لہٰذا باپ کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا یہ اجتماعی مسئلہ ہے لیکن اس سے یہ قطعاً نہ سمجھا جائے کہ قاتل باپ کو کھلی چھوٹ مل جائے گی، بلکہ حاکم وقت جو مناسب سزا چاہے گا دے گا، اس کے برخلاف اگر بیٹے نے باپ کو قتل کیا ہے تو بیٹا قصاصاً قتل کیا جائے گا، اس وجہ سے کہ بیٹے کی محبت میں بھی کمی ہوتی ہے پھر بیٹا باپ کو قتل کرکے کفران نعمت کا مرتکب ہوا ہے، کیوں کہ جو شخص اس کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنا ہے، اسی کو قتل کردیا، لہٰذا بیٹا قصاصاً قتل ہوگا۔

نیز والد اولاد کے لئے وجود میں آنے کا سبب ہوتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کے عدم کا سبب بنے۔ (شرح الطیبی: ۱۷/۷)

مذاہب ائمہ

اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر لڑکے نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کر دیا تو اس کو اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا لیکن اگر باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا تو اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ باپ کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس نے باقاعدہ قتل کی نیت سے اسکو ذبح کیا ہے تو اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، اور اگر یوں ہی تلوار وغیرہ سے مار مار کر قتل کیا تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔

والدہ کا حکم مثل حکم والد کے ہے اور دادا، دادی، نانا اور نانی مثل والدین کے ہیں۔

علامہ شرف الدین کی وضاحت: انہوں نے فرمایا کہ یہ جملہ **"لا یقتص بقتل ولدہ"** کے یہ معنی بھی جائز ہیں کہ والد کو لڑکے کے عوض کہ جس پر قصاص واجب تھا قتل نہ کیا جائے گا مثلاً لڑکے نے کسی کو ظلماً قتل کر دیا تو اب قصاص میں اس لڑکے کو قتل کیا جائے گا، اس پر ہی قصاص واجب ہے اس کے بجائے باپ کو قتل نہ کیا جائے گا، اور یہ اس لئے کہا گیا کہ دور جاہلیت میں ایسا تھا کہ باپ پر واجب قصاص میں لڑکے کو اور لڑکے پر واجب قصاص میں باپ کو قتل کرنے کا رواج تھا تو شریعت اسلامیہ نے اس کو منع کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۴/۴)

علامہ شرف الدین حسینی طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ توجیہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ **"اقول الوجہ الاول اوجہ"** کہ پہلی توجیہ اس توجیہ کے بمقابلہ زیادہ مناسب ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/۱۷)

باپ کے جرم پر بیٹے سے مواخذہ نہیں

{۳۳۲۰} وَعَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَبِیْ فَقَالَ مَنْ هٰذَا الَّذِیْ مَعَكَ قَالَ اِبْنِیْ اِشْهَدْ بِهٖ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ لَا یَجْنِیْ عَلَیْكَ وَلَا تَجْنِیْ عَلَیْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ

وَزَادَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ فِیْ اَوَّلِهٖ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰی اَبِیَ الَّذِیْ بِظَهْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْنِیْ اُعَالِجُ الَّذِیْ بِظَهْرِكَ فَاِنِّیْ طَبِيْبٌ فَقَالَ اَنْتَ رَفِيْقٌ وَاللهُ الطَّبِيْبُ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۲۱۷، باب لا یواخذ احد الخ، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۴۹۵، نسائی شریف: ۲۱۷، باب هل یؤ خذ احد لخ، کتاب القسامة، حدیث نمبر: ۴۸۳۲۔

حل لغات: جنی جنایت: جرم کرنا، گناہ کرنا، **عالج المریض: علاج** کرنا، **طب المریض:** علاج کرنا، دوادارو کرنا، **الرفیق:** مہربان، **شفیق:** دوست، ساتھی، ہمراہی، رفیق کے ساتھ مہربانی کرنا، رحم کرنا، نرمی کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ میرے والد نے عرض کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گواہ ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ خبردار وہ تجھ پر جنایت نہیں کریگا، اور نہ تم اس پر جنایت کروگے۔ (ابو داؤد نسائی)

شرح السنۃ میں اس روایت کے شروع میں یہ اضافہ ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میرے والد نے وہ چیز دیکھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر تھی، (مہر نبوت) چنانچہ میرے والد نے عرض کیا کہ مجھے اس بات کی اجازت عطا کیجئے کہ میں اس چیز کا علاج کروں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر ہے، اس وجہ سے کہ میں بلاشبہ طبیب ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم رفیق ہو طبیب تو اللہ تعالیٰ ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں دو بہت اہم باتیں مذکور ہیں۔

(۱) سزا مجرم کو دی جائے گی، مجرم کے جرم کی سزا اہل خانہ کو دینا اسلام میں جائز نہیں ہے، بیٹے کے کسی جرم پر باپ کو سزا دینا یا باپ کے جرم پر بیٹے کو سزا دینا غیر اسلامی طریقہ ہے، اس کی اسلام نے قطعا اجازت نہیں دی ہے۔

(۲) مریض کو شفا دینے والی ذات اللہ کی ہے، ڈاکٹر اور طبیب تو صرف مریض کا معاون ہوتا ہے، شفا دینا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

اشہد: ہمزہ وصلی اور ہاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ گواہ رہئے کہ یہ میری صلب سے یعنی میرا حقیقی بیٹا ہے، اور ان صاحب کا اس جملہ سے مقصود یہ تھا کہ چونکہ یہ میرا بیٹا ہے اور اس پر میں آپکو گواہ بناتا ہوں، لہٰذا اگر مجھ سے کوئی جنایت سرزد ہو جس سے ضمان واجب ہو تو اس کے لئے یہ میرا بیٹا حاضر ہے، اور دور جاہلیت میں یہی تھی کہ باپ بیٹے میں سے جس کسی سے کوئی جنایت مثلاً قتل وغیرہ سرزد ہو تو اس کا قصاص باپ بیٹے میں سے کسی سے بھی لیا جا سکتا تھا۔ **"قال"** یعنی حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کے اس گمان کو رد کرتے ہوئے فرمایا **"اما"** یہ بلا تشدید تنبیہ کے لئے ہے، **"انه"** ضمیر یا تو شان کی ہے اور یا ابن کے لئے **"لا یجنی علیک"** یعنی اس سے تمہاری جنایت وگناہ کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا، **"ولا تجنی علیه"** یعنی تم سے اس کے گناہ کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو احتمالات بتائے ہیں، ان میں جو راجح بلکہ مناسب ہے وہ یہ ہے کہ لڑکا کوئی گناہ ایسا نہیں کرے گا جسکا قصاص یا ضمان تم پر ہو۔ **"فرأی ابی الذی بظهر رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم"** یعنی میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر گوشت کا ایک ابھرا ہوا حصہ دیکھا جو درحقیقت مہر نبوت تھی جو آپ کی مبارک پیدائش کے ساتھ ہی موجود تھی لیکن انہوں نے گوشت کا ایک ایسا حصہ سمجھا جو گوشت کی ایک گرہ ہوتی ہے کسی بیماری کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ **"فقال دعنی"** مجھ کو چھوڑ دیئے، مراد مجھ کو اجازت دیجئے، **"اعالج"** یہ رفع کے ساتھ ہے اور بعض نے کہا یہ جزم کے ساتھ ہے جس کو التقاء ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیا گیا یعنی "میں علاج کروں گا" **"بالذی بظهرک"** جو آپ کی پیٹھ پر ہے، **"فانی طبیب"** اس لئے کہ میں حکیم جی ہوں **"فقال انت رفیق"** رفیق کے معنی نرمی کرنے اور مہربانی کرنے کے ہیں یعنی تم لوگوں کے ساتھ علاج میں لطافت برت کر نرمی ومہربانی کرنے والے ہو، **"واللہ طبیب"** اور معالج درحقیقت اللہ ہے جو مرض اور دواء کی حقیقت کا جاننے والا ہے اور وہی شفاء دینے اور مرض کو ختم کر دینے پر قادر ہے اور بعض نے یہ معنی بتائے۔ **"انما الشافی المزیل لا الدوای"** یعنی امراض کو ختم کرنے والا اور شفاء دینے والا حقیقۃ اللہ ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی اور اس کو سمجھا کہ یہ بدگوشت ہے، فضلات کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خیال وکلام کو رد فرمایا کہ یہ مرض نہیں ہے اور ان چیزوں میں سے نہیں ہے جن کا علاج کیا جاتا ہے بلکہ تمہارا کلام ہی محتاج علاج ہے تم نے اپنے آپ کو طبیب کہا جبکہ درحقیقت طبیب اللہ عزوجل ہی ہے۔

(انوارالمصابیح: ۴۳۱/۶، مرقاۃ: ۱۵/۴، شرح الطیبی: ۷۲/۷)

بیٹے سے باپ کا قصاص

{۳۳۲۱} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَيِّدُ الْاَبَ مِنْ اِبْنِهٖ وَلاَ يُقَيِّدُ الاَبْنُ مِنْ اَبِيْهِ۔ (رواه الترمذی) وَضَعَّفَهٗ

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۵۹/۱، باب ماجاء فی الرجل یقتل ابنہ، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۳۹۹۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ حضرت سراقہ بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باپ کا بیٹے سے قصاص لیتے تھے، لیکن بیٹے کا باپ سے قصاص نہیں لیتے تھے۔ (ترمذی) ترمذی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: گذر چکی ہے۔

مولیٰ سے غلام کا قصاص

{۳۳۲۲} **وَعَنْ** الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَہٗ قَتَلْنَاہُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَہٗ جَدَعْنَاہُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤ وابن ماجۃ والدارمی) وَزَادَ النَّسَائِیُّ فِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی وَمَنْ خَصٰی عَبْدَہٗ خَصَیْنَاہُ

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۶۱، باب ماجاء فی الرجل یقتل عبدہ کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۴۱۴، ابو داؤد شریف: ۲/ ۶۲۰، باب من قتل عبدہ کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۱۵، ابن ماجہ: باب ھل یقتل الحر بالعبد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۶۶۱، دارمی: ۲/ ۲۵۰، باب القود بین العبد وبین سیدہ، کتاب الدیت، حدیث نمبر: ۲۳۵۸، نسائی شریف: ۲/ ۲۰۸، باب القود من السید للمولی، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۷۳۶۔

حل لغات: جدعناہ: جدعہ: ناک کاٹنا یا بدن کا کوئی عضو کاٹنا۔

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کریں گے، اور جو کوئی اپنے غلام کے کسی عضو کو کاٹے گا تو ہم اس کے عضو کو کاٹیں گے۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، نسائی، دارمی)

تشریح: جدع کے معنی ہیں ناک یا کان کاٹ دینا، اور زیادہ تر اس کا استعمال قطع الانف میں ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کریں گے، اور جو اپنے غلام کی ناک کان کاٹے گا ہم اس کی ناک کان کاٹیں گے۔

غلام اور اس کے مولیٰ کے درمیان قصاص کہ غلام کا مولیٰ سے قصاص لیا جائے جیسا کہ اس حدیث میں ہے ایسا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں نہیں ہے، البتہ بعض علماء اس کے قائل ہیں جیسے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ "**قال الثوری اذا قتل عبدہ او عبد غیرہ قتل بہ**" (کذا فی البذل عن الخطابی: ۶۱۱/ ۱۲)

دراصل خطابی میں اس کے بعد یہ ہے: "**وقد اختلف عنہ فی ذلک وحکی انہ قال مثل ابی حنیفہ واصحابہ بہ کذا فی البذل عن الخطابی**" حنفیہ کے نزدیک تو یہ حکم یعنی ترک قصاص کا اپنے غلام کے بارے میں ہے لیکن اگر غلام دوسرے کا ہے تو حر اور عبد غیر کے درمیان حنفیہ قصاص کے

قائل ہیں۔ **"یعنی قصاص فی النفس"** اور **"قصاص فیمادون النفس بین الحر والعبد"** کے حنفیہ بھی قائل نہیں **"ففی الھدایۃ: ۴/۵۵۳ ولاقصاص بین الرجل والمراۃ فیما دون النفس ولا بین الحر والعبد ولا بین العبدین ای فیما دون النفس"** اور ائمہ ثلاثہ اور بعض دوسرے علماء مطلقا قصاص بین الحر والعبد کے قائل نہیں خواہ اپنا غلام ہو خواہ دوسرے کا لیکن یہاں حدیث میں خود مولیٰ اور اسکے عبد کے درمیان قصاص کا ثبوت ہے، جو ائمہ اربعہ کیخلاف ہے۔

جمہور ائمہ اربعہ کی طرف سے حدیث الباب کی توجیہ

اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہ حدیث زجر وتوبیخ پر محمول ہے تاکہ لوگوں کو اس پر اقدام کی ہمت نہ ہو جیسا کہ شارب خمر کے بارے میں آتا ہے کہ اس کو پانچویں مرتبہ میں قتل کر دیا جائے۔

(شرح الطیبی: ۷/۲۷)

علامہ سندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو تاویل وتوجیہ شراح کیا کرتے ہیں کہ اس لفظ سے مقصود زجر وتوبیخ ہے اس کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ اس لفظ کے سوائے زجر کے اور کوئی معنی مراد نہیں اس لئے کہ پھر تو وہ لفظ مہمل ہو جائیگا، اور نہ یہ مطلب ہے کہ یہ لفظ مستعمل تو معنی حقیقی ہی میں ہے لیکن مقصود زجر ہے کیونکہ اس کا تو گویا مطلب یہ ہوا کہ مصلحۃً کذب جائز ہے بلکہ اس توجیہ کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ یہ لفظ مقام کے مناسب معنی مجازی میں مستعمل ہے، مثلاً مطلق سزا اور سخت لفظ استعمال کیا گیا زجر وتوبیخ کے لئے۔. بہت بہترین تشریح ہے **فللہ درہ**، ایک مرتبہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے سنایا تھا کہ میں نے اپنے والد صاحب کے سامنے کسی حدیث کے بارے میں یہ کہا کہ یہ تو تغلیظ پر محمول ہے تو شیخ فرماتے تھے کہ میری اس بات پر والد صاحب کو بہت ہی غصہ اور ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ تغلیظ کی توجیہ اخبار میں نہیں چلتی اس کا عبد تھا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں **"والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا، الآیہ"** اس آیت میں بیوہ عورت پر یعنی اسکے شوہر کے انتقال کے بعد زوج کا اطلاق کیا گیا ہے یعنی **"ماکان"** کے اعتبار سے۔

ایک جواب نسخ کا دیا گیا ہے کہ یہ حدیث سمرہ منسوخ ہے۔

اس حدیث میں قتل کے بعد دوسرا جزء جدع ہے اول یعنی قتل یہ تو ہوا قصاص فی النفس اور ثانی یعنی جدع یہ ہوا قصاص فیما دون النفس اس جز ثانی میں علماء کا اتفاق ہے کہ قصاص فیما دون النفس بین العبد والحر مطلقا نہیں ہے، خواہ اپنا عبد ہو یا عبد غیر، اگر بعض علماء کا اختلاف ہے بھی تو صرف جز اول یعنی قصاص فی النفس میں ہے بعض سے مراد سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کما تقدم آنفاً، اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ جب یہ حدیث جزء ثانی کے اعتبار سے منسوخ ہے تو جزء اول کے اعتبار سے بھی منسوخ ہے، امام ترمذی حدیث الباب کے بعد فرماتے ہیں **"ھٰذا حدیث حسن غریب و قد ذھب بعض اھل العلم من التابعین منھم ابراھیم النخعی الی ھٰذا و قال بعض اھل العلم منھم الحسن البصری و عطاء بن ابی رباح لیس بین الحر والعبد قصاص فی النفس ولا فی مادون النفس، وھو قول احمد واسحاق وقال بعضھم اذا قتل عبدہ لا یقتل بہ واذا قتل عبد غیرہ قتل بہ وھو قول سفیان الثوری"**

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر عمل ابراہیم نخعی کا ذکر کیا ہے اور ثوری کا مذہب حنفیہ کے موافق لکھا ہے۔

بخلاف خطابی کے کہ انہوں نے اس پر عمل ثوری کا لکھا ہے اور نخعی کا مذہب حنفیہ کے موافق لکھا ہے لیکن خطابی سے گذر گیا کہ سفیان ثوری کے اس میں دو قول ہیں پس ہوسکتا ہے کہ نخعی سے بھی دونوں روایتیں ہوں، مثل سفیان ثوری کے واللہ تعالیٰ اعلم۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال جو مطلقا قصاص بین الحر والعبد کے قائل نہیں ہیں اس آیت کریمہ سے ہے۔ **"کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحر بالحر والعبد بالعبد"** اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر (قصاص کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے گا۔ (سورۃ البقرہ) اور حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ **"تخصیص الشیٔ بالذکر لا ینفی الحکم عما عداہ"**۔

اور ایک روایت میں یہ ہے: **"زاد ثم ان الحسن نسی ھٰذا الحدیث فکان یقول لا یقتل حر بعبد"** قتادہ جو حسن بصری کے شاگرد ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے استاذ اس حدیث کو بیان کر کے

بھول گئے چنانچہ وہ کہتے تھے **"لا یقتل حر بعبد"** خطابی کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث مأول ہو اور زجر و توبیخ پر محمول ہو، جیسا کہ جمہور کہتے ہیں یا کوئی اور تاویل وہ اس کی کرتے ہوں۔ (الدر المنضود: ۶/۳۸۹)

قاتل کو اولیاء کے حوالہ کرنا

{۳۳۲۳} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا رُفِعَ اِلٰى اَوْلِيَاءِ الْمَقْتُوْلِ فَاِنْ شَاءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَاءُوْا اَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلاَثُوْنَ حِقَّةً وَثَلاَثُوْنَ جِذْعَةً وَاَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً وَمَا صَالَحُوْا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ۔ (رواه الترمذی)

حواله: **ترمذی شریف: ۱/۲۵۸، باب ماجاء فی الدیة کم هی من الا بل، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۳۸۷۔**

حل لغات: **حقة:** وہ اونٹ جو چوتھے سال میں داخل ہو جائے۔ **جذعه:** وہ اونٹ جو پانچویں سال میں داخل ہو جائے۔ **خلفة:** گابھن اونٹنی۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس شخص نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کیا تو قاتل کو مقتول کے ورثائ کے سپرد کر دیا جائے، اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں، اور دیت میں تیس وہ اونٹ ہوں گے جو چوتھے سال میں لگ گئے ہوں، تیس وہ اونٹ ہوں گے، جو پانچویں سال میں لگ گئے ہوں، اور چالیس گابھن اونٹنیاں ہوں گی، اور جس پر وہ صلح کر لیں وہ ان کیلئے ہوگا۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث کی بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء مقتول کو اختیار ہے چاہیں قصاص لیں اور چاہیں دیت لیں، حنفیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء مقتول کا اصل حق قصاص ہے، البتہ دیت

پر مصالحت ہوسکتی ہے البتہ ایک طرفہ طور پر اولیاء مقتول دیت لازم نہیں کرسکتے بلکہ اگر قاتل کے ساتھ یہ مصالحت ہوجائے کہ ہم تم سے قصاص نہیں لیں گے تم بھی دیت دیدو اور قاتل منظور کرلے تو دیت ادا کرنی ہوگی لہٰذ حدیث باب میں جو یہ فرمایا گیا ہے **"ان شائو ا اخذو ا الدیة"** اس کا مطلب یہ ہے کہ **"ان شاؤا اخذو ا الدیة برضا القاتل و بمصالحة من القا تل"** اس لئے اگر قاتل دیت کو اور مصالحت کو منظور نہ کرے تو اس صورت میں اولیاء کو صرف قصاص ہی کا حق باقی رہے گا۔ (درس ترمذی: ۵/۳۴)

مذاہب ائمہ

اس حدیث میں دیت کی جو مقدار بتائی گئی ہے اسی کے مطابق مؤطا امام مالک میں ایک روایت ہے: **"عن عمرو بن شعیب ان رجلا حذف ابنه بالسیف فقتله فا خذ منه الدیة ثلثین حقة و ثلاثین جذعة و اربعین خلفة"** اسی کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ دیت میں ایک سو اونٹ واجب ہیں اور ایک سو اونٹوں کی انواع اس طرح ہیں جو علقمہ اور اسود کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: **"قال عبد الله فی شبه العمد خمس وعشرون حقة و خمس وعشرون جذعة و خمس وعشرون بنات لبون و خمس وعشرون مخاض"** یہ حدیث اگر چہ موقوف ہے لیکن رتبہ میں مرفوع کے ہے اسلئے کہ مقادیر میں رائے کا دخل نہیں ہوتا ہے اور جب کوئی صحابی کسی مقدار کو بیان کرتا ہے تو یہ مان لیا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ مقدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سنی ہے۔ اسی کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک دوسری روایت میں امام احمد نے بھی فتوی دیا ہے۔

بنت مخاض: وہ اونٹ جو ایک سال پورا کرکے دوسرے سال میں لگ جائے۔

بنت لبون: جو اونٹنی دو سال پورا کر کے تیسرے سال میں لگ جائے۔ بقیہ انواع کی تعریف لکھی جا چکی ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۴۳۴، مرقاۃ: ۴/۱۶)

جواب: حدیث باب کے حوالے سے صحابہ کرام میں اختلاف ہے، جس کی بناء پر تعداد متعین نہیں ہے، جب کہ سائب بن یزید کی روایت میں تعیین ہے، لہٰذا عمل کرنے کے لئے یہی بہتر ہے۔
(تفصیل کے لئے دیکھیں التعلیق الصبیح: ۱۳۲/۴)

دیت میں تمام مسلمان برابر ہیں

{۳۳۲۴} **وَعَنْ** عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُ هُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ اَقْصَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ اِلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ. (رواه ابوداؤد والنسائی) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۶۲۳/۲، باب ایقاد المسلم بالکافر، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۳۰، نسائی شریف: ۲۰۹/۲، باب سقوط القود من المسلم للکافر، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۷۴۵۔

حل لغات: تتكافأ الشيئان: دو چیزوں کا برابر ہونا، ہم رتبہ و ہم پلہ ہونا، **قصى عنه:** دور ہونا، **الاقصى:** دور دراز، **فلان بالمكان الاقصى:** فلاں دور دراز مقام پر ہے۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تمام مسلمان اپنے خون کے اعتبار سے برابر ہیں ان میں کا ادنی بھی ان کے امان کی کوشش کریگا، اور لوٹاتا ہے ان پر ان میں کا سب سے دور دراز کا آدمی اور وہ دوسرے کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں، خبردار کافر کے بدلہ میں مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا، اور نہ کوئی عہد والا قتل کیا جائے گا، اپنے عہد کے دوران۔ (ابوداؤد، نسائی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں چند اہم ہدایات مذکور ہیں۔

(۱)......قصاص اور دیت کے سلسلہ میں تمام مسلمان برابر ہیں، امیر غریب، چھوٹے بڑے، مرد عورت، اور ذات پات کی بنیاد پر کوئی فرق اور کوئی امتیاز اسلام میں قطعا روانہیں ہے، کتنا بڑا آدمی ہی کیوں نہ ہوا گر وہ قتل کرے گا تو اسکو قصاص میں قتل کیا جائے گا، اور کتنا چھوٹا آدمی کیوں نہ ہو اس کی دیت سو اونٹ ہی رہے گی۔

(۲)......غریب کمزور حتی کہ غلام مسلمان بھی کافر کو اپنی امان میں لے سکتا ہے اور اگر کسی مسلمان نے کسی کافر کو امان میں لے لیا تو تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کی دی ہوئی امان کی رعایت کریں اور جس کو امان دی ہے اس سے تعرض نہ کریں امان دینے والے کے کم مرتبہ کو مدنظر رکھ کر تعرض کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۳)......دور دراز جگہ کے رہنے والے مسلمان نے اگر امان دی ہے تو اس کی بھی لاج رکھتے ہوئے مسلمانوں کے لئے اس سے تعرض درست نہیں ہے، جس کو اس نے امان دی ہے۔

(۴)......تمام مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق برقرار رکھنا چاہئے۔

(۵)......اگر کسی مسلمان نے کسی کافر حربی کو قتل کر دیا ہے تو مسلمان کو اس کے قصاص میں قتل نہ کرنا چاہئے۔

(۶)......جس کافر کو اسلامی حکومت میں شہریت حاصل ہو اور وہ امن و امان کے ساتھ رہتا ہو تو اس کی جان و مال وغیرہ کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہے لہٰذا کوئی مسلمان اس کو ناحق ہرگز قتل نہ کرے۔ (فیض المشکوۃ:۶/۳۵۸)

وعن علی رضی اللہ عنہ: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث من جملہ ان میں سے ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس صحیفہ میں تھیں جس کو انہوں نے اپنی تلوار کے میان میں رکھ رکھا تھا۔ **"فان المسلمین تتکافا"** یہ مؤنث کا صیغہ ہے اور رفاء کے بعد ہمزہ ہے جس کے معنی برابر کے ہیں، **"دمائھم"** تمام مسلمانوں کے خون قصاص اور دیت کے معاملہ میں برابر ہیں، چنانچہ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح السنہ میں ہے کہ اس جملہ سے یہ ارادہ کیا کہ قصاص کے بارے میں مسلمانوں کے خون متساوی ہیں لہٰذا کسی گھٹیا آدمی کے بدلہ میں کوئی بھی شریف آدمی قصاص میں قتل کیا جائیگا اور بڑے کو چھوٹے کے بدلہ میں اور عالم کو

جاہل کے بدلہ میں اور عورت کو مرد کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا خواہ مقتول عالم ہو یا جاہل اور قاتل گھٹیا درجہ کا یا جاہل ہو اور قاتل کے علاوہ اس کے بدلہ میں کسی اور کو قتل نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ دور جاہلیت میں ہوتا تھا کہ کسی شریف کے قصاصاً قتل پر یہ راضی نہ ہوتے تھے جبکہ مقتول کم رتبہ کا آدمی ہو یہاں تک کہ قاتل کے قبیلہ سے قاتل شریف کے بجائے کئی کئی آدمی قتل کر دئے جاتے تھے۔

ویسعی بذمتہم: ذمہ کے معنی امان کے ہیں اسی لئے معاہد کو ذمی کہا گیا کہ جزیہ کی وجہ سے اس کا مال وخون محفوظ اور مامون ہو جاتا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں کا کوئی ادنی آدمی بھی امان دیدے تو باقی مسلمانوں کو اس عہد کو توڑنے اور تسلیم نہ کرنے کا حق نہیں ہے، چنانچہ شرح السنہ میں ہے کہ اگر کسی ایک مسلمان نے کسی کافر کو امان دیدی تو تمام مسلمانوں پر اس کا خون حرام ہو جائے گا، خواہ یہ امان دینے والا کوئی کم درجہ کا آدمی ہو، مثلاً کسی غلام نے یا کسی عورت نے امان دیدی، **"ویرد علیھم اقصاھم"** شرح السنہ میں ہے کہ اس جملہ میں دو معنوں کے احتمالات ہیں:

ایک یہ کہ اگر کسی مسلمان نے خواہ وہ بلاد کفر سے بہت دور دراز کا ہو کسی کافر سے امان کے بارے میں کوئی معاہدہ کر لیا تو اب کسی بھی مسلمان کو خواہ وہ جس کافر سے معاہدہ ہوا ہے اس کے قریب کا ہی کیوں نہ ہو اس عہد کا توڑنا ناجائز ہے اور دوسرے محتمل معنی یہ ہیں کہ کوئی اسلامی فوج کسی دار الحرب میں داخل ہوئی اس کے بعد اس فوج میں سے مجاہدین کا دستہ کہیں سرکشوں کی سرکوبی کیلئے بھیجا گیا تو یہ سریہ یعنی مجاہدین کا ایک مختصر دستہ وہاں سے جو مال غنیمت لیکر واپس ہوگا تو اس میں جس مقدار کا ان کے لئے تعین ہوا تھا وہ اس کو لے گا اور بقیہ مال غنیمت بقیہ فوج کی طرف لوٹا دی جائے گی، یعنی لشکر اسلام کے تمام مجاہدین پر وہ تقسیم ہوگی۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل کے ساتھ پہلے معنی کو ترجیح دی ہے۔ **"وھم"** یعنی تمام مسلمان **"ید"** یعنی مثل ایک ہاتھ کے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے اور اس کے درد دکھ میں شریک رہتا ہے۔ **"علی من سواھم"** امت مسلمہ کے علاوہ جو بھی اغیار ہیں ان سب کے مقابلہ میں مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ **"الا"** یہ غیر مشدد تنبیہ کے لئے ہے، **"لایقتل مسلم بکافر"** یعنی کسی حربی کافر کے بدلہ میں کوئی مسلمان قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، اور اسکی دلیل

یعنی کافر کے ساتھ حربی ہونے کی قید کی دلیل **"ذو عهد فی عهد"** اگلے جملہ کا عطف ہونا ہے۔ **"و ذو عهد"** یعنی جس سے معاہدہ ہو چکا ہے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، **"فی عهده"** یعنی عہد کی جو مدت متعین ہے اس مدت کے اندر اور جب تک وہ اپنے عہد پر قائم ہے تب تک اس کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ قاضی نے کہا ہے یعنی کافر کو اس کے کفر کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا جب تک وہ عہد کو توڑتا نہیں ہے۔

(انوار المصابیح: ۶/۴۳۷، مرقاۃ: ۴/۱۶)

مجروح کے اولیاء کا حق

{۳۳۲۵} **وَعَنْ** اَبِیْ شُرَیْحٍ الْخُزَاعِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اُصِیْبَ بِدَمٍ اَوْ خَبْلٍ وَالْخَبْلُ الْجُرْحُ فَهُوَ بِالْخِیَارِ بَیْنَ اِحْدٰی ثَلَاثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوْا عَلٰی یَدَیْهِ بَیْنَ اَنْ یَقْتَصَّ اَوْ یَعْفُوَ اَوْ یَاْخُذَ الْعَقْلَ فَاِنْ اَخَذَ مِنْ ذٰلِكَ شَیْئًا ثُمَّ عَدَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ النَّارُ خَالِدًا فِیْهَا مُخَلَّدًا اَبَدًا۔ (رواه الدارمی)

حواله: دارمی: ۲/۲۴۸، باب الدیة فی قتل العمد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۳۵۱۔

حل لغات: اصیب بکذا: مبتلا ہونا، **الخبل:** دیگر معنی میں سے ایک معنی زخم، **والعقل:** چند دیگر معنوں میں سے ایک معنی دیت، **عدا علیه:** زیادتی کرنا۔

ترجمه: حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو تکلیف پہنچی خون کی وجہ سے یا زخم کی وجہ سے، "خبل" سے مراد زخم ہے، تو اس کو تین میں سے ایک بات کا اختیار ہے، اگر وہ چوتھی بات کا ارادہ کرے تو اس کا ہاتھ پکڑ لو، (۱) قصاص لے لے، (۲) یا معاف کر دے، (۳) یا دیت لے لے، اگر اس نے ان میں سے کوئی چیز لے لی، پھر اس کے بعد اس نے زیادتی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ (دارمی)

تشریح: مقتول یا مجروح کے ورثاء کے لئے حدیث میں مذکور تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق ہے ان کی طرف سے ان تین کے علاوہ چوتھی صورت قابل قبول نہیں ہوگی، اور تین میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے بعد اگر مزید کا طلب گار ہوگا، تو یہ اس کی طرف سے ظلم ہوگا، جس پر اس کو آخرت میں سخت سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔ تینوں چیزیں ترجمہ سے ظاہر ہیں مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔

قتل خطا کا حکم

{۳۳۲۶} **وَعَنْ** طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ فِيْ عِمِّيَّةٍ فِيْ رَمْيٍ يَكُوْنُ بَيْنَهُمْ بِالْحِجَارَةِ اَوْ جَلْدٍ بِالسِّيَاطِ اَوْ ضَرْبٍ بِعَصًا فَهُوَ خَطَاءٌ وَعَقْلُهٗ عَقْلُ الْخَطَاءِ وَمَنْ قَتَلَ عَمَدًا فَهُوَ قَوَدٌ وَمَنْ حَالَ دُوْنَهٗ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَغَضَبُهٗ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۲۲۴، باب من قتل فی عمیا بین قوم، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۳۹، نسائی شریف: ۲/۲۱۳، باب من قتل بحجر او سوط، کتاب القسامة، حدیث نمبر: ۴۷۸۹۔

حل لغات: سیاط: جمع، سوط: بمعنی، کوڑا، العقل: دیت، العقود قصاص دون: اس کے لغت میں دس معنی لکھے ہیں ان میں سے ایک سامنے کے ہیں۔

ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص آپسی پتھراؤ، یا کوڑے بازی یا لاٹھیوں کی اندھادھند مار میں مارا جائے، تو یہ قتل خطا ہے، اس کی دیت قتل خطاء کی دیت ہے، اور جو شخص عمداً قتل کیا گیا، تو اس کا قصاص ہے اور جو شخص حد کے درمیان حائل ہو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غصہ ہے، نہ اس کا نفل قبول ہوگا اور نہ فرض۔ (ابو داؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث میں تین اہم باتیں مذکور ہیں۔

(۱)......دو گروہوں میں لاٹھی، ڈنڈوں وغیرہ سے لڑائی ہوئی اور اس میں جانبین سے پتھراؤ بھی ہوا پھر اس بلوے میں کوئی شخص قتل ہوگیا تو چوں کہ یقین سے یہ بات معلوم نہیں کہ اس کا قتل کس چیز سے ہوا ہے، بھاری چیز سے ہوا ہے یا ہلکی چیز سے ہوا ہے، لہٰذا اس کو قتل خطا قرار دیا جائے گا اور قتل خطاء پر جو دیت واجب ہوتی ہے وہی واجب ہوگی۔

(۲)......جس قتل کے بارے میں یقین سے معلوم ہو کہ یہ قتل عمد ہے یعنی اس پر قتل عمد کی تعریف صادق آرہی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

(۳)......قاضی کی جانب سے قصاص کا فیصلہ ہونے کے بعد اگر کوئی شخص حد کے نفاذ میں رکاوٹ ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوں گے، اور اس کی کوئی بھی طاعت قبول نہیں فرمائیں گے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۳۶۰)

طاؤس: یہ طاؤس ابن کیسان خولانی ہمدانی یمانی فارسی ہیں ان سے حدیث کی روایت زہری وغیرہ ایک جماعت کثیر نے کی ہے، حضرت عمر بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے طاؤس جیسا علم وعمل کا پیکر نہیں دیکھا مکہ مکرمہ میں ان کا انتقال سنہ ۱۰۵ھ میں ہوا مؤلف نے ان کا شمار تابعین میں کیا ہے۔

لعنت کا حکم شرعی

لعنت: لعن یا لعنت کے معنی خیر سے دوری اور محرومی کے ہیں۔ **"الابعاد والطرد عن الخیر۔"** (لسان العرب: ۱۳/۳۸۷)

اسی سے لعین کا لفظ ماخوذ ہے جو ملعون یعنی محروم کے معنی میں ہے، اسی سے لعن وطعن کرنے والے کو لعان کہتے ہیں، لعن کی فقہی اصطلاح بھی اسی لفظ لعنت سے ماخوذ ہے، کیونکہ اس میں شوہر اور بیوی اپنے آپ پر مشروط لعنت بھیجتے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں لعنت رحمت خداوندی سے محرومی کا نام ہے، اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کے

لئے اس محرومی سے بڑھ کر کوئی محرومی نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے مقابلہ کون مددگار ہوسکتا ہے؟
"ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیراً۔ (نسائی:۵۲)

قرآن وحدیث میں جن افعال پر لعنت بھیجی گئی ہے، ان کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہے۔ اہل علم حضرات نے ان تمام چیزوں کو جن پر احادیث مبارکہ میں لعنت کی گئی ہے مستقل کتاب اور رسالے میں جمع بھی فرمایا ہے۔ فقیہ الامت جناب حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا بھی ایک رسالہ "اسباب لعنت کی چہل حدیث" کے نام سے مشہور ہے۔

لعنت کے احکام: آپ ﷺ نے لعنت سے منع فرمایا ہے ایک روایت میں ہے کہ جس نے کسی مؤمن کو لعنت کی تو گویا اس نے اسے قتل کیا **"من لعن مؤمنا فھو کقتلہ"**

(مسلم شریف، حدیث نمبر:۶۴۷)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی پر اللہ کی لعنت نہ بھیجو، **"لا تلاعنوا بلعنۃ اللہ"** کسی پر اللہ کی لعنت نہ بھیجو۔ **(ترمذی شریف: باب ماجاء فی اللعنۃ)**

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بے شمار آیات وروایات میں بعض افعال کا ارتکاب کرنے والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے، جن کا مرتکب مسلمان بھی ہوسکتا ہے، اور کافر بھی اس پس منظر میں یہ سوال پیدا ہوا کہ لعنت کرنا کن لوگوں پر جائز ہے اور کن پر جائز نہیں؟ اس سلسلہ میں اہل علم کی آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱)......کسی مسلمان پر متعین طریقے پر لعنت کرنا جائز نہیں خواہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو، یہاں تک کہ وہ یزید جیسا فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہو، **"فاعل الحرام لا یستوجب اللعن، وان کان فاسقاً مشھوراً کیزید علی المعتمد"** (فتاوی شامی:۵۴/۲)

(۲)......عمومی مذموم اوصاف کی طرف نسبت کر کے لعنت کرنا جائز ہے، گو مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہوں اس وصف میں مبتلا ہوں، جیسے کہا جائے، جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، سود کھانے والوں پر اللہ کی لعنت وغیرہ اسلئے کہ اس طرح کی لعنتیں خود احادیث وآیات میں بھی موجود ہیں اور علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جائز ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ (احکام القرآن:۵۰/۱، فتح الباری:۷۷/۱۲)

(۳) کافر پر لعنت کرنے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ کفار ہیں، جن کا کفر یقینی ہے، جیسے ابوجہل، ابولہب، فرعون وغیرہ ان پر بالاتفاق لعنت کرنا جائز ہے۔

دوسرے جو کافر تھا لیکن معلوم نہیں کہ اس کی موت بھی اسی حالت میں ہوئی تھی اس پر اس قید کے ساتھ لعنت جائز ہے کہ اگر اس کی موت کفر پر ہوئی ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی متعین زندہ کافر شخص پر لعنت کی جائے، یہ درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے سرفراز فرمادے۔ (احیاء العلوم: ۱۲۳/ ۳)

انسان کے علاوہ اللہ کی دوسری مخلوقات کو جو احکام شرعیہ کی مکلف نہیں ہیں لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے، آپ ﷺ نے ایک انصاری خاتون کو اونٹنی کو پھٹکارتے اور لعنت کرتے سنا تو اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ (مسلم شریف: کتاب البر والصلۃ)

ایک صاحب نے ہوا پر لعنت بھیجی تو آپ ﷺ نے اسے منع فرمایا اور فرمایا کہ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہے جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جس پر لعنت کرنا روا نہیں تو یہ لعنت اسی کی طرف لوٹ آتی ہے، **"انه من لعن شيئا ليس له باهل رجعت اللعنة عليه" (ترمذی شریف: باب ماجاء فی اللعنة)**

اس لئے اس سے خوب احتیاط کرنا چاہئے۔ (قاموس الفقہ: ۵۸۹/ ۴)

قاتل کو قصاص میں قتل کرنا

{۳۳۲۷} وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُعْفِيَ مَنْ قَتَلَ بَعْدَ أَخْذِ الدِّيَةِ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/ ۶۱۹، باب من قتل بعدا خذ الدية، كتاب الديات، حديث نمبر: ۴۵۰۷۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میں اس شخص

کو معاف نہیں کروں گا، جو دیت لے کر بھی قتل کر دے۔ (ابوداؤد)

تشریح: مقتول کے وارثوں میں سے کسی نے قاتل سے خون بہالے لیا اور پھر اس کو قتل بھی کر دیا تو یہ حد سے تجاوز کرنا ہے، اس کے بارے میں فرمان رب ہے، **"فمن اعتدی بعد ذالک فله عذاب الیم"** اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے۔ (سورۃ البقرہ) چوں کہ یہ بہت بڑا اور نا قابل معافی جرم ہے لہٰذا قاتل ثانی کو قصاصاً ضرور قتل کیا جائے گا۔

اس **"لااعفی"** میں علامہ سندی نے دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ کہ یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، بروزن **"اُکْرِمَ"** یا مضارع معروف واحد متکلم اعفاء سے **"لااعفی"** پہلی صورت میں یہ معنی لکھے ہیں **"ای لا کثر ماله ولا استغنی"** یعنی خدا کرے اس شخص کے مال میں کثرت اور برکت نہ ہو جس نے دیت لینے کے بعد قتل کر دیا، اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ میں نہیں معاف کروں گا، اس شخص کو (بلکہ لا محالہ سزا دوں گا) جس نے دیت لینے کے بعد قصاص لیا، اور اسی طرح بعینہ بذل المجہود میں بھی ہے، اور صاحب **"نهاية"** نے اس میں صرف ایک ہی احتمال لکھا ہے اور ہمارے پاس جو نہایہ کا نسخہ ہے اس میں اس کو **"لااعفی"** ماضی معروف کے طور پر لکھا ہے، اور لکھا ہے **"هذا دعاء علیه ای لا کثر ماله ولا استغنی"**

یہ مضمون حدیث وہی ہے جو اس سے پہلے قریب میں گذر چکا۔

(الدر المنضود: ۶/۳۸۶، بذل المجہود: ۱۲/۶۴)

زخم کی معافی کا ثواب

{۳۳۲۸} وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِي جَسَدِهٖ فَتَصَدَّقَ بِهٖ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهٖ دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ خَطِيْئَةً. (رواه الترمذی ابن ماجة)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۵۸، باب ماجاء فی العفو، کتاب الدیات، حدیث نمبر:۱۲۹۳، ابن ماجہ:۱۰۳، باب العفو فی القصاص، کتاب الدیات، حدیث نمبر:۲۶۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کے جسم کے کسی حصہ کو زخمی کیا گیا اور اس نے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند فرمائیں گے، اور اس کی ایک غلطی معاف فرمائیں گے، (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ایک واقعہ پیش آنے کے بعد بیان کی تھی مفصل واقعہ ترمذی شریف کے اندر موجود ہے جسکو ہم بعینہ یہاں نقل کر رہے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک قریشی شخص نے ایک انصاری کا دانت توڑ دیا، انصاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے قصاص دلانے کی فریاد کی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص لینے سے درگذر کرنے کے لئے کہا، انصاری شخص قصاص لینے پر ہی مصر رہے اور انہوں نے دیت لینا گوارا نہ کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کرلیا کہ یہ مصالحت پر تیار نہیں ہوں گے، تو فرمایا ٹھیک ہے تم قصاص ہی لے لو، جب انصاری شخص قریشی کا دانت توڑنے چلے تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جو مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو زخمی کیا گیا پھر اس نے معاف کر دیا یعنی زخم کرنے والے سے بدلہ نہ لیا اور تقدیر الٰہی پر صابر رہا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا درجہ بلند کرتے ہیں اور اس کے گناہ کو زائل کرتے ہیں، اس حدیث کو سن کر انصاری نے کہا کہ یہ حدیث آپ رضی اللہ عنہ نے خود حضور ﷺ سے سنی ہے؟ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو میرے دونوں کانوں نے سنا ہے، اور میرے دل نے محفوظ کیا ہے، یہ سن کر انصاری بولے کہ میں اس شخص کو معاف کرتا ہوں اور نہ میں قصاص لیتا ہوں اور نہ دیت لیتا ہوں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو مایوس نہیں کروں گا، اور پھر کچھ مال دیئے جانے کا حکم فرمایا۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے معاف کرنے کے صلہ میں ان کو کچھ مال دینے کا حکم فرمایا۔

الغرض: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ معاف کرنا اور درگذر کرنا بہت بڑی نیکی ہے، زخمی کرنے والے سے قصاص لیا جا سکتا ہے لیکن معاف کرنا اولیٰ ہے، معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، نامہ اعمال میں نیکیاں بڑھاتے ہیں نیز گناہ مٹاتے ہیں اور جنت میں درجات بلند کرتے ہیں۔

الفصل الثالث

ایک آدمی کے قتل میں چند لوگوں کی شرکت

{۳۳۲۹} **عَنْ** سَعِيْدِ بْنُ الْمُسَيِّبِ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَتَلَ نَفَراً خَمْسَةً اَوْ سَبْعَةً بِرَجُلٍ وَاحِدٍ قَتَلُوْهُ قَتْلَ غَيْلَةٍ وَقَالَ عُمَرُ لَوْ تَمَالَاَ عَلَيْهِ اَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ جَمِيْعًا۔ (رواہ مالك) وَرَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ بْنِ عُمَرَ نَحْوَهٗ۔

حوالہ: مالک: ۲/۳۴۲، بخاری شریف: ۲/۱۰۱۸، باب ما جاء فی الغیلة البسحر، کتاب العقول، حدیث نمبر: ۱۳۔

حل لغات: **نفر:** آدمیوں تین سے لیکر دس تک کی تعداد لوگوں کی جماعت، **الغیلہ:** دھوکہ کا قتل، **قتلہ غیلة:** اسکو دھوکہ میں مار ڈالا۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب بیان کرے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پانچ یا سات افراد کی ایک جماعت کو قتل کیا، ایک شخص کے قتل کے عوض میں اس کو ان لوگوں نے دھوکے سے قتل کر دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس کے قتل میں سارے صنعاء والے شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ (مالک) بخاری نے اس روایت کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: ایک شخص کے قتل میں جتنے افراد بھی ملوث ہوں گے، سب کو قصاص میں قتل کیا

جائے گا قاتلین کی کثرت کی بناء پر سزا میں تخفیف نہیں ہوگی۔

اہل الصنعاء: ذکر میں صنعاء کی تخصیص اس لئے ہے کہ غالبا یہ لوگ وہیں کے رہنے والے تھے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سب کے سب اگر اس قتل پر ایک دوسرے کی مدد کرتے اور اس کے قتل پر سب متفق ہو جاتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے تو "**لقتلتھم جمیعا**" میں ان سب کو قتل کر دیتا، ذکر میں صنعاء کی تخصیص کی وجہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ عرب والوں کے نزدیک کثرت کو بیان کرنے کے لئے مثل کے طور پر بولا جاتا تھا۔ صنعاء یمن کا ایک موضع ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۹/ ۴)

قیامت کے دن مقتول کی فریاد

{۳۳۳۰} وَعَنْ جُنْدُبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَجِیْئُ الْمَقْتُوْلُ بِقَاتِلِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیَقُوْلُ سَلْ ھٰذَا فِیْمَ قَتَلَنِیْ فَیَقُوْلُ قَتَلْتُہٗ عَلٰی مُلْکِ فُلَانٍ قَالَ جُنْدُبٌ فَاتَّقِھَا۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۲/ ۱۴۵، باب تعظیم الدم، کتاب تحریم الدم، حدیث نمبر: ۳۹۹۸۔

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں صاحب نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو لائے گا اور کہے گا کہ اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھ کو کیوں قتل کیا تھا، قاتل کہے گا کہ میں نے اس کو فلاں کی بادشاہی میں قتل کیا تھا، حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے بچو۔ (نسائی)

تشریح: قیامت کے دن قاتل کو سخت ندامت کا سامنا کرنا ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقتول قاتل کو گھسیٹ کر لائے گا اور رب العالمین کے سامنے فریاد کرے گا کہ آپ اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھ کو کیوں ناحق قتل کیا تھا، قاتل کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا، وہ یہ عذر تلاش کریگا کہ میں فلاں حاکم کے حکم سے قتل کیا تھا، لیکن اس کے اس بہانہ سے اس کو نجات نہیں ملے گی، البتہ وہ حاکم بھی

پھنس جائے گا۔(فیض المشکوۃ:۳۶۳/۶)

فقتلته علی ملک فلان: ملک میم کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہوسکتا ہے دونوں احتمال ممکن ہیں کہ دونوں طرح سے مناسب مفہوم نکلتا ہے، اگر بضم المیم ہوتو مطلب یہ ہے کہ "فلاں بادشاہ کے دورِحکومت میں اس کی مدد کے لئے میں نے اس کو قتل کیا تھا" اور اگر بکسر المیم ہوتو معنی یہ ہوں گے کہ میں نے اس کو اپنے اور اس کے درمیان فلاں شخص کی ملکیت کے بارے میں جھگڑے کی وجہ سے قتل کیا تھا۔مثلاً خالد کی ملکیت کے بارے میں میرے اور اس کے درمیان اختلاف تھا اور وہی اختلاف اس کے قتل کا باعث وسبب ہے۔(شرح الطیبی:۷/۹۷)

واضح رہے کہ یہ توجیہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ ہے **"قال جندب فاتقها"** یعنی جھگڑے اور قاتلوں کی بیجا نصرت وحمایت سے بچو۔واللہ اعلم بالصواب۔(مرقاۃ المفاتیح:۱۹/۴،انوار المصابیح:۶/۴۴۰)

قاتل کی اعانت پر وعید شدید

{۳۳۳۱} **وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعَانَ عَلٰی قَتْلِ مُؤْمِنٍ شَطْرَ کَلِمَةٍ لَقِیَ اللهَ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْهِ اٰیِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ۔ (رواہ ابن ماجه)**

حوالہ: ابن ماجه شریف:۱۸۸، باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما، کتاب الدیات، حدیث نمبر:۲۶۲۰۔

حل لغات: الشطر: آدھا،نصف،کسی چیز کا جزئ،حصہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے آدھے کلمہ کے ذریعہ کسی مؤمن کے قتل پر مدد کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریگا، کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا،کہ "اللہ کی رحمت سے مایوس ہونیوالا" (ابن ماجہ)

تشریح: کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا جرم عظیم ہے،لہٰذا وہ قیامت کے دن رحمت حق سے مایوس ہوگا اسی طرح کا معاملہ اس شخص کے ساتھ ہوگا،اس کی پیشانی پر مذکورہ جملہ اس لئے کندہ ہوگا تاکہ یہ

مخلوقات کے درمیان رسوا و ذلیل ہو، اور جس طرح قتل کرنا جرم ہے اسی طرح قاتل کی مدد بھی جرم ہے۔

شطر کلمۃ، شطر: منصوب بنزع الخافض ہے، یعنی **بشطر** سے باءکو حذف کرکے اس کو منصوب کردیا ہے، مشکوۃ کے ایک نسخہ میں "**بلا نزع الخافض، بشطر**" بھی ہے اور آدھے کلمہ کے ذریعہ مدد کرنے کی شکل مثلاً یہ ہے کہ کسی سے کسی کے قتل کیلئے "**اقتل**" کے بجائے صرف "**اق**" کہے، یہ قرطبی نے کہا۔

مکتوب بین عینیہ: اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان" (غالباً پیشانی پر) لکھا ہوگا، "**آئیس**" ایاس بمعنی یاس سے اسم فاعل ہے، جس کے معنی "**قانط**" یعنی مایوس کے ہیں، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کفر سے کنایہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**انه لا ییئس من روح الله الا القوم الکافرون**" یقین جانو! اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں (سورۃ یوسف) اور مطلب یہ ہے کہ اس انداز میں مبعوث کئے جانے سے اس کو میدان حشر میں ساری مخلوق کے سامنے ذلیل کیا جائے گا، اور اس سے اس کے کافر ہونے کا حکم نہ لگا کر اس کو زجر و تہدید پر محمول کیا گیا ہے اور یا پھر وہ کافر ہو جائے گا جب کہ اس نے یہ حرکت اس کو حلال سمجھ کر کی ہو۔ (شرح الطیبی: ۸۰ / ۷، مرقاۃ: ۱۹ / ۴)

قاتل کے معاون کی سزا

{۳۳۳۲} وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتَلَهُ الْآخَرُ يُقْتَلُ الَّذِيْ قَتَلَ وَيُحْبَسُ الَّذِيْ أَمْسَكَ۔ (رواه الدارقطني)

حوالہ: دار قطنی: ۱۴۰/۳، کتاب الحدود و الدیات، حدیث نمبر: ۱۷۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایک شخص نے کسی شخص کو پکڑا اور دوسرے نے اس کو قتل کر دیا، تو قتل کرنے والے کو قتل کیا جائے گا، اور پکڑنے والے کو قید کیا جائے گا۔ (دار قطنی)

تشریح: مقتول کا جو حقیقی قاتل ہوگا اس کو تو قصاصاً قتل کیا جائے گا جب کہ مقتول کو پکڑنے

والے کو قاضی قید کرے گا، اور جب تک مناسب سمجھے گا اس کو تعزیرا قید میں رکھے گا، اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی عورت کو ایک شخص نے پکڑا اور دوسرے نے اس سے زنا کیا تو زانی پر تو حد جاری ہوگی جب کہ پکڑنے والے کو قاضی اپنی صوابدید کے مطابق سزا دے گا۔

مذاہب ائمہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کسی آدمی کو دبوچ لیا اور وہ یہ جانتا ہے کہ تیسرا شخص اس کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے اور اس نے قتل کر بھی دیا تو اس حالت میں قصاص میں دبوچنے والے اور قتل کرنیوالے دونوں کو قتل کیا جائیگا، اور اگر کسی کو دبوچا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ تیسرا شخص اس کو صرف مارنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس نے مارا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اس حالت میں مارنے والا ہی قتل کیا جائے گا۔

(شرح الطیبی: ۷/۸۰)

شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کسی آدمی نے کسی کو شیر یا کسی درندہ کے سامنے ڈال دیا اور اس نے اس کو مار ڈالا تو ڈالنے والے پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت، لیکن اس کی سخت پٹائی کی جائے گی اور قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کر لے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عمر بھر قید رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس قید خانہ میں مر جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر شیر کے سامنے پھینکنے میں غالب یہ تھا کہ وہ مار ڈالے گا تو قصاص واجب ہوگا، اور اگر اغلب گمان یہ تھا کہ وہ اس کو مار نہیں ڈالے گا تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول قصاص کا اور ایک قول قصاص نہ ہونے کا ہے، لیکن دیت واجب ہوگی اور یہی قول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں قیاس یہ ہے کہ قصاص واجب ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۹، ۲۰/۴)

تنبیہ: یہ حدیث ان حضرات کے خلاف واضح دلیل ہے جو ممسک کے قتل کے قائل ہیں اور اس سے حنابلہ نے استدلال کی کوشش کی ہے، مگر ان کا استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ اس میں نہ یہ تعیین ہے کہ حبس بطور حد کے ہے اور نہ موت تک حبس کا ذکر ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۵۲۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الدیات

دیتوں کا بیان

اس باب کے ذیل میں بھی ہم کچھ مباحث ایسے بیان کریں گے، جو آئندہ آنے والی روایات کو سمجھنے میں معاون اور مفید ہوں گے لیکن یاد رہے وہ مباحث یہاں اجمالا بیان کئے جائیں گے اور افادیت اور روایت کے ذیل میں مع اختلاف والتفصیل ہم ان کو ان کے مقامات پر بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہم اولا آنیوالے مباحث مفیدہ کو اجمالاً بیان کر رہے ہیں پھر متصلاً ان کی ہم بالترتیب تفصیل بیان کریں گے۔ **"وھی اربعة عشر التی حفظھا لازم"**

(۱) دیت کی تعریف (۲) ثبوت دیت (۳) دیت کب واجب ہوتی ہے؟ (۴) دیت واجب ہونے کی شرطیں؟ (۵) کن اشیاء سے دیت ادا کی جائے؟ (۶) عورتوں کی دیت؟ (۷) غیر مسلموں کی دیت؟ (۸) دیت میں شدت اور تخفیف (۹) دیت کی ادائیگی میں اہل تعلق یعنی عاقلہ کا تعاون (۱۰) ادائیگی کی مدت؟ (۱۱) جن اعضاء کے کاٹنے پر دیت واجب ہوتی ہے (۱۲) کسی جسمانی منفعت کا ضیاع؟ (۱۳) سر اور چہرے کے ماسواء زخم؟ (۱۴) حکومت کی تعیین کا طریقہ۔

فائدہ: اس باب کے تحت میں حضرت مصنف صاحب مشکوٰۃ شریف رحمۃ اللہ علیہ نے بائیس روایتیں درج کی ہیں جو قتل خطا اور شبہ عمد کی دیت نقصان اعضاء کی دیت، حمل کے بچہ کی دیت، ذمی کی دیت اور مقدار دیت وغیرہ مسائل پر مشتمل ہیں۔

{۱}......دیت کی تعریف

قال القسطلانی والدیة هی المال الواجب بالجنایة علی الحر فی نفس او فیما دونها، وهی ماخوذة من الودی هو دفع الدیة و قال الحافظ و هی ماجعل فی مقابلة النفس وسمی دیة تسمیة بالمصدر" یعنی دیت اصل میں **"ودی"** تھا جوکہ مصدر ہے **"ودی یدی"** کا یعنی دیت ادا کرنا'' اس میں بہنے کے معنی پائے جاتے ہیں چونکہ ایک کا مال دوسرے کی طرف بہتا ہے اس لئے اس کو دیت کہتے ہیں۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمۃ:۷۳۵)

اور دیت وہ مال ہے جو نفس کے بدلہ میں ہو، اور ایک ہوتا ہے **"ارش"** یعنی وہ مال جو ما دون النفس کا بدلہ ہو **"ففی الدر المختار، الدیة فی الشرع اسم للمال الذی هو بدل النفس، والارش اسم للواجب فیما دون النفس"** لیکن قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیت کی تعریف میں نفس اور ما دون النفس دونوں کا ذکر کر دیا ہے، لیکن انہوں نے دیت کی تعریف میں ایک قید بڑھائی ہے وہ یہ کہ جنایۃ علی الحر سے جو مال واجب ہوتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ جنایۃ علی العبد سے جو مال واجب ہوتا ہے وہ دیت نہیں ہے، اسلئے کہ حر کی دیت تو متعین ہے بخلاف عبد کے کہ اس کی دیت متعین نہیں بلکہ عبد کی جو قیمت ہوگی وہ اس کی دیت ہوگی، اور ظاہر ہے کہ غلاموں کی قیمت کم زیادہ ہوتی ہے حسب المنافع، چنانچہ فقہاء نے جنایۃ علی العبد کی فصل علیحدہ منعقد کی ہے، تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ **"دیة العبد قیمته فان بلغت هی دیة الحر و بلغت قیمة الامة دیة الحرة نقص من کل دیة عبد و أمة عشرة دراهم اظهار الانحطاط رتبة الرقیق عن الحر و تعیین الارش بالر ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه من الامة خمسة"** یعنی جس عبد پر جنایۃ کی گئی ہے اور اس کو تلف کر دیا گیا ہے تو اس کی دیت اس کی بازاری قیمت ہوگی اس غلام کی بازار میں جو بھی قیمت ہو بشرطیکہ وہ قیمت حر کی دیت مقررہ سے کم ہو اور اگر اس کے برابر ہو یعنی دس ہزار درہم تو اس میں سے دس درہم کم کر دیئے جائیں گے، مرتبہ عبد کے انحطاط کو ظاہر کرنیکے لئے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (الدر المنضود:۶/۳۷۶)

بالفاظ دیگر خلاصہ کلام یہ ہے کہ جسمانی نقصان پر جو مالی تاوان فقہاء نے واجب قرار دیئے ہیں وہ تین طرح کے ہیں: دیت، ارش، حکومت عدل۔

مکمل ہلاکت یا کسی ایسے نقصان کا تاوان "دیت" ہے، جس کو شریعت نے قتل و ہلاکت ہی کے حکم میں رکھا ہے، جزوی جسمانی نقصان پر جو تاوان عائد کیا جاتا ہے، وہ "ارش" ہے، دیت اور ارش کی بابت احکام حدیث میں مذکور ہیں جس جسمانی جزوی نقصان کے متعلق شارع نے کوئی سزا مقرر نہیں کی ہو اور حاکم کو اختیار دیا گیا ہو کہ وہ اہل رائے حضرات سے مشاورت کرکے اس کی سزا متعین کرے، یہ مالی سزا "حکومتہ عدل" کہلاتی ہے۔ (فتاوی عالمگیری: ۶/۲۴)

{۲}......ثبوت دیت

دیت کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہے **"ودیة مسلمة الی اھلہ"** (النساء: ۹۲) اور دیت (یعنی خون بہا) مقتول کے وارثوں کو پہنچائے)

حدیثیں بھی متعدد اس بارے میں موجود ہیں، آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کو ایک تفصیلی مکتوب میں فرمایا تھا، جس میں بڑے شرح وبسیط سے دیت کے احکام ذکر کئے گئے ہیں۔ **(نسائی شریف: ۴/۵۷، حدیث عمرو بن حزم فی العقول اختلاف الناقلین لہ)**

تفصیلات میں اختلاف کے باوجود اصولی طور پر بعض جنایات میں دیت واجب ہونے پر تمام ہی فقہاء متفق ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ (المغنی: ۸/۲۸)

{۳}......دیت کب واجب ہوتی ہے؟

ہلاکت کی درج ذیل صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے:

(۱) کسی شخص کو خطاء قتل کر دیا ہو، مثلاً کسی شکار پر گولی چلائی اور گولی کسی آدمی کو جا لگی۔

(۲) قتل شبہ عمد کی صورت میں پیش آیا ہو، یعنی کسی ایسے ہتھیار سے وار کیا جس سے عموماً ہلاکت واقع

نہیں ہوتی، مگر اتفاقاً ہلاکت واقع ہوگئی۔

(۳) کوئی شخص بالواسطہ کسی کی ہلاکت کا باعث بنا ہو۔

(۴) بچے یا مجنون نے کسی کو ہلاک کر دیا ہو۔

(۵) ان تمام صورتوں میں تو اصالۃً ہی دیت واجب ہوتی ہے۔ لیکن اگر قتل عمد کا واقعہ ہو اور مقتول کے ورثہ دیت لینے اور قاتل دیت ادا کرنے پر راضی ہو جائے تو اس صورت میں بھی دیت واجب ہوتی ہے۔

{۴}...... دیت واجب ہونے کی شرطیں

حنفیہ کے نزدیک دیت واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ مقتول یا جسکو نقصان پہنچایا گیا ہے وہ معصوم ہو یعنی شرعی نقطہ نظر سے قتل کئے جانے کا مستحق نہ ہو۔ چنانچہ حربی اور باغی کے قتل پر دیت واجب نہیں کہ ان کا خون معصوم نہیں۔ دوسرے مقتول یا نقصان زدہ شخص کا خون شریعت کی نگاہ میں قابل قیمت بھی ہو۔ چنانچہ حربی دار الحرب میں مسلمان ہو ہجرت نہ کرے اور غلطی سے کسی مسلمان کے ہاتھ مارا جائے تو دیت واجب نہیں، اسلئے کہ حنفیہ کے نزدیک انسانی خون اس وقت قابل قیمت ہوتا ہے جب کہ وہ دار الاسلام میں ہو، دوسرے فقہاء کے نزدیک چونکہ اسلام قبول کرتے ہی اسکا خون قابل قیمت ہو جاتا ہے اس لئے ایسے شخص کی دیت بھی واجب ہوگی۔ (بدائع الصنائع: ۲۵۲/ ۷)

کن اشیاء سے دیت ادا کی جائے گی؟

دیت کن اشیاء کے ذریعہ ادا کی جائے گی، اس سلسلہ میں بھی فقہا کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مالکیہ کا خیال ہے کہ دیت تین طرح کے اموال میں سے کسی سے ادا کی جا سکتی ہے، اونٹ، سونا، چاندی۔ (بدائع الصنائع: ۲۵۳/ ۷، بدایۃ المجتہد: ۴۰۱/ ۲)

کیوں کہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے نام مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک سو اونٹ یا ایک ہزار

دینار کا ذکر ہے۔ (نسائی شریف: ۵۸/ ۴)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سونے میں ایک ہزار دینار اور چاندی میں دس ہزار درہم دیت مقرر فرمائی تھی۔ (نصب الرایۃ: ۳۶۱/ ۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھ جنسوں سے دیت ادا کی جا سکتی ہے، ان میں تین تو یہی اونٹ، سونا اور چاندی ہے مزید تین گائے، بکری اور پوشاک ہیں۔
(بدائع الصنائع: ۲۵۳/ ۷، المغنی: ۲۹۰/ ۸)

ان حضرات کے پیش نظر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا ایک فیصلہ ہے، روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اونٹوں کی قیمت گراں ہوگئی ہے لہٰذا اب سونے سے ایک ہزار دینار، چاندی سے بارہ ہزار درہم، گائیں دو سو، بکری دو ہزار اور لباس دو سو کی تعداد میں بہ طور دیت ادا کی جائے۔ (ابوداؤد شریف: ۶۲۴/ ۲)

اکثر فقہاء کا عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی فیصلہ پر ہے اور ان کے نزدیک چاندی میں دیت کی مقدار بارہ ہزار درہم ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس ہزار درہم چاندی دیت ہے۔
(بدائع الصنائع: ۲۵۷/ ۷)

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جدید بھی یہی ہے۔ (المغنی المحتاج: ۵۶/ ۴)

حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف دراصل قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر مبنی ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دس درہم کو ایک دینار کے مساوی مانا ہے، خود نصاب زکوٰۃ سے بھی سونے اور چاندی کی قیمت میں یہی تناسب ظاہر ہوتا ہے، دوسرے فقہا نے ایک دینار کو بارہ درہم کے برابر قرار دیا ہے، چنانچہ علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فیصلہ کے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی دیت بارہ ہزار درہم دلائی۔ (ترمذی شریف: ۲۵۸/ ۱)

اصل یہ ہے کہ شریعت میں دیت کے لئے بنیادی معیار "اونٹ" ہیں پس اونٹ کی قیمت میں بدلتے ہوئے حالات میں تفاوت ہو سکتا ہے اور اسی نسبت سے سونے، چاندی کی مقدار میں بھی تفاوت ہوتا رہے گا۔

{۶}......عورتوں کی دیت؟

عورتوں کی دیت مرد کی دیت کے مقابلہ میں نصف ہے۔اس پر قریب قریب اتفاق ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعۃ:۸/۳۳۸)

کاسانی نے نقل کیا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے آثار بھی موجود ہیں، بلکہ وہ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجماع کے مدعی ہیں۔(بدائع الصنائع:۷/۲۵۴)

صرف ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو بکر اصم رحمۃ اللہ علیہ عورت کی دیت بھی مرد کے مساوی قرار دیتے ہیں۔

مرد کے مقابلہ میں عورت کی دیت کا کم ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اسلام عورت کو کم نگاہی سے دیکھتا ہے۔بلکہ یہ معاشی ذمہ داریوں پر مبنی ہے،شریعت نے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری مردوں پر رکھی ہے اور اصولی طور پر عورتوں کو اس سے بری رکھا ہے۔پس، جب کوئی مرد ہلاک ہوتا ہے تو اس خاندان کا معاشی سہارا بہ ظاہر ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور سنبھلنے میں وقت بھی لگتا ہے اور مشکلات کا سامنا بھی ہوتا ہے، ایسے میں وہ زیادہ معاشی تعاون کا ضرورت مند ہوتا ہے،عورت کی موت دل کو ضرور صدمہ پہنچاتی اور خاندان کے تربیتی نظام کو بھی اس سے سخت نقصان ہوتا ہے مگر بالعموم یہ خاندان کی کفالت کے نظم میں عدم توازن پیدا نہیں کرتا،میراث کے قانون میں بھی مردوں اور عورتوں کے حقوق میں تفاوت کی وجہ غالباً یہی ہے۔

{۷}......غیر مسلموں کی دیت

ذمی یعنی مسلم مملکت میں آباد غیر مسلم اور **"مستامن"** یعنی غیر مسلم مملکت سے اجازت حاصل کر کے ہمارے ملک میں آنے والے غیر مسلم کی دیت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہی ہے جو مسلمان کی ہے، دوسرے فقہاء کی رائے اس سے مختلف ہے۔(البحر الرائق:۸/۳۲۹)

اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱)......قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیة مسلمة الی اھله: (النساء:۹۲)

اگر مقتول ایسی قوم میں سے ہو کہ اسکے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہے تو مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا ضروری ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے معاہدین کی دیت ادا کرنے کا مطلق حکم دیا ہے، پس معلوم ہوا کہ قتل کی تمام صورتوں میں ایک ہی دیت واجب ہوگی۔

(۲)......حضرت رسول اللہ ﷺ سے بھی معاہدین کے بارے میں منقول ہے:

جعل دیة کل ذی عھد فی عھده الف دینار۔ (ابوداوٗد شریف فی المراسیل:۱۲)

کہ آنحضرت ﷺ نے معاہد کی دیت زمانہ عہد میں ایک ہزار دینار مقرر فرمائی۔

(۳)......عمرو بن امیہ ضمری نے دو غیر مسلموں کو قتل کر دیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے بدلہ میں دو مسلمان کی دیت کے برابر دیت ادا فرمائی۔

(۴)......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے غیر مسلم شہریوں کی دیت کے بارے میں وہی فیصلہ فرمایا جو مسلمانوں کی دیت کا ہے۔

(۵)......حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر ہے، **"دیة اھل الکتاب مثل دیة المسلمین"**۔

(۶)......دیت کا معاملہ دنیا کے احکام سے متعلق ہے، دنیا میں مکمل دیت کا واجب ہونا مقتول کے مرد، آزاد اور معصوم الدم ہونے سے متعلق ہے اور یہ تمام باتیں ایسے غیر مسلم شہریوں میں بھی پائی جاتی ہیں پس اس کا تقاضہ ہے کہ ان کی دیت بھی پوری پوری واجب قرار دی جائے۔ رہ گیا اسکے کفر کا معاملہ، تو اس کا نقصان اس کو آخرت میں بھگتنا پڑے گا، (بدائع الصنائع:۲۵۵/۷)

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک غیر مسلموں کی دیت بہ مقابلہ مسلمانوں کے نصف ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: معاہد کی دیت بہ مقابلہ مسلمانوں کے نصف ہے۔ (دیة المعاہد نصف دیة المسلم:۲/۲۳۰)

بعض روایات میں معاہد کے بجائے "کافر" کا لفظ آیا ہے۔ **(دیة عقل الکافر نصف عقل**

المسلم وقال الترمذی حدیث حسن: ۲۶۱/۷)

تاہم حنفیہ کی تائید غیر مسلم شہریوں کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان کئے ہوئے اس اصول سے بھی ہوتی ہے کہ ان کے خون ہمارے خون اور ان کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے، **"دمه کدمنا و دیته کدیتنا"** اس کا خون ہمارے خون اور اس کی دیت ہماری دیت کے مثل ہے۔

(مسند شافعی: ۳۴۴)

کہ اس ارشاد کی حیثیت جنایات کے باب میں عمومی اصول وقاعدہ کی ہے۔ (واللہ اعلم)

{۸}...... دیت میں شدت اور تخفیف

جرم کی شدت کے اعتبار سے مقررہ تعداد میں اضافہ کے بغیر دیت کو گراں قیمت بھی بنایا جاتا ہے، سونے اور چاندی میں تو ایسا کیا جانا ممکن نہیں، اس لئے صرف اونٹ سے دیت ادا کرنے کی صورت میں ایسا کیا جاتا ہے، جس کو فقہ کی زبان میں **"تغلیظ دیت"** کہا جاتا ہے، قتل عمد اور شبہ عمد کی صورت میں ایسی دیت واجب ہوتی ہے مالکیہ، شافعیہ اور حنفیہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دیت اس طرح ہوتی ہے: ۳۰/ تین سالہ اونٹنیاں ۳۰/ چار سالہ اونٹنیاں اور ۴۰/ حاملہ اونٹنیاں اکثر حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس دیت کی تفصیل اس طــرح ہے، ۲۵/ ایک سالہ، ۲۵/ دو سالہ، ۲۵/ تین سالہ اور ۲۵/ چار سالہ اونٹنیاں۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳۳۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے پہلے نقطہ نظر کی تائید میں ہیں۔

(ابو داؤد شریف: ۲/۶۲۶)

دوسرے نقطہ نظر کی تائید مؤطا امام مالک میں سائب رضی اللہ عنہ بن یزید کی روایت سے ہوتی ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی معمولی تھا نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ان کی یہی رائے نقل کی گئی ہے۔ (المغنی: ۸/۲۹۳)

{۹}......دیت کی ادائیگی میں اہل تعلق (عاقلہ) کا تعاون

قتل عمد کی صورت میں دیت خود قاتل پر واجب ہوتی ہے اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

(بدائع الصنائع: ۲۵۵/۷)

اور یہ شریعت کے اس مزاج کے عین مطابق ہے کہ ہر شخص اپنی غلطی کی بابت خود ہی ذمہ دار ہے جس کو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ان الفاظ میں واضح فرمایا **"الا لا یجنی جان الا علی نفسه"** خبردار! کوئی جنایت کرنے والا جنایت نہیں کرتا مگر اپنے نفس پر۔ (ترمذی شریف: ۳۹/۲)

البتہ بعض صورتوں میں شریعت نے قاتل کے **"اہل تعلق"** کو بھی دیت کی ادائیگی میں ''معاون' بنایا ہے۔ جن کو عاقلہ کہا جاتا ہے۔ دیت کی ادائیگی میں ان کی شرکت کے لازم ہونے لئے شرط ہے کہ:

(۱)......وہ قتل خطا یا شبہ عمد کا مرتکب ہو۔

(۲)......دیت باہمی صلح کے ذریعہ طے نہ پائی ہو کہ صلح صرف صلح کرنے والوں ہی کے حق میں معتبر ہے۔

(۳)......دیت ملزم کے اقرار و اعتراف کے نتیجہ میں واجب نہیں ہوئی ہو۔

(۴)......قاتل غلام نہ ہو۔ (بدائع الصنائع: ۳۵۵/۷)

(۵)......بچے اور مجنون گو عمداً قتل کریں، پھر بھی وہ قتل خطاء کے درجہ میں ہے اس لئے دیت کی ادائیگی میں عاقلہ شریک رہیں گے۔ (بدایۃ المجتہد: ۴۰۴/۲)

عاقلہ سے تین تا چار درہم فی کس کی شرح سے دیت میں تعاون وصول کیا جائے گا، خواتین، بچوں اور مجنون پر یہ تعاون عائد نہیں کیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع: ۲۵۶/۷)

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عاقلہ کے لئے تعاون کی کوئی شرح مقرر نہیں ہے۔ بلکہ عدالت اپنی صوابدید سے اس کی تعیین کرے گی۔ (رحمۃ الامۃ: ۳۴۱)

عاقلہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ ان شاء اللہ خود مذکورہ لفظ کے تحت اسکی وضاحت کیجائے گی۔

{۱۰}......ادائیگی کی مدت؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قتل کی تمام صورتوں میں سہ سالہ مدت میں دیت ادا کرنی ہوگی، اس میں عمد اور خطا کا کوئی فرق نہیں۔(بدائع الصنائع:۲۵۶/۷)

دوسرے فقہاء کا خیال ہے کہ عمد کی صورت میں بلا مہلت فوراً دیت ادا شدنی ہوگی۔ سہ سالہ مہلت صرف خطا اور شبہ عمد کی صورت میں ہی دی جائیگی۔(المغنی:۲۹۳/۸)

حنفیہ کا خیال ہے کہ ایک تو قتل عمد کی صورت میں دیت شدید تر کردی گئی ہے۔ دوسرے پوری دیت کا ذمہ دار خود قاتل کو قرار دیا گیا ہے۔ یہی اس کے جرم کی پاداش کے لئے کافی ہے، اب دیت ادا کرنے میں ایک قابل لحاظ مہلت سے بھی اس کو محروم کردینا مناسب نہیں۔ چنانچہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی موجودگی میں یہی فیصلہ فرمایا اور قاتل کو مہلت دی۔ (بدائع الصنائع:۲۵۶/۷) جو اس کی کافی وشافی دلیل ہے۔

{۱۱}......جن اعضاء کے کاٹنے پر مکمل دیت واجب ہے؟

دیت اصل میں پوری جان کی ہلاکت کا بدل ہے، لیکن پیغمبر اسلام، نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے نام اپنے مکتوب گرامی میں بعض اور امور کو بھی موجب دیت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ناک کے مکمل طور پر کاٹ دینے، آنکھوں کے پھوڑنے اور عضو تناسل کے کاٹ دینے وغیرہ پر بھی دیت واجب قرار دی گئی ہے۔(نسائی شریف:۵۷/۸)

اس لئے فقہاء نے یہ اصول مقرر فرمایا ہے کہ جسم کی کسی بھی منفعت سے کسی شخص کو مکمل طور پر محروم کردینے کی صورت میں اگر ملزم پر کسی وجہ سے قصاص واجب نہ ہو تو پوری دیت واجب ہوگی۔ یہ منفعت کو ضائع کردینا دو طرح ہوتا ہے۔ یا تو جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے یا جسم کے قالب کو باقی رکھتے ہوئے اس کی صلاحیت کو ختم کردیا جائے۔

اعضاء کے کاٹے جانے کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ جن اعضاء کے کاٹے جانے پر دیت واجب ہوتی ہے وہ چار طرح کے ہیں: ایک وہ جو جسم میں تنہا ہو، اور وہ یہ ہیں، ناک، زبان، آلہ تناسل یا اس کا حشفہ، ریڑھ کی ہڈی جو مادہ منویہ کا مخزن ہے، پیشاب کا راستہ، پائخانہ کا راستہ، چمڑا، سر کے بال، داڑھی کے بال، بشرطیکہ بال اس طرح کھینچ لئے جائیں کہ دوبارہ نکل نہ سکیں، ان تمام اعضاء کے کاٹ دینے اور الگ کر دینے کی صورت مکمل دیت واجب ہے۔

دوسرے وہ اعضاء ہیں جو انسانی جسم میں جوڑے جوڑے رکھے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، بھوؤں، کے بال، (یعنی بال اس طرح اکھاڑ دیئے جائیں کہ پھر نہ اگیں) تھن، پستان، کی گھنڈیاں **"ثدیین و حلمتین"** فوطے، عورت کی شرمگاہ کے دونوں کناروں کے لب، سرین، اور داڑھ، اگر یہ دونوں جوڑے اعضاء ضائع کر دیئے جائیں تو مکمل اور ایک کو ضائع کیا جائے تو نصف دیت واجب ہوگی۔

تیسرے وہ اعضاء جو جسم میں چار چار ہیں اور وہ یہ ہیں دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کی انگلیاں، اگر تمام دس انگلیاں کاٹ دی جائیں تو مکمل دیت اور کچھ کاٹی جائیں تو ہر انگشت پر دسواں حصہ دیت واجب ہوگی۔ (یہ تمام تفصیلات بدائع الصنائع: ۳۱۱/۷، المغنی: ۳۴۰/۸) اور الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳۴۲/۶، سے ماخوذ ہیں، کاسانی نے چوتھی صورت کا ذکر نہیں کیا ہے، فقہاء کے یہاں تفصیلات میں بعض کا اختلاف بھی ہے جن کا ذکر موجب طوالت ہوگا اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

{۱۲}......کسی جسمانی منفعت کا ضیاع؟

جسم کی کوئی منفعت مکمل طور پر ضائع و برباد کر دی جائے تو یہ صلاحیت کا قتل بھی اصل میں اس شخص کی شخصیت اور وجود ہی کا قتل ہے، انسان کا جمال اور اس کی ساخت میں تناسب و توازن سے محرومی کو بھی فقہاء نے اسی حکم میں رکھا ہے، شمار کرانے والوں نے بیس سے بھی زیادہ جسمانی منافع شمار کرائے ہیں، ان میں کچھ اہم یہ ہیں: آواز، چکھنے کی صلاحیت، چبانے کی صلاحیت، جماع، حمل، افزائش منی، پکڑ،

رفتار، بالوں کا وجود وغیرہ ان صلاحیتوں کو ضائع کر دینے کی صورت میں جہاں قصاص واجب کرنا ممکن ہو وہاں قصاص واجب ہوگا ورنہ مکمل دیت واجب ہوگی، اگر جزوی نقصان پہنچا تو پھر اسی کے مطابق تاوان عائد کیا جائے گا، اس طرح کہ اگر نقصان کا تشخص ممکن ہو تو دیت ہی کے لحاظ سے جزوی دیت واجب ہوگی، جیسے ایک آنکھ پھوڑ دی تو نصف دیت، اگر تشخص ممکن نہ ہو تو اصحاب رائے کے مشورہ سے مناسب تاوان جس کو ''حکومتہ عدل'' کہا گیا ہے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۶/۳۴۸، بدائع الصنائع: ۷/۳۱۱)

{۱۳}......سر اور چہرے کے زخم

جزوی نقصان کی ایک صورت زخم کی ہے، زخم کو بنیادی طور پر فقہاء نے دو حصوں میں بانٹا ہے۔ ایک ''شجاج'' شجاج وہ زخم ہے جو سر اور چہرے کے حصہ میں ہو، ایسے زخم کی حنفیہ کے یہاں گیارہ صورتیں ہیں:

(۱)......خارصہ: جس میں چمڑا پھٹ جائے مگر خون نہ نکلے۔

(۲)......دامعہ: جس سے خون نکلے مگر بہنے نہ پائے، اس کو ''غارمہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

(۳)......دامیہ: جس سے خون بہے اور خون کا ترشح ہونے لگے۔

(۴)......باضعہ: جس میں گوشت کٹ جائے۔

(۵)......متلاحمہ: جس میں کسی قدر زیادہ گوشت کٹ جائے مگر ہڈی کے قریب تک نہ پہنچے۔

(۶)......سمحاق: جس میں گوشت کٹ جائے اور ہڈی کے اوپر کی باریک جھلی ظاہر ہو جائے، در اصل اسی جھلی کو ''سمحاق'' کہتے ہیں۔

(۷)......موضحہ: جس میں مذکورہ جھلی پھٹ جائے اور خود ہڈی ظاہر ہو جائے۔

(۸)......ہاشمہ: جس میں ہڈی ٹوٹ جائے۔

(۹)......منقلہ: جس میں ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔

(۱۰)......آمہ: جو زخم دماغ میں بھیجے کے اوپر کے غلاف تک پہنچ جائے۔

(۱۱)......دامغہ: جو اس غلاف کو چاک کر کے اصل دماغ تک پہنچ جائے۔

(بدائع الصنائع: ۷/۲۹۶)

زخموں کی اقسام میں فقہا کے درمیان کسی قدر اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔

ان میں سے صرف **"موضحه"** ہی ایسا زخم ہے، جس میں شوافع اور حنابلہ کے نزدیک قصاص ہے۔ حنفیہ کے نزدیک موضحہ سے کمتر زخم کی مذکورہ صورتوں میں بھی قصاص لیا جائے گا، موضحہ سے زیادہ سنگین زخم کی صورت میں قصاص نہیں ہے کہ اس مین مماثلت کو برقرار رکھنا دشوار رہے۔

(الفقہ الاسلامی: ۶/۳۵۴)

ان میں سے "آمہ" میں تہائی دیت، منقلہ میں پندرہ اونٹ اور موضحہ میں پانچ اونٹ کا بطور تاوان واجب ہونا اس مکتوب سے بہ صراحت ثابت ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے نام لکھا ہے گویا زخم کی یہ صورتیں "ارش" واجب ہونے کی ہیں، اس کے علاوہ جن صورتوں میں قصاص اور "ارش" نہیں، وہاں پھر دیت کے عام اصول کے مطابق "حکومتہ" ہے۔

{۱۴}......سر اور چہرے کے ماسوا زخم

زخم کی دوسری قسم "جراح" ہے جراح میں فقہاء کے نزدیک وہ تمام زخم داخل ہیں، جو سر اور چہرے کے حصہ کو چھوڑ کر جسم کے کسی اور حصہ میں ہوں، یہ بنیادی طور پر دو طرح کے ہیں: جائفہ اور غیر جائفہ، جائفہ وہ زخم ہے جو "جوف" تک پہنچتا ہو، سینہ، پیٹ، پشت، پہلو، سرین وغیرہ جس راہ سے پہنچے، اسی لئے ہاتھ پاؤں اور گردن کا زخم، "جائفہ" نہیں کہلائے گا، اس کے علاوہ جو زخم ہیں، وہ جائفہ ہیں۔

(بدائع الصنائع: ۷/۲۹۶)

جائفہ زخموں کی بابت خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب میں تہائی دیت واجب ہونے کا حکم موجود ہے، غیر جائفہ زخموں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصاص نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ زخم بالآخر مجروح شخص کی موت کا باعث بن جائے۔ (۷/۳۱۰)

دوسرے فقہاء کے یہاں جن صورتوں میں مماثلت کو برقرار رکھنا ممکن ہو، ان میں قصاص لیا جائے گا، اور دوسری صورت میں "حکومتہ"۔ (الفقہ الاسلامی: ۶/۳۵۶)

{۱۵}......حکومت کی تعیین کا طریقہ

ایسا جزوی نقصان جس کے لئے شارع کی طرف سے مالی تاوان کی کوئی مقدار متعین نہیں، گذر چکا ہے کہ اس کو فقہاء ''حکومتہ'' کہتے ہیں، اس میں تعزیر عدالت کے حوالہ ہوتی ہے کہ وہ مناسب تاوان کی تعیین کرے، سوال یہ ہے کہ قاضی ''حکومتہ'' کی تعیین میں کیا اصول پیش نظر رکھے گا؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں مجموعی اعتبار سے تین طریقے ملتے ہیں۔

غلام فرض کر کے زخمی شخص کی کیفیت کی قیمت لگائی جائے اور پھر اس سے صحت یاب غلام کی قیمت بھی لگائی جائے اور دونوں کی قیمت میں جو تفاوت ہے، وہ تاوان عائد کیا جائے۔

(بدائع الصنائع: ۳۲۴/ ۷)

مثلاً زخمی غلام کی قیمت ایک ہزار اور صحت مند کی بارہ سو ہے تو دو سو ''حکومتہ'' عائد ہوگا، یہ امام طحاوی اور اکثر فقہاء کی ہے۔

شارع نے جس زخم کی بابت تاوان متعین کر دیا ہے، اسی زخم سے اس زخم کی قربت دیکھ کر اس کی روشنی میں تعیین کی جائے یہ رائے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۳۲۴/ ۷)

زخم کے علاج میں ہونے والے مالی اخراجات جن میں ادویہ، معالج کی فیس اور دوسرے تمام مصارف داخل ہیں بطور ''حکومتہ'' واجب قرار دیئے جائیں۔ (شامی: ۱۵۷/ ۷)

ڈاکٹر زحیلی نے لکھا ہے کہ یہی تیسرا طریقہ فی زمانہ زیادہ موزون ہے، **"ربما کانت انسب الطرق فی عصرنا"** (الفقہ الاسلامی: ۳۵۹/ ۶)

اور شاید یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔ (قاموس الفقہ: ۴۳۷/ ۳)

فائدہ: بعض مصنفین نے کتاب الدیات کا عنوان ذکر کر کے قصاص کو اس کے تحت ذکر کیا ہے، اس حیثیت سے کہ دیت میں عموم وشمول ہے اس لئے کہ قصاص کے بجائے دیت لے سکتے ہیں، ولا عکس (دیت کے بجائے قصاص نہیں لے سکتے) اور بعض مصنفین نے اس کے برعکس کا عنوان اختیار

کرکے دیت کو اس کے تحت ذکر کیا ہے، اس حیثیت سے کہ قصاص ہمیشہ اصلی ہوتا ہے دیت کا بدل نہیں ہوسکتا ہے، بخلاف دیت کے کہ وہ کبھی اصلی ہوتی ہے اور کبھی قصاص کا بدل ہوتی ہے لہٰذا دیت کو قصاص کے تابع کرنا چاہئے نہ کہ اس کا عکس لیکن صاحب مشکوۃ نے دونوں کو مستقل بیان فرمایا ہے۔

(مستفاد الدر المنضود: ۶/۳۷۶)

الفصل الاول

انگلی کی دیت کا تذکرہ

{۳۳۳۳} عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذِهٖ هٰذِهٖ سَوَاءٌ یَعْنِی الْخِنْصَرَ وَالْاِبْهَامَ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۲/۱۰۱۸، باب دیة الاصابع، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۸۵۹۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ اور یہ برابر ہیں، یعنی چھنگلیاں اور انگوٹھا۔ (بخاری)

تشریح: دیت کے اعتبار سے تمام انگلیاں مساوی ہیں جتنی دیت چھنگلیاں کی ہے اتنی ہی دیت انگوٹھے کی ہے، اگر چہ چھنگلیاں میں تین پور ہوتے ہیں اور انگوٹھے میں دو پوروے ہوتے ہیں لیکن چونکہ اصل منفعت میں دونوں برابر ہیں، لہٰذا دونوں کی دیت بھی برابر ہے، ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں، ہر اصبع میں **"من اصابع الید والرجل"** دس اونٹ ہیں اور اسنان میں سے ہر سن کے بدلہ میں پانچ اونٹ ہیں، لہٰذا دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں کی دیت سو اونٹ ہوں گے، اسی طرح اصابع الرجلین میں بھی اور اس سے معلوم ہوا کہ صرف ایک ہاتھ کی انگلیوں میں پچاس اونٹ ہیں اسی طرح صرف ایک پاؤں کی

انگلیوں میں بھی پچاس اونٹ ہیں، ید اور رجل ہر ایک کی جنس الگ ہے اور دیت کا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ اس میں جنس منفعت کا اعتبار ہوتا ہے اور جنس منفعت پوری ضائع کر دی گئی تو پوری دیت ہوگی اور نصف میں نصف دیت ہوگی، اسی طرح عینین میں یہ قاعدہ جاری ہوگا، اور ناک چونکہ اپنی جنس میں ایک ہی ہے لہٰذا اس کو ضائع کرنے میں پوری دیت واجب ہوگی، یہاں حدیث میں ہے، "**هٰذه وهٰذه سواء**" یعنی "**الابهام والخنصر**"

دوسری روایت میں ہے: "**الاسنان سواء والاصابع سواء اصابع اليدين والرجلين سواء**" **قال الخطابي واتفق عامة اهل العلم على ترك التفصيل وان في كل سن خمسة البعرة وفي كل اصبع عشر عشر من الابل، خناصرها وابهامها سواء الى آخر ماذكر في البذل**. یعنی مسئلہ بھی بالاتفاق یہی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ شروع میں انگلیوں کے درمیان فرق کیا کرتے تھے، "**ففي البذل عن الخطابي انه كان يجعل في الابهام خمس عشرة وفي السبابة عشرا وفي الوسطى عشرا وفي البنصر۔ تسعا وفي الخنصر۔ ستا، حتى وجد كتابا عند عمرو بن حزم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الاصابع كلها سوا فاخذبه**" (الدرالمنضود: ۶/۴۱۰)

سوال: کیا اعضاء کی دیت نفس کی دیت سے بڑھ جاتی ہے؟

جواب: کبھی کبھی اعضاء کی دیت نفس کی دیت سے بڑھ جاتی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کی سب انگلیاں کاٹ دے تو دو سو اونٹ واجب ہوں گے۔ محدث جلیل حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب زید مجدہم لکھتے ہیں کہ یہاں مور کی دم مور سے بڑھ جاتی ہے ایک دانت توڑنے پر پانچ اونٹ دیت واجب ہوتی ہے یہ منصوص ہے اس اعتبار سے تمام دانتوں کو توڑنے پر ایک سو ساٹھ اونٹ واجب ہوں گے، یہ بات بذل المجہود میں درمختار سے منقول ہے اور پھر لکھا ہے کہ "**ولا بأس فيه لانه ثابت بالنص على خلاف القياس**" اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہے۔

تنبیہ: اگر کسی شخص نے بالقصد دوسرے کی انگلی کاٹ دی ہے تو قصاص میں اس کی انگلی بھی

کاٹی جائے گی، دیت اس وقت واجب ہوگی جب کہ دیت پر مصالحت ہو جائے، یا پھر غلطی سے انگلی کٹ گئی ہوتو دیت واجب ہوگی۔ (فیض المشکوۃ:۶/۳۶۶)

جنین کی دیت

{۳۳۳۴} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جَنِیْنِ اِمْرَأَةٍ مِنْ بَنِیْ لِحْیَانَ سَقَطَ مَیِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ ثُمَّ اِنَّ الْمَرْاَةَ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّیَتْ فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَنَّ مِیْرَاثَهَا لِبَنِیْهَا وَزَوْجِهَا وَالْعَقْلُ عَلٰی عَصَبَتِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۲۰، باب جنین المرأۃ، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۹۰۹، مسلم شریف: ۲/۶۲، باب دیۃ الجنین، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۱۶۸۱۔

حل لغات: **جنین:** پیٹ کا بچہ، یعنی جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ **غرہ:** ہر چیز کا پہلا اور عمدہ حصہ، گھوڑے کے پیشانی کی سفیدی، چمک، روشنی۔ **العصبة:** اس کو **العاقلہ:** بھی کہتے ہیں، کسی کے باپ کی طرف کے رشتہ دار جو دیت کی ادائیگی میں شریک ہوں۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنولحیان کی ایک عورت کے پیٹ کے بچہ کے بارے میں جو کہ مردہ پیٹ سے گر گیا تھا ایک غرہ کا یعنی غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا تھا، پھر وہ عورت جس کے خلاف غرہ کا فیصلہ ہوا تھا مرگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کی میراث اس کے لڑکوں اور شوہر کے لئے ہے، اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: **قضی، ای حکم فی جنین امرأة:** قاموس میں یہ معنی لکھے ہیں، "الولد فی

البطن" اس کی جمع اجنة آتی ہے قرآن کریم میں ہے، "**واذ انتم اجنة فی بطون امهاتکم**، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ (سورۃ النجم) "**من بنی لیحان**" لام کو کسرہ اور حاء ساکن ہے اور لام کو فتحہ بھی جائز ہے، یہ ہزیل کا ایک قبیلہ ہے، "**سقط میتا**" پیٹ سے مرا ہوا بچہ گر گیا، "**میتا**" حال مقید ہے یعنی اس حال میں ساقط ہوا کہ وہ مردہ تھا، اور یہ قید اس لئے ہے کہ اگر وہ زندہ پیدا ہوتا اور پھر مرجاتا تو پوری دیت واجب ہوتی۔

اگر عورت سے مردہ بچہ پیدا ہوا اور پھر وہ عورت مرجائے تو اس حالت میں دیت بھی واجب ہوگی اور غرہ بھی یعنی غلام یا باندی کا آزاد کرنا اور اگر عورت پہلے مرجائے پھر اس کے پیٹ سے بچہ برآمد ہو تو صرف دیت واجب ہوگی بقیہ تفصیل اس باب کے آخر میں ان شاء اللہ لکھی جائے گی۔

بغرة: یہ میرے پیش نظر نسخہ مشکوۃ میں یوں ہی لکھا ہے یعنی باء جارہ اور تنوین کے ساتھ اور "**قضی**" سے متعلق ہے "**عبد**" یہ غرہ کا بیان ہے اور اگر اس کو مرفوع پڑھا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور اس وقت یہ مبتدائے محذوف ہی کی خبر ہوگی، "**او امة**" او تنویع کے لئے ہے نہ کہ شک راوی کو ظاہر کرنے کے لئے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی روایت غرۃ کی تنوین کے ساتھ ہے اور اس کے بعد اس سے بدل ہے اور بعض راویوں نے اس کو اضافت کے ساتھ روایت کیا ہے۔

علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا پہلی شکل اوجہ ہے، "**الغرة**" نہایہ میں ہے کہ "**الغرة**" گورا غلام یا گوری باندی ہے، اصل میں تو غرہ اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر ہوتی ہے اور ابو عمر بن علاء نے یہ کہا کہ چونکہ "**عبد**" اور "**امة**" کے ساتھ غرہ کی قید لگی ہوئی ہے اس لئے سیاہ باندی دیت میں قبول نہ کی جائے گی۔ لیکن حضرت فقہاء کرام کے نزدیک دیت میں یہ شرط نہیں۔ (شرح الطیبی: ۸۲ / ۷)

عند الفقهاء: فقہاء کرام کے نزدیک "**الغرة**" کل دیت کے عشر کا نصف یعنی بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم ہے، زیلعی نے فرمایا "**الغرة الخيار**" یعنی بہترین غرۃ المال بہترین مال جیسے گھوڑے، اونٹ اعلیٰ نسب کے چاق و چوبند پھرتیلے قسم کے غلام و باندی، اور غرہ سے مراد مرد کے دیت کے عشر کا نصف (بیسواں حصہ) ہے بشرطیکہ جنین لڑکا ہو اور اگر لڑکی ہے تو عورت کی دیت کا بیسواں حصہ ہے "**ثم ان المرأة التی قضی علیها بالغرة توفت**" جس عورت کی جنایت یعنی پتھر مارنے کی وجہ سے سقوط جنین کا

یہ واقعہ پیش آیا اور جس پر ایک غرہ کی دیت کا فیصلہ آپ ﷺ نے فرمایا وہ عورت مرگئی **"فقضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بان میراثھا"** آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمایا اس مرنے والی کا ترکہ **"لبنیھا وزوجھا"** اس کے لڑکوں اور اس کے شوہر کے لئے ہے **"والعقل علی عصبتھا"** اور دیت اس کے عصبہ پر یعنی باپ کی طرف سے رشتہ داروں پر یعنی اس کے خاندان پر ہے۔ مرقاۃ:۲۰/۱)

اشکال وجواب

جس عورت کے خلاف آپ نے دیت کا فیصلہ فرمایا تھا یعنی جانیہ، قتل کرنے والی اس کی وفات ہوگئی تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں کے لئے ہے اس کے ورثہ یہی ہوں گے، اور یہ کہ دیت اس عورت کے عصبہ پر واجب ہوگی، یعنی جیسا کہ قاعدہ اور ضابطہ ہے دیت کا کہ وہ عصبۃ القاتل پر ہی واجب ہوتی ہے، اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ وفات اس عورت کی ہوئی جس کے خلاف دیت کا فیصلہ کیا گیا تھا، اور جس کے خلاف یہ فیصلہ کیا گیا تھا وہ عورت ہے جو قاتلہ ہے لیکن یہ بات خلاف ظاہر سی معلوم ہوتی ہے کہ ظاہر تو یہ ہے کہ جو عورت مضروبہ تھی جس پر ضرب واقع ہوئی تھی اور جس کا بچہ اسقاط ہوا تھا اس کی وفات ہونی چاہئے اس کے علاوہ یہ روایت ان روایات کے بھی خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات پانے والی عورت وہ مضروبہ ہی تھی جس کے حق میں دیت کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ **"التی قضی علیھا"** سے مراد **"قضی لھا"** لیا جائے یعنی علی کو لام کے معنی میں لیا جائے، اس صورت میں اس کا مصداق بجائے قاتلہ کے امراۃ مقتولہ ہو جائے گی، جس کے بچہ کا اسقاط ہوا تھا لیکن اس صورت میں آگے چل کر **"بان میراثھا لبنیھا"** یہ دونوں ضمیریں تو اسی مقتولہ ہی کی طرف راجع ہوں گی اور **"علی عصبتھا"** کی ضمیر قاتلہ کی طرف ماننی پڑے گی، گویا اس توجیہ سے اصل اشکال تو ہٹ جائیگا لیکن تشتت ضمائر لازم آئے گا۔

تنبیہ: ترمذی میں یہ روایت بایں الفاظ یعنی جس پر اشکال واقع ہو رہا ہے کتاب **"الفرائض باب ماجاء ان المیراث للورثۃ والعقل للعصبتہ"** میں مذکور ہے اور ابواب الدیات جو

اصل محل ہے وہاں ترمذی میں یہ روایت مذکور نہیں، اس میں تو روایت اسی طرح ہے جس طرح ہونی چاہئے، یہ تو شراح کی رائے تھی لیکن ہمارے حضرت اقدس گنگوہی کی تقریر میں جس کو حضرت سہارنپوری نے بذل میں نقل فرمایا ہے یہ ہے کہ شراح کو تو اس روایت پر اشکال ہو رہا ہے کہ قاتلہ کی موت خلاف ظاہر ہے مقتولہ کی موت کا ذکر ہونا چاہئے، حضرت فرماتے ہیں کہ اشکال کی کوئی بات نہیں والامر سہل الخ۔

حضرت کی توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ قاتلہ ہی کی موت کا ذکر ہے اور مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ جب گذشتہ واقعہ پیش آچکا یعنی جنین اور ام الجنین دونوں کا انتقال ہو چکا اور اس میں قاتلہ کے خلاف یہ فیصلہ ہو چکا کہ مقتولہ کی دیت عصبۃ القاتلہ کو دینی پڑے گی تو اس کے کچھ عرصہ بعد قاتلہ کا بھی انتقال ہو گیا تو اب مسئلہ سامنے آیا اس مرنے والی قاتلہ کی میراث کا، اب ظاہر ہے کہ اس کے مستحق اس کے اپنے ورثاء تھے اور ان کو ملنی چاہئے تھی لیکن اس موقع پر اس مرنے والی کے عاقلہ نے یہ کہا کہ جب اس کی جانب سے دیت ہم نے ادا کی تھی تو اس کی میراث بھی ہمیں ہی ملنی چاہئے، مگر ان کی بات چونکہ دیت اور میراث کے قاعدہ کے خلاف تھی اس لئے آپ نے ان کی بات کو رد فرماتے ہوئے اس مرنے ولی کی میراث کا فیصلہ اس کے ورثاء کے لئے اور دیت کا فیصلہ اس کے عاقلہ ہی پر برقرار رکھا، حضرت کو احادیث مشکلہ میں توجیہ و تطبیق کا بڑا ملکہ تھا اور وہ روایت کی تغلیط اور رواۃ کا تخطئہ جلدی سے نہیں فرماتے تھے، اس اشکال و جواب پر کلام نصب الرایہ میں علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۴۱۷)

سوال: جنین کس کو کہتے ہیں؟

جواب: جب تک عورت کا حمل پیٹ میں رہے وہ جنین ہے، اگر عورت نے بچہ زندہ جنا تو وہ ولد ہے اور اگر مردہ جنا یا نا تمام جنا تو وہ سقط ہے۔

اشکال: اس حدیث میں **"بنو لحیان"** کی عورت کا ذکر ہے جب کہ اگلی روایت میں ہے کہ یہ عورتیں قبیلہ **"ھزیل"** کی تھیں، یہ اختلاف کیوں ہے؟

جواب: دونوں روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے اس وجہ سے کہ بنو لحیان درحقیقت ہزیل کی شاخ ہی ہے، لہٰذا اشکال کی گنجائش نہیں ہے، سقط میتا، پیٹ سے بچہ مرا ہوا گرا، میتا حال ہے یعنی اس حال میں بچہ پیدا ہوا کہ وہ مرا ہوا تھا، یہ درحقیقت قید احترازی ہے، اس لئے کہ اگر بچہ زندہ پیدا ہوا ہوتا اور پھر

مرجاتا تو پوری دیت واجب ہوتی۔

بغرة: غرہ اصل میں اس سفیدی کو کہتے ہیں کہ جو گھوڑے کی پیشانی پر ہوتی ہے، بعد میں سفید رنگ کے غلام اور باندی کو بھی غرہ کہا جانے لگا، بعض فقہاء اسی بنا پر کہتے ہیں کہ دیت میں سیاہ غلام یا سیاہ باندی قبول نہیں کی جائے گی، لیکن جمہور فقہاء کرام یہ شرط نہیں لگاتے ہیں ان کے نزدیک مطلق غلام یا باندی واجب ہے، اور اس کا مصداق کل دیت کا بیسواں حصہ قرار دیا ہے، یعنی پانچ اونٹ، یا پانچ سو درہم یا پچاس دینار ادا کرنا ہوگا، آنحضرت ﷺ کا فرمان منقول ہے: **"فی الجنین: غرة عبد او امة قیمته خمس مأة"**

عبد او امة: اس کو اگر مرفوع پڑھیں تو یہ ہی مبتدا محذوف کی خبر ہے اور اگر مجرور پڑھیں تو یہ غرہ سے بدل ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ راوی کا کلام ہے، غرہ کی وضاحت کے لئے ہے، قول صحیح یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے، کیوں کہ بہت سے صحابہ سے یہ روایت منقول ہے سب ہی نے اس کو ذکر کیا ہے، یہ بات بعید ہے کہ تمام صحابہ نے متفق ہو کر اس کی تفسیر کے لئے داخل کیا ہو۔

سوال: جنین کی دیت **"غرہ"** کیوں واجب کیا گیا ہے، اس میں حکمت کیا ہے؟

جواب: اصل بات یہ ہے کہ جنین **"ذو وجهتين"** چیز ہے، ایک حیثیت سے وہ نفوس بشریہ میں سے ایک نفس ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی دیت میں نفس دیا جائے، اور دوسری جہت سے یہ ماں کا ایک عضو ہے وہ مستقل کوئی ذات نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ بغیر ماں کے بچ نہیں سکتا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو دیت میں اعضاء کے منزلہ میں قرار دیا جائے، لہٰذا ان دونوں جہتوں کی رعایت کرتے ہوئے اس کی دیت **"غرہ"** یعنی غلام یا لونڈی مقرر کی گئی ہے، کیونکہ ان میں مالیت اور نفس دونوں جہتیں موجود ہیں، **"توفیت"** جس عورت کے پتھر مارنے کی بنا پر جنین کے سقوط کا واقعہ پیش آیا تھا اور جس پر آپ ﷺ نے **"غرہ"** واجب کیا تھا وہ مرگئی، **"فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم بأن ميراثها"** جانیہ عورت مرگئی تو آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور اس کے شوہر کے لئے ہے، جب کہ اس کی دیت اس کے عصبہ یعنی اس کے عاقلہ پر ہے، اس جز سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگرچہ دیت جانیہ کے عاقلہ کو ادا کرنا ہوگی، لیکن عاقلہ کی میراث کے وارث قرار نہ پائیں گے،

میراث تو شرعی وارثوں ہی کو ملے گی۔

سوال: آنحضرت ﷺ نے میراث کا وارث صرف بیٹوں اور شوہر کو کیوں قرار دیا ہے؟

جواب: شوہر اور بیٹوں کی تخصیص اس بنا پر کی کہ اس عورت کے صرف یہی ورثاء موجود تھے، دیگر ورثاء تھے ہی نہیں، اگر ہوں گے تو وہ بھی وارث ہوں گے۔

سوال: دیت ادا کرنے والوں کو عاقلہ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: عقل کے معنی رکنے اور منع کرنے کے ہیں، دیت کے طریق کار سے لوگوں کی جانیں مفت میں چلی جانے سے محفوظ ہو جاتی ہیں اس لئے خون بہا یعنی دیت کو عقل کہتے ہیں اور جن پر دیت واجب ہوتی ہے ان کو عاقلہ کہتے ہیں۔

سوال: عاقلہ سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاتل کے عاقلہ اس کے عصبہ ہیں، یعنی اس کا قبیلہ، خاندان اور رشتہ برادری سے تعلق رکھنے والے افراد جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مصداق ہم پیشہ، جماعت ہے، جو کہ ایک دوسرے کی امداد و تعاون کرتے ہیں۔

سوال: عاقلہ پر دیت واجب کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: قاتل کے ارتکاب قتل کے پس پشت خارجی طاقتوں کا بڑا دخل ہوتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ جرم کی پاداش میں پکڑا گیا تو میرے حمایتی میری مدد کے لئے کھڑے ہو جائیں گے، اور مجھ کو سزا سے بچالیں گے، چنانچہ شریعت نے دیت کی ادائیگی **"عاقلہ"** یعنی حمایتی لوگوں پر ڈال دی، تاکہ یہ لوگ اپنے لوگوں کو قتل کے ارتکاب سے روکیں، اس کے علاوہ دیت میں جو بڑی رقم ہے، ایک کے لئے ادا کرنا مشکل ہے، سب مل کر آسانی سے ادا کر دیں گے، اور یہ سوچ کر ادا کرنا آسان ہوگا کہ اگر آئندہ مجھ سے یہ جرم سرزد ہوا تو یہ لوگ میرا خون بہا ادا کرنے میں بھی معاون ہوں گے۔

سوال: اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو کون دیت ادا کرے گا؟

جواب: عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال سے دیت ادا کی جائیگی، بیت المال کا نظام نہ ہو تو قاتل کے مال سے دیت ادا کی جائیگی۔ (**فیض المشکوۃ:۶/۳۶۷، تکملہ فتح الملھم:۲/۲۸۰، مرقاۃ:۴/۲۰، ایضاح المشکوۃ:۲/۴۰۲**)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ائمہ کا اتفاق ہے اس پر کہ جنین کی دیت باندی یا غلام ہے برابر ہے، کہ جنین لڑکا ہو یا لڑکی اور اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ اپنی خلقت میں مکمل ہو چکا تھا یا ابھی ناقص تھا، اس لئے کہ ناقص ہونے کے باوجود اس میں کوئی آدمی کی خلقت کا تصور پیدا ہو چکا اور لڑکا لڑکی کی دیت یکساں ہونے کا حکم اس لئے لگایا گیا کہ کبھی جنین اس مرحلہ میں ہوتا ہے کہ امتیاز کرنا دشوار ہوتا ہے اور پھر ایسی حالت میں اگر مذکر و مؤنث کی دیت میں کمی بیشی کا فرق ہوتا تو خوب نزاع پیدا ہوتا اس امکان نزاع کو ختم کرنے اور نزاع کا دروازہ بند کرنے کی غرض سے یہ حکم لگایا گیا۔ واللہ اعلم۔

فوہ: یعنی دیت جنین کے تمام وارثوں کے لئے ہے، اور یہ ایسا شخص ہوا کہ جو خود تو وارث ہوتا نہیں لیکن اس کے وارث ہوتے ہیں، اس کی نظیر صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے کہ جس کا بعض آزاد ہو اور بعض غلام ہو تو وہ بھی احناف کے نزدیک وارث نہیں ہوتا لیکن دوسرے اس کے ترکہ میں وارث ہوتے ہیں یعنی **"یورث ولا یورث"** مذکورہ حکم دیت اس وقت کے لئے جب کہ وہ پیٹ سے نکلنے لگا تھا، تبھی وہ مردہ تھا، اور اگر اس وقت وہ زندہ تھا اور بعد میں مر گیا تو اس حالت میں پوری دیت واجب ہوگی، چنانچہ اگر لڑکا تھا تو ایک سو اونٹ دیت میں واجب ہوں گے، اور اگر لڑکی تھی تو پچاس اونٹ واجب ہوں گے، اور اس حکم میں قتل عمد اور قتل خطا برابر ہیں اور جب غرہ واجب ہوا تو یہ عاقلہ یعنی عصبہ یعنی خاندان والوں پر واجب ہوگا نہ کہ جنایت کرنے والے پر۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۲۱)

دیت کے وجوب کا تذکرہ

{۳۳۳۵} وَعَنْهُ قَالَ اِقْتَتَلَتِ اِمْرَاَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ فَرَمَتْ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِيْ بَطْنِهَا فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ دِيَةَ جَنِيْنِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ وَلِيْدَةٌ وَقَضٰى بِدِيَةِ الْمَرْاَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهَا وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۲۱، باب جنین المرأۃ، کتاب الدیات، حدیث

نمبر: ۶۹۱۰، مسلم شریف: ۶۲/۲، باب دیۃ الجنین، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۱۶۸۱۔

حل لغات: ضرة: سوکن، **العمود:** سہارا، ستون، کھمبا، موٹا بانس کی لکڑی وغیرہ، **فسطاط:** اون کا بنا ہوا خیمہ، ڈیرا، تمبو، ٹینٹ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں تو دونوں نے ایک دوسرے کو پتھر مارے، ایک عورت مرگئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مرگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ پیٹ کے بچہ کی دیت ایک 'غرہ' ہے خواہ وہ غلام ہو یا باندی، اور عورت کی دیت کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ وہ قاتلہ کے عاقلہ پر ہے، جب کہ اس کی میراث اس کے بیٹے کو ملے گی اور جو دیگر وارث اس کے ساتھ ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس عورت کو پتھر مارا گیا تھا اس کے پیٹ کا بچہ تو مرا ہی تھا وہ خود بھی مرگئی تھی، بچہ کے قتل پر غلام یا باندی واجب ہوئی، اس کی وضاحت ما قبل میں ہو چکی ہے، جب کہ عورت کے قتل پر پوری دیت واجب ہوئی، اس سے معلوام ہوا کہ کسی کو پتھر مار کر قتل کرنے سے قصاص واجب نہ ہوگا، بلکہ دیت واجب ہوگی اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ قتل شبہ عمد ہے، قتل عمد نہیں ہے۔ مزید وضاحت آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

مقتولہ کی دیت کا تذکرہ

{۳۳۳۶} وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى بِحَجَرٍ اَوْ عَمُوْدِ فُسْطَاطٍ فَاَلْقَتْ جَنِيْنَهَا فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِيْنِ غُرَّةً عَبْدًا اَوْ اَمَةً وَ جَعَلَهٗ عَلٰى عَصَبَةِ الْمَرْاَةِ هٰذِهٖ رِوَايَةُ التِّرْمِذِيِّ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ ضَرَبَتِ امْرَاَةٌ ضَرَّتَهَا بِعَمُوْدِ فُسْطَاطٍ وَهِيَ حُبْلٰى فَقَتَلَتْهَا قَالَ وَاِحْدٰهُمَا

لِجَنِیْنِھَا قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دِیَۃَ الْمَقْتُوْلَۃِ عَلٰی عَصَبَۃِ الْقَاتِلَۃِ وَغُرَّۃً لِمَا فِیْ بَطْنِھَا۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۶۰، باب ما جاء فی دیۃ الجنین، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۴۱۱، مسلم شریف: ۶۲/۲، باب دیۃ الجنین، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۱۶۸۲۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں جو کہ آپس میں سوکن تھیں ان میں سے ایک نے دوسری پر پتھر پھینکا، یا خیمہ کی لکڑی کھینچ کر ماری، جس کی بنا پر اس کا حمل ساقط ہو گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کی دیت میں ایک 'غرہ' یعنی غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا اور اس کو جنایت کرنے والی عورت کے عاقلہ پر لازم فرمایا، یہ ترمذی کی روایت ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا کہ ایک عورت نے اپنی حاملہ سوکن کو خیمہ کی لکڑی سے مارا، جس کی وجہ سے وہ مر گئی، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک عورت بنولحیان کی تھی، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت کو قاتلہ کے عاقلہ پر لازم کیا، اور پیٹ کے بچہ کی دیت میں "غرہ" واجب کیا۔

تشریح: کانتا ضرتین: ایک شوہر کی دو بیویاں جو آپس میں ایک دوسرے کی ضرۃ یعنی سوکن ہوتی ہیں "**بحجر**" علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "**ای صغیر، او عمود فسطاط**" عین کو فتحہ فاء کو ضمہ نہایہ میں ہے کہ فسطاط سفر میں عارضی رہائش کے لئے جو تیار کیا جاتا ہے خیمہ سے چھوٹا عارضی مکان اسی کو ترجمہ میں تمبو سے تعبیر کیا گیا ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عمود یعنی بانس وغیرہ جو چھوٹا سا ہو اس پر اس کو محمول کیا گیا ہے اس لئے کہ اس سے مارنے سے بالعموم قتل کا ارادہ نہیں کیا جاتا "**فقضی رسول اللہ صلی علیہ وسلم فی الجنین غرۃ**" یہ تنوین کے ساتھ ہے "**عبدا او امۃ**" غرۃ کا بیان ہے یا اس سے بدل "**وجعلہ، ای المقتضی**" اور ایک روایت میں "**جعلھا**" ہے یعنی "**غرۃ**" کو اور یہی ظاہر ہے اس لئے کہ "**جعلہ**" میں مذکور ضمیر ہونے کی وجہ سے "**المقتضی**" کو مقدر ماننا پڑ رہا ہے، "**علی عصبۃ المراۃ**" یعنی اس کے خاندان والوں پر۔

ھذا روایت الترمذی: اس جملہ کو علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان کی اتباع میں صاحب

مظاہر حق نے یہ کہا کہ یہ صاحب مشکوۃ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے ترمذی کی روایت کو فصل اول میں ذکر کر دیا۔ غرض یہ ہے کہ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے، یہ تو ایک ضرورت تھی کہ اس روایت کے فصل اول میں ہونے کی وجہ سے صحیحین میں یا ان میں سے کسی ایک میں ہونے کا شبہ ہو سکتا تھا تو مصنف نے یہ بتا دیا کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت ترمذی کی ہے اور چونکہ اس مضمون کی متصلا بعد میں لکھی جانے والی روایت مسلم کی ہے اس لئے اس کو بھی فصل اول میں نقل کر دیا **"وفی روایۃ مسلم"** یعنی اس معنی کی روایت مسلم میں ہے لیکن اس کے الفاظ **"قال ای المغیرۃ ضربت الخ، لحیان"** لام کے فتحہ و کسرہ کے ساتھ دونوں طرح صحیح ہے یہ ہذیل کے قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲۱/ ۴)

اس حدیث کی مزید وضاحت باب کی حدیث ۲/ میں الدر المنضود: کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصۂ کلام

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو عورتیں ایک ہزلی شخص کے تحت میں یعنی نکاح میں تھیں ان میں سے ایک نے دوسری کے ایک لکڑی اٹھا کر ماردی اور اس کو ہلاک کر دیا، دونوں عورتوں کے اولیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا فیصلہ لے کر گئے، دونوں میں سے ایک کے ولی نے کہا یعنی قاتلہ کے ولی نے کہ کیسے دیت ادا کریں ہم اس بچہ کی جو پیدا ہو کر نہ چیخا اور نہ اس نے کچھ کھایا نہ پیا، اس روایت میں ایک لفظ نہیں ہے، جو دوسری روایت میں ہے، **"ومثل ذالک یطل"** یہ تینوں جملے اس نے مسجع طریقہ سے کہے وقف کے ساتھ، جس پر آپ نے فرمایا کہ کیا کاہنوں کی طرح گا رہا ہے، اور آپ نے اس کے ان جملوں کا کوئی اثر نہیں لیا، اور اس میں ایک غرہ کا آپ نے فیصلہ فرما دیا اور اس کو جنایت کرنے والی عورت کے عاقلہ کے ذمہ قرار دیا، اس روایت میں کافی اختصار ہوا اس واقعہ سے متعلق کئی اجزاء اس کے اندر رہ گئے جو اس کے بعد آنے والی روایات میں مذکور ہیں، اول تو اس روایت میں جنین ہی کا ذکر نہیں ہے، ان عورتوں کا نام جو آپس میں سوکنیں تھیں ایک کا نام ملیکہ تھا اور دوسری کا نام غطیف، یہ دونوں قبیلہ ہزیل سے تھیں۔

اس روایت کے پیش نظر جس کے راوی مغیرہ بن شعبہ ہیں ابو داؤد شریف کے اندر ایک

روایت جس کے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ہیں اس میں "**ان امراتین من ھذیل قتلت احداھما الآخری ولکل واحدۃ منھا زوج وولد**" اس روایت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ دونوں ایک شخص کے نکاح میں نہیں تھیں بلکہ الگ الگ شوہروں کے نکاح میں تھیں، "**فیمکن تعدد الواقعۃ واللہ تعالیٰ اعلم، ولم یتعرض لہ صاحب البذل ولا صاحب العون، فلیفتش**"۔

(الدر المنضود: ۶/۴۱۵)

الفصل الثانی

قتل خطا کی دیت کا تذکرہ

{۳۳۳۷} عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ دِيَةَ الْخَطَاءِ شِبْهُ الْعَمَدِ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَعَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ عَمْرٍو وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔

حوالہ: نسائی شریف: ۲/۱۷۹، باب ذکر الاختلاف علی خالد الحذاء، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۷۹۳، ابن ماجہ: ۲/۱۷۹، باب دیۃ شبہ العمد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۶۲۷، دارمی، ۲/۲۵۹، باب الدیۃ فی شبہ العمد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۳۷۳، ابوداؤد شریف: ۲/۲۲۵، باب فی دیۃ الخطا، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۴۹۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قتل خطا کی دیت شبہ عمد کی دیت کی طرح ہے، یعنی وہ قتل جو کوڑے اور لاٹھی سے واقع ہوا ہو، اس کی

دیت سو اونٹ ہیں، جن میں چالیس ایسی اونٹنیاں ہوں جن کے پیٹ میں بچے ہوں، (نسائی، ابن ماجہ، دارمی) ابوداؤد نے اس روایت کو ابن عمرو اور ابن عمر دونوں سے روایت کیا ہے، اور شرح السنۃ میں ابن عمر سے مصابیح کے الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

تشریح: قتل شبہ عمد یا قتل خطا کی صورت میں قاتل کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا، صرف قتل عمد میں قاتل کو قصاصا قتل کیا جائے گا، قتل عمد یہ ہے کہ کسی کو قصداً دھار دار ہتھیار سے قتل کر دیا جائے، شبہ عمد یہ ہے کہ قتل بالقصد ہو لیکن وہ لاٹھی یا ڈنڈے وغیرہ سے ہو، آلہ دھار دار سے نہ ہو، قتل خطا یہ ہے کہ بغیر قصد وارادہ کے کسی کا قتل ہو جائے، قتل عمد میں اگر مقتول کے ورثا دیت پر راضی ہو جائیں تو ان کو سو اونٹ دیت میں ملیں گے، اور یہ اونٹ قاتل کے مال سے وصول کئے جائیں گے، قتل خطا اور شبہ عمد میں بھی سو اونٹ واجب ہوں گے، اونٹوں کی نوعیت میں کچھ فرق ہے، جس کی وضاحت آئندہ سطور میں کی جائے گی۔

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ شبہ عمد کی دیت میں بالاتفاق تغلیظ ہوتی ہے اور تغلیظ میں اختلاف بھی بتایا جا چکا ہے کہ تغلیظ اثلاثا ہوگی یا ارباعاً

اس حدیث میں ارباعا تغلیظ کا ذکر ہے، اس لئے یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ تغلیظ دیت میں آثار مختلف ہیں اثلاثا بھی ارباعا بھی، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارباعا ثابت ہے۔

(نصب الرایۃ: ۳۵۶/۴)

حنفیہ نے اسی کو لیا ہے دو وجہ سے ایک تو یہ کہ سب تغلیظ میں روایات مختلف ہیں تو وہ مقدار لینی چاہئے جو متیقن ہو اور متیقن اقل درجہ ہے اور اقل مقدار ارباعا کی صورت میں ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ارباعا والا قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے، اور ان کا تفقہ مسلم ہے، تفقہ راوی اس کی روایت کی ترجیح کی اہم وجہ سمجھی جاتی ہے، یہاں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس باب میں جو آثار صحابہ ہیں وہ حکما مرفوع ہیں کیونکہ یہ مسئلہ مقادیر کا ہے اور مقادیر صاحب شریعت کے بتانے سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں، ان میں رائے اور قیاس کا کوئی دخل نہیں، اس لئے مقدار دیت کے متعلق صحابی جب کوئی بات کہیں گے تو اس کو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہہ رہے ہیں یہ ایک مستقل ضابطہ ہے کہ غیر مدرک بالقیاس مسئلہ میں صحابی کا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ (اشرف التوضیح: ۵۲۶/۲)

دیت کے اقسام مع اختلاف ائمہ ذیل میں لکھے جارہے ہیں:

دیت کی انواع واقسام مختلف ہیں، مثلا دیت نفس، دیت اعضاء اور دیت مغلظہ، دیت مخففہ، ہم یہاں دیت مغلظہ اور دیت مخففہ کو بیان کریں گے دیت نفس کا بیان گذر گیا ہے، اور دیت اعضاء کا بیان کچھ گذر گیا ہے کچھ آگے آئے گا۔

ابل دیت کی تفصیل

دیت اگر اونٹ سے دی جائے تو اس کی تعداد بالاتفاق سو ہے قتل خطا کی دیت بالاتفاق اخماسا ہے یعنی سو اونٹ پانچ قسم کے ہر ایک بیس بیس جس میں چار قسمیں تو متفق علیہ ہیں بنت مخاض، بنت لبون، حقہ، جذعہ، پانچویں کی تعیین میں اختلاف ہے۔

حنفیہ وحنابلہ کے یہاں وہ ابن مخاض ہے اور شافعیہ ومالکیہ کے نزدیک ابن لبون، اور شبہ عمد کی دیت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اثلاثاً ہے، حقہ، جذعہ، خلفہ، پہلے دوتیس تیس اور خلفہ چالیس، خلفہ یعنی حاملہ اور شیخین، (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وابویوسف رحمۃ اللہ علیہ) اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شبہ عمد کی دیت ارباعا ہے یعنی سو اونٹ چار قسم کے ہر ایک پچیس، بنت مخاض، بنت لبون، حقہ، جذعہ، اور یہ پہلے گذر چکا ہے کہ امام مالک شبہ عمد کے قائل نہیں۔

دیت کا مصداق کیا کیا چیزیں ہیں

یہ مذکورہ بالا تفصیل تو اس صورت میں ہے جب دیت میں اونٹ دیئے جائیں، اب یہ کہ دیت میں کیا کیا چیزیں دیں جاسکتی ہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دیت میں اصل ابل ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے، اگر اونٹ ملتے ہوں تو وہ دیئے جائیں **"فان لم توجد فقیمۃ مابلغت"** یعنی سو اونٹوں کی قیمت دی جائے گی جہاں تک بھی وہ پہنچ جائے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دیت کا مصداق تین چیزیں ہیں، **"الابل،**

الدراھم، الدنانیر"، امام صاحب کے نزدیک تینوں میں اختیار ہے اور امام مالک کے نزدیک گاؤں والوں کے حق میں ابل متعین ہے اور سونے چاندی والوں کے حق میں سونا چاندی۔

حنابلہ کے قول راجح میں دیت کا مصداق پانچ چیزیں ہیں تین وہ جو اوپر مذکور ہوئیں اور دو اس کے علاوہ **بقر** اور **شاۃ**، اور چوتھا مذہب اس میں صاحبین کا ہے، ان کے نزدیک دیت کا مصداق چھ چیزیں ہیں پانچ اوپر والی اور چھٹی چیز **حلل** ابل کے بارے میں تو گذر چکا کہ وہ بالاتفاق سو ہیں، اور **بقر** کی تعداد دوسو ہے اسی طرح **حلل** کی بھی اور **شاۃ** کی دو ہزار۔ آگے ایک حدیث میں ان چھ چیزوں کا ذکر آرہا ہے، دراہم کی تعداد میں اختلاف ہے امام ترمذی نے ابواب الدیات میں پہلا باب باندھا ہے، **"باب ماجاء فی الدیۃ کم ھی من الابل"** دوسرا باب ہے **"باب ماجاء فی الدیۃ کم ھی من الدارھم"** دوسرے باب میں انہوں نے یہ حدیث ذکر کی **"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ جعل الدیۃ اثنی عشر الفا"**

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ **"والعمل علی ھذا الحدیث عند بعض اھل العلم، وھو قول احمد، واسحاق، ورآی بعض اھل العلم الدیۃ عشرۃ آلاف وھو قول سفیان الثوری اھل الکوفۃ، وقال الشافعی لا اعرف الدیۃ الا من الابل وھی مائۃ من الابل"** دراہم کی تعداد جمہور کے نزدیک بارہ ہزار ہے اور حنفیہ کے نزدیک دس ہزار، روایات دونوں طرح کی ہیں اور **جمع بین الروایتین** یہ ہے کہ دراہم کی دو قسمیں ہیں **وزن ستہ** اور **وزن سبعہ**، **وزن ستہ** کے اعتبار سے بارہ ہزار، اور **وزن سبعہ** کے لحاظ سے دس ہزار، **وزن ستہ** کا مطلب یہ ہے کہ ہر دس درہم چھ مثقال کے برابر ہوں، اور **وزن سبعہ** میں یہ ہے کہ ہر دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں۔

نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے باب میں فرمایا: **"وقد اجمع اھل العلم علی ان الدیۃ توخذ فی ثلاث سنین فی کل سنۃ ثلث الدیۃ، ورأوا ان دین الخطأ علی العاقلۃ الخ"** یعنی دیت پوری دفعۃً نہیں لی جائے گی، بلکہ تین قسطوں میں تین سالوں میں لی جائے گی۔ اور یہ کہ قتل خطا کی دیت قاتل کے عاقلہ پر یعنی عصبہ پر واجب ہوتی ہے، اور پھر اس کے بعد انہوں نے عاقلہ کا مصداق اور اس میں علماء کا اختلاف لکھا ہے اور ہمارے یہاں اس سے پہلے گذر چکا کہ قتل عمد کی دیت قاتل کے مال میں

واجب ہوتی ہے یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

وفی الھدایۃ: والدیۃ فی الخطأ مائۃ من الابل اخماساً، ومن العین الف دینار و من الورق عشرۃ آلاف درھم، وقال الشافعی من الورق اثنا عشر الفا، ولاتثبت الدیۃ الا من ھذہ الانواع الثلاثۃ (الابل والذھب والفضۃ) وقالا منھا ومن البقر مئتا بقرۃ ومن الغنم الفا شاۃ ومن الحلل مئتا حلۃ کل ثوبان، لان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ھکذا جعل علی کل مال منھا"

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان مذکورہ بالا اشیاء سے اسی طرح دیت لینا ثابت ہے جو جس کا اہل تھا اس سے وہی لیا، اہل ابل سے ابل اور اہل دراہم سے دراہم، اور اہل ذہب سے دنانیر۔ اور امام صاحب کی دلیل میں یہ لکھا ہے کہ یہ اشیاء ثلاثہ باقیہ جو ہیں جن کے صاحبین قائل ہیں ان کا ثبوت آثار مشہورہ سے نہیں ہے، اسی لئے امام صاحب نے ان تین کو نہیں لیا۔ (الدر المنضود: ۶/۴۰۶)

مذکورہ تفصیل کا خلاصہ اور حاصل بحث یہ ہے

دیت مغلظہ: سو اونٹنیاں ہیں جن کی تفصیل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس طرح ہے۔

(۱) بنت مخاض (وہ اونٹنی جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہو) ۲۵/عدد

(۲) بنت لبون (وہ اونٹنی جو دو سال کی ہو کر تیسرے سال میں لگی ہو) ۲۵/عدد

(۳) حقہ (وہ اونٹنی جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہو) ۲۵/عدد

(۴) جذعہ (وہ اونٹنی جو چار سال کی ہو کر پانچویں سال میں لگی ہو) ۲۵/عدد

یہ تمام حاملہ ہوں، یہ شبہ عمد کی دیت ہے،

دیت مخففہ: یہ دیت اگر سونے کی قسم سے دی جائے تو ایک ہزار دینار ہوں گے، اور چاندی سے دیں تو دس ہزار دراہم ہوں گے اور اگر اونٹوں سے ادا کریں تو پانچ قسم کے اونٹ دیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱)	ابن مخاض	۲۰/عدد
(۲)	بنت مخاض	۲۰/عدد
(۳)	بنت لبون	۲۰/عدد
(۴)	حقہ	۲۰/عدد
(۵)	جذعہ	۲۰/عدد

یہ قتل خطاء کی دیت ہے، اسی طرح وہ قتل جو خطا کے قائم مقام ہو اور قتل بالسبب کی بھی یہی دیت ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۴/۳۵۸)

عاقلہ کون ہوں گے؟

قتل خطا اور قتل شبہ عمد کی دیت عاقلہ پر ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ عاقلہ کون ہوں گے؟ خاص طور پر ہمارے دور میں یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے، جب قبائلی زندگی تھی اس وقت تو عاقلہ کا تعین آسان تھا کہ قبیلے کے لوگ قریب قریب رہتے تھے، اور ان کے درمیان آپس میں تعاون اور تناصر ہوتا تھا، اس لئے ہر شخص کا قبیلہ اس کا عاقلہ تھی اور وہ دیت ادا کرتا تھا، لیکن موجودہ دور میں اور خاص طور پر شہری زندگی میں عاقلہ کس کو قرار دیا جائے؟ بات یہ ہے کہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاقلہ ہونے کا دار و مدار آپس میں تعاون اور تناصر پر ہے، لہٰذا جن لوگوں کے درمیان باہمی تعاون اور تناصر ہے وہ اس کی عاقلہ ہے، لہٰذا جہاں کوئی قبیلہ ہے اور وہ قبائل منظم ہیں اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کا قبیلہ فلاں ہے تو وہ قبیلہ اس کی عاقلہ ہے اور وہ اس کی دیت ادا کرے، اور اگر قبیلہ نہیں ہے لیکن منظم برادری ہے اور ان کے درمیان آپس میں تعاون اور تناصر ہوتا ہے تو وہ اس کی عاقلہ ہو سکتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کی عاقلہ اس کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ ابتداء میں تو دیت عاقلہ پر ہوتی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اہل دیوان کو عاقلہ مقرر کر دیا تھا، اہل دیوان کا مطلب یہ ہے کہ ایک دیوان (رجسٹر) میں جن

لوگوں کے نام درج ہیں، مثلاً وہ ایک محکمے کے ملازم ہیں، یا مثلاً ایک فوجی یونٹ کے سپاہی ہیں، ان سب کو آپس میں ایک دوسرے کی عاقلہ قرار دیا تھا چاہے قبیلہ کے لحاظ سے وہ آپس میں متحد ہوں یا نہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مدار تعاون اور تناصر پر ہے، لہٰذا جس گروہ کے درمیان باہم تعاون اور تناصر پایا جائے گا اس کو اس کی عاقلہ کہہ سکتے ہیں، اور جہاں یہ پتہ نہ چل سکے کہ اس کی عاقلہ کون ہے؟ تو اس صورت میں دیت خود قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔

دیت عاقلہ پر اس لئے واجب کی ہے کہ عاقلہ اس کو اس قسم کے جرائم سے باز رکھے اور اس کی تربیت اس طرح کرے کہ وہ قتل پر آمادہ نہ ہو، اور اگر کبھی قتل پر آمادہ ہو تو عاقلہ اس کو روکے، اور یہ دیت تین سال میں وصول کی جائے گی، اور ایک فرد سے ایک سال میں تین درہم سے زیادہ وصول نہیں کئے جائیں گے۔ (درس ترمذی: ۵/۵۷)

اعضاء جسم کی دیت

{۳۳۳۸} وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی اَهْلِ الْیَمَنِ وَکَانَ فِیْ کِتَابِهٖ اَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا فَاِنَّهٗ قَوَدُ یَدِهٖ اِلَّا اَنْ یَرْضٰی اَوْلِیَاءُ الْمَقْتُوْلِ وَفِیْهِ اَنَّ الرَّجُلَ یُقْتَلُ بِالْمَرْاَةِ وَفِیْهِ فِی النَّفْسِ الدِّیَةُ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ وَعَلٰی اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفُ دِیْنَارٍ وَفِی الْاَنْفِ اِذَا اُوْعِبَ جَدْعُهُ الدِّیَةُ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ وَفِی الْاَسْنَانِ الدِّیَةُ وَفِی الشَّفَتَیْنِ الدِّیَةُ وَفِی الْبَیْضَتَیْنِ الدِّیَةُ وَفِی الذَّکَرِ الدِّیَةُ وَفِی الصُّلْبِ الدِّیَةُ وَفِی الْعَیْنَیْنِ الدِّیَةُ وَفِی الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّیَةِ وَفِی الْمَاْمُوْمَةِ ثُلُثُ الدِّیَةِ وَفِی الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّیَةِ وَفِی الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشَرَةَ مِنَ الْاِبِلِ وَفِیْ کُلِّ اِصْبَعٍ مِنْ اَصَابِعِ الْیَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الْاِبِلِ وَفِی السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الْاِبِلِ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَفِیْ رِوَایَةِ مَالِكٍ

وَفِي الْعَيْنِ خَمْسُوْنُ وَفِي الْيَدِ خَمْسُوْنَ وَفِي الرِّجْلِ خَمْسُوْنَ وَفِيْ الْمُوْضِحَةِ خَمْسٌ۔

حوالہ: نسائی شریف: ۲۱۸/۱، باب ذکر حدیث عمرو بن حزم، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۷۹۸، دارمی: ۲۵۴/۲/۲۵۳، باب کم الدیۃ من الابل، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۳۶۶، مؤطا مالک: ۳۳۲، باب ذکر العقول، کتاب العقول۔

حل لغات: اعتبط: بلا کسی علت و بیماری کے مرنا، **ادعب الشیء:** جڑ سے اکھاڑنا، **جدعۃ:** ناک کاٹنا یا بدن کا کوئی حصہ کاٹنا، **الصلب:** کمر یعنی ریڑھ کی ہڈی، **المامومۃ:** دماغ کے اوپر، (ام الدماغ) کی کھال کا زخم، **الجائفہ:** اندر تک پہنچنے والی چوٹ، بڑا عیب، **المنقلہ:** وہ زخم جو ہڈی کو اپنی جگہ سے ہٹا دے، **الموضحہ:** وہ زخم جس سے ہڈی نظر آنے لگے، گہرا زخم۔

ترجمہ: حضرت ابو بکر بن عمرو بن حزم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یمن والوں کے پاس خط لکھا، آپ کے خط مبارک میں تھا، کہ جس نے کسی مسلمان کو ناحق قتل کر دیا تو وہ اپنے عمل کی بنا پر قتل کیا جائے گا، سوائے اس کے کہ مقتول کے ورثا راضی ہو جائیں، اور اس گرامی نامہ میں تھا کہ بے شک مرد کو عورت کے عوض میں قتل کیا جائے گا، اور اس میں یہ بھی تھا کہ جان کی دیت سو اونٹ ہیں، اور سونے والوں پر ایک ہزار دینار ہیں، اور ناک میں جب کہ اس کو مکمل طور پر کاٹ دیا جائے دیت سو اونٹ ہیں، دانتوں میں دیت ہے، ہونٹوں میں دیت ہے، فوتوں میں دیت ہے، عضو تناسل میں دیت ہے، پیٹھ میں دیت ہے، آنکھوں میں دیت ہے، ایک ٹانگ کی نصف دیت ہے، اور سر کی جلد زخمی کرنے پر تہائی دیت ہے اور پیٹ میں پہنچنے والے زخم پر تہائی دیت ہے، اور جس کے چوٹ کی وجہ سے ہڈی کھسک جائے اس میں پندرہ اونٹ بطور دیت ہیں، اور ہاتھ پاؤں کی ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں اور دانت میں پانچ اونٹ دیت ہے۔ (نسائی، دارمی) مالک کی روایت میں ہے کہ دونوں آنکھوں کی دیت پچاس اونٹ ہیں، ہاتھ کی دیت پچاس اونٹ ہیں، اور پیر کی دیت پچاس اونٹ ہیں، اور ہڈی کھل جانے والے زخم میں پانچ اونٹ ہیں۔

تشریح: قتل عمد میں قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا، لیکن اگر مقتول کے ورثاء راضی ہو گئے تو دیت بھی لی جا سکتی ہے، دیت میں سو اونٹ دینا ہوں گے، لیکن اگر باہمی رضامندی سے ایک ہزار دینار یا

دس ہزار درہم ادا کئے گئے تو بھی دیت کی ادائیگی ہوجائے گی، جس طرح قتل کرنے کی صورت میں جان کی دیت ہے، اسی طرح اعضاء کو کاٹنے کی صورت میں بھی دیت ہے، مختلف اعضاء کی دیت مختلف ہے۔

جس کی وضاحت حدیث باب میں موجود ہے، اس سلسلہ میں ماقبل میں ضابطہ بھی نقل ہوا ہے کہ اگر کسی ایسے عضو کو کاٹ دیا گیا جس سے جنس منفعت مکمل طور پر فوت ہو جاتی یا انسان کا جمال فوت ہوتا ہو تو وہاں پوری دیت یعنی سو اونٹ واجب ہوں گے کیونکہ جنس منفعت کو فوت کرنا اتلاف نفس کے مانند ہے، لہٰذا پوری دیت واجب ہوگی، اور جہاں نصف منفعت فوت ہوگی وہاں نصف دیت واجب ہوگی اسی کے مانند مزید تفصیل سمجھی جاسکتی ہے، اب چونکہ آنکھ، ناک فوطے وغیرہ کے مکمل طور پر ضائع کرنے سے جنس منفعت فوت ہوتی ہے، لہٰذا ان اعضاء کے بالکلیہ ضائع کرنے والے پر پوری دیت واجب ہوگی۔

(فیض المشکوۃ: ۲/۳۷۲/۶)

"وفی کل اصبع من اصابع الید والرجل عشر من الابل" یعنی ایک پوری دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا، ہاتھ پیر میں دس انگلیاں ہیں ہر ایک پر دس دس اور کل پر ایک سو اونٹ یہ ایک مکمل دیت ہوگی، **"وفی خمس من الابل"** بتیس دانتوں کی دیت کامل یعنی سو اونٹ کو اگر بتیس پر تقسیم کیا جائے تو تین اور اعشاریہ ایک سو پچیس اونٹ ہوتے ہیں یعنی حساب سے ایک دانت کی دیت تین اونٹ اعشاریہ ۱۲۵/ ۳/ اونٹ ہونے چاہئیں، لیکن یہاں فرمایا گیا ہے کہ ایک دانت پر پانچ اونٹ دیت پر واجب ہوں گے، یہ وہی بات ہے جس کو شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مقدار تعبدی ہے، یہاں قیاس وحساب کا دخل نہیں ہے جو فرمایا گیا وہی قانون ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲۳/ ۴، انوار المصابیح: ۶/۴۵۰)

مزید تفصیل مباحث مقدمہ کے ذیل میں گذر گئی ہے۔

دانتوں کی دیت

{۳۳۳۹} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسًا

خَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ وَفِی الْاَسْنَانِ خَمْسًا خَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ۔

حواله: ابو داؤد شریف: ۲/۲۲۸، باب دیات الاعضاء، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۶۶، نسائی شریف: ۲/۲۱۸، حدیث نمبر: ۴۳۷۲، کتاب القسامة، حدیث نمبر: ۴۸۵۲، باب ماجاء فی الموضحة، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۳۹۰، ابن ماجه: ۱۹۱، باب الموضحة، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۶۵۵۔

حل لغات: **المواضح:** یہ **الموضحة:** کی جمع ہے وہ زخم جس سے ہڈی نظر آنے لگے، گہرا زخم، **الفصل:** علاوہ دیگر معنوں کے ایک معنی شاخ کے بھی ہیں۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ گہرے زخموں میں دیت پانچ پانچ اونٹ ہیں، اور دانتوں کی دیت بھی پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (ابو داؤد، نسائی، دارمی)

ترمذی اور ابن ماجہ نے پہلا جز نقل کیا ہے۔

تشریح: **خمسا خمسا من الا بل:** یعنی ان میں سے ہر ایک میں پانچ پانچ اونٹ ہیں، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دخل مقدر کا جواب دیا ہے، یعنی یہ کہ اگر کہا جائے کہ پہلی حدیث میں یہ جملہ موجود ہے، **"وفی الاسنان دیة"** یعنی دانتوں میں پوری دیت ہے اور یہاں **"فی الاسنان خمسا خمسا"** فرمایا جا رہا ہے یعنی صرف پانچ اونٹ دیت میں فرمائے گئے تو دونوں حدیثوں میں اختلاف حکم ہے، جواب اس کا یہ دیا کہ یہاں جمع سے اس کا مفرد معتبر ہے، یعنی اس سے اس کے افراد کا اعتبار کیا گیا ہے، اور ایسا ہوتا ہے، قرآن کریم میں بے شمار جگہوں پر ایسا ہے، جیسے: **"نحن نزلنا"** میں فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا تفرد بے مثال ہے، **"لا اله الا الله، خمسا"** کی تکرار کا فائدہ استیعاب ہے، یعنی پوری دیت اپنے اخماس کے اعتبار سے ابن حاجب نے کہا عرب لفظ کا تکرار دو مرتبہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ اس کے جنس کو باعتبار معنی استیعاب کرلے وہ معنی جس پر لفظ مکرر نے دلالت کیا ہے، **"رواه ابو داؤد والدارمی"** ان حضرات نے دونوں شاخوں یعنی **"موضحه"** اور **"الاسنان"** کا اپنی روایت میں ذکر کیا

ہے اور "روی الترمذی وابن ماجه الفصل الاول" نے صرف "الموضح خمسا خمسا" کا ذکر کیا ہے اور "فی الاسنان" کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۴/۲۵)

انگلیوں کی دیت میں باہم فرق نہیں

{۳۳۴۰} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءً۔ (رواه ابوداؤد والترمذی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/۶۲۷، باب دیات الاعضاء، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۶۱، ترمذی شریف: ۱/۲۵۸، باب ما جاء فی دیة الاصابع، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۳۹۱۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کو برابر قرار دیا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہاتھ اور پیروں کی انگلیوں کے درمیان دیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں، انگلی چھوٹی ہو یا بڑی اس سے فرق نہیں پڑتا، کیونکہ منفعت میں سب برابر ہیں۔ مزید تفصیل گذر گئی ہے۔

دانتوں کی دیت میں باہم فرق نہیں

{۳۳۴۱} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَصَابِعُ سَوَاءٌ وَالْاَسْنَانُ سَوَاءٌ اَلثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَاءٌ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۲/۶۲۷، باب دیات الاعضاء، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۵۹۔

حل لغات: **الثنیة:** سامنے والے چار دانتوں میں سے ایک، **الضرس:** داڑھ یہ مذکر ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگلیاں برابر ہیں، دانت برابر ہیں، سامنے کے دانت اور داڑھ برابر ہیں اور یہ اور یہ یعنی چھنگلیاں اور انگوٹھا برابر ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح: جس طرح انگلیوں کی دیت برابر ہے ہر انگلی کی دیت خواہ وہ ہاتھ کی انگلی ہوں یا پیر کی بڑی ہو یا چھوٹی دس اونٹ ہیں اسی طرح تمام دانتوں کی دیت بھی برابر ہے، ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ ہیں خواہ وہ دانت سامنے کا ہو یا پیچھے کا، چھوٹا ہو یا بڑا داڑھ ہو یا غیر داڑھ دیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ذمی کافر کی دیت

{۳۳۴۲} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا حِلْفَ فِي الْاِسْلَامِ وَمَا كَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ لَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا شِدَّةً لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ دِيَةٌ سَوَاهُمْ يُجِيْرُ عَلَيْهِمْ اَدْنَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ اَقْصَاهُمْ يَرُدُّ سَرَايَاهُمْ عَلٰى قَعِيْدَتِهِمْ لَا دُوْرِهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ دِيَةُ الْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۶۳۰، باب فدیۃ الذمی، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۸۳۔

حل لغات: **الحلف:** معاہدہ، گٹھ جوڑ، باہمی اتحاد، تعاون، **الشدۃ:** مضبوطی، سختی، دباؤ، **اجارہ:** پناہ دینا، مدد کرنا، **ردہ:** لوٹانا، واپس کرنا، **السریۃ:** فوج کی ایک ٹکڑی فوجی دستہ (پانچ سے تین سو افراد پر مشتمل)۔ **القعید:** محافظ، ہم نشین، **جلب الشیئ:** لانا، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، حاصل کرنا، **جنب:** دور رہونا، الگ ہونا، **الدور:** جمع، دار، گھر۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اے لوگو! اسلام میں عہد کرنا جائز نہیں ہے، جو عہد و پیمان زمانہ جاہلیت میں تھا اسلام اس کو بہر حال مضبوط ہی کرے گا، تمام مسلمان دوسروں کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، ایک ادنی مسلمان بھی تمام مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے، اور ان میں کا سب سے دور دراز کا آدمی ان پر لوٹائے گا، ان کے فوجی دستے لوٹائیں گے اپنے بیٹھنے رہنے والے لشکریوں کو، کوئی مؤمن کسی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، کافر کی دیت مسلمان کی دیت کی آدھی ہے، نہ منگانا درست ہے اور نہ دور لے جانا جائز ہے، زکوٰۃ ان کے گھر پر جا کر وصول کی جائے گی، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عہد والے کی دیت آزاد والے کی دیت کی آدھی ہے۔ (ابوداؤد)

اس حدیث میں درج ذیل اہم باتیں مذکور ہیں

(۱)...... اہل جاہلیت قتل و قتال اور فتنہ و فساد کی غرض سے جو معاہدہ کرتے تھے، اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے، البتہ کمزوروں اور مظلوموں کی اعانت و نصرت سے متعلق زمانہ جاہلیت میں جو معاہدے ہوتے تھے، ان کو اسلام نے نہ صرف برقرار رکھا ہے، بلکہ اس میں شدت و پختگی کی تعلیم دی ہے۔

(۲)...... تمام مسلمان ایک ہاتھ کے مانند ہیں، لہٰذا ان کو ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہیے، امت مسلمہ کے علاوہ جو بھی دیگر اقوام ہیں ان کے مقابلہ میں تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے معاون رہنا چاہیے، آپسی اختلاف و انتشار کو بالائے طاق رکھ کر اغیار کا مقابلہ متفق و متحد ہو کر کرنا چاہیے۔

(۳)...... مسلمانوں کا ادنی ترین فرد مثلاً غلام یا عورت کسی کافر کو امان دے دیں تو سب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اس کافر کو امان دے دیں۔

(۴)......اگر کسی ایسے مسلمان نے جو دارالحرب سے دور ہے کسی کافر کو امان دے رکھی ہے تو دارالحرب کے قریب رہنے والے مسلمانوں کے لئے اس امان کو توڑنا جائز نہیں ہے۔

(۵)......اسلامی لشکر نے دارالحرب پہنچ کر کسی جگہ قیام کیا پھر وہاں سے لشکر کا ایک حصہ قتال کی غرض سے کسی علاقہ میں گیا، اور وہاں سے مال غنیمت لے کر لوٹا تو مال غنیمت صرف اسی حصہ کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ تمام لشکریوں میں تقسیم ہوگا۔

(۶)......کوئی مسلمان اگر کافر حربی کو قتل کرے تو بالاجماع مسلمان کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا لیکن ذمی کافر کو اگر مسلمان نے قتل کیا تو اس وقت مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

(۷)......حربی کافر کی کوئی دیت نہیں ہے، ذمی کافر کی دیت میں اختلاف ہے بعض لوگوں کے نزدیک ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح پوری ہے، جب کہ بعض کے نزدیک آدھی دیت ہے اور بعض کے نزدیک تہائی ہے۔

(۸)......زکوۃ وصول کرنے والے کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ کسی جگہ قیام کرلے اور جانوروں کے مالکوں سے کہے کہ اپنے جانور یہاں لے آؤ۔

(۹)......زکوۃ دینے والے کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو دور دراز لے کر چلے جائیں اور زکاۃ وصول کرنے والے سے کہیں کہ تم یہاں آؤ۔ یہ دونوں باتیں ٹھیک نہیں ہیں، اس لئے کہ ایک صورت میں زکوۃ دینے والوں کے لئے زحمت ہے اور دوسری شکل میں زکوۃ وصول کرنے والے والوں کے لئے سخت مشقت ہے۔

(۱۰)......زکوۃ دینے والے اپنے جانوروں کے ساتھ اپنے گھر پر رہیں اور زکواۃ وصول کرنے والا گھر جا کر زکوۃ وصول کرے، اس میں کسی کو پریشانی نہیں ہوگی۔

ولا حلف فی الاسلام: زمانہ جاہلیت میں دو طرح کے عہد و پیمان رائج تھے۔

(۱)......لڑائی کو نسلاً بعد نسل جاری رکھیں گے، ایک دوسرے کا تاوان ادا کریں گے، لڑائی، جھگڑے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، اس عہد و پیمان کو اسلام نے ختم کر دیا۔

(۲)......حقوق کی حفاظت کی جائے گی، صلہ رحمی کا خیال رکھا جائے گا، مظلوموں کی اعانت کی

جائے گی، اس عہد کو اسلام نے باقی رکھا ہے اور اس کو مضبوط کرنے کی ہدایت بھی دی۔

المؤمنون ید علی من سواہم: سارے مسلمان بھائی ہیں، چنانچہ اعلیٰ اور ادنیٰ کا فرق مٹ گیا، لہٰذا معاشرہ میں جس مسلمان کو ادنیٰ سمجھا جاتا تھا اگر وہ بھی کسی کافر کو اپنی پناہ میں لے لے تو تمام مسلمان اسکی پناہ کی لاج رکھیں اور جس کو اس نے پناہ دی اس سے تعرض کرنے سے گریز کریں گے۔

ویرد علیہم اقصاہم: دارالحرب کے قریب کے مسلمان جو کہ اس کے پاس رہنے والے ہیں اس امان و پناہ کی رعایت کریں اور اس کافر سے تعرض نہ کریں۔ **"یرد سرایاھم"** مال غنیمت میں تمام مجاہدین کو حصہ ملے گا، خواہ انہوں نے قتال میں حصہ لیا یا نہ لیا ہو، کیونکہ ایک جماعت قتال کرتی ہے اور دوسری جماعت اس جماعت اور دیگر چیزوں کی حفاظت پر مامور رہتی ہیں، لہٰذا مال غنیمت میں سب شریک ہوں گے۔

لا یقتل مؤمن بکافر: کافر حربی کو قتل کرنے کی صورت میں مسلمان قتل نہ کیا جائے گا، اگر کسی مسلمان نے ذمی کو قتل کیا ہے تو مسلمان قصاصاً قتل کیا جائے گا، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، شوافع وغیرہ کے نزدیک ذمی کافر کے مقابلہ میں بھی مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا، تفصیل کے لئے عالمی حدیث دیکھیں۔

دیۃ الکافر نصف دیۃ المسلم: کافر کی دیت مسلم کی دیت کی آدھی ہے، کافر سے یہاں ذمی مراد ہے، ورنہ حربی کافر کی بالاتفاق کوئی دیت نہیں ہے۔

ذمی کی دیت اور اختلاف ائمہ

ذمی کی دیت میں اختلاف ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی دیت **"نصف دیۃ المسلم"** اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک **"ثلث دیت المسلم"** کے برابر ہے، اور حنفیہ کے نزدیک ذمی کی دیت **"دیت المسلم"** کے برابر ہے، لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ اس وقت ہے جب قتل خطا ہو، اور اگر اس ذمی کا قتل قتل عمد ہے یعنی کسی مسلمان نے اس کو عمداً قتل

کیا ہے تو قصاص تو البتہ نہیں ہے ان کے نزدیک لیکن دیۃ المضاعف ہوگی یعنی پوری بارہ ہزار درہم، اور حنفیہ کے مسلک کے بارے میں خطابی فرماتے ہیں۔

وقال اصحاب الرأی وسفیان الثوری دیتہ دیۃ المسلم، ہو قول الشعبی والنخعی ومجاھد وروی ذلك عن عمرو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما قلت والدلیل للحنفیۃ ما قال فی الھدایۃ، ولنا قولہ علیہ الصلاۃ والسلام: ودیۃ کل ذی عھد فی عھدہ الف دینار، قال الزیلعی اخرجہ ابوداؤد فی المراسیل عن سعید بن المسیب قال قال رسول اللہ علیہ وسلم دیۃ کل ذی عھد فی عھدہ الف دینار انتھی، واخرج الترمذی بسندہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودی العامریین بدیۃ المسلمین وکان لھما عھد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی آخر ما فی البذل"۔

یہ روایت ترمذی میں اور امام ترمذی نے اس کو ایک مستقل باب بلا ترجمہ میں ذکر کیا ہے، اور جن عامریین کی دیت کا اس میں ذکر ہے اس کے بارے میں تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ ان دونوں شخصوں کو عمرو بن امیۃ الضمری نے قتل کر دیا تھا ان کو ان کا ذمی ہونا معلوم نہ تھا، اور آپ ﷺ نے ان کی دیت وہی دلوائی جو مسلمان کی ہوتی ہے، نیز ظاہر قرآن کریم سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

قال تعالیٰ: وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ" اور اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جو (مسلمان نہیں ہیں) ان کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہے تو بھی یہ فرض ہے کہ خون بہا وارثوں تک پہنچایا جائے۔ (سورۃ النساء) اس آیت میں ذمی کے لئے مطلق دیت فرمایا گیا ہے اور دیت مطلقہ ظاہر ہے کہ وہی ہے جو دیت مسلم ہے۔ (الدر المنضود: ۴۲۰/ ۶)

لاجلب ولاجنب: زکوۃ وصول کرنے والا ارباب مال سے بہت دور کسی جگہ قیام کرے اور مالکان کو مجبور کرے کہ مال لے کر اس کے پاس آئیں یہ جلب ہے، اس میں ارباب مال کو دشواری ہے لہٰذا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ارباب مال اپنے جانور وغیرہ کو لے کر دور چلے جائیں اور عامل کو مجبور کریں کہ وہ ان کے پاس آ کر زکوۃ وصول کرے یہ جنب ہے، اس میں عامل کو

مشقت ہوگی آپ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے، **"ولا یؤخذ صدقاتھم الا فی دورھم"** زکوۃ وصول کرنے والے ارباب مال کے گھر جا کر ان سے مال وصول کریں، یہ درحقیقت۔

لاجلب ولاجنب: کی تفسیر وتاکید ہے، مستقل کوئی حکم نہیں ہے۔

دیۃ المعاہد نصف دیۃ الحر: معاہد سے ذمی مراد ہے، اور الحر سے مسلمان مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی آدھی ہے، مسئلہ مختلف فیہ ہے، وضاحت ہو چکی ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۶/۳۷۷)

غلطی سے ہوئے قتل کی دیت

{۳۳۴۳} **وَعَنْ** خِشْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَضىٰ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيَةِ الْخَطَاءِ عِشْرِيْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرِيْنَ ابْنَ مَخَاضٍ ذُكُوْرٍ وَعِشْرِيْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَعِشْرِيْنَ جَذَعَةً وَعِشْرِيْنَ حِقَّةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَخِشْفٌ مَجْهُوْلٌ لَا يُعْرَفُ اِلاَّ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَرَوَى فِي شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَى قَتِيْلَ خَيْبَرَ بِمِائَةٍ مِنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ وَلَيْسَ فِي اَسْنَانِ اِبِلِ الصَّدَقَةِ اِبْنُ مَخَاضٍ اِنَّمَا فِيْهَا اِبْنُ لَبُوْنٍ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۵۸، باب ماجاء فی الدیۃ کم ھی من الابل، کتاب الدیات حدیث نمبر: ۱۳۸۶، ابوداؤد شریف: ۲/۲۲۵، باب الدیۃ کم ھی، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۴۵، نسائی شریف: ۲/۲۱۴، باب ذکر اسباب دیۃ الخطاء، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۸۰۲، شرح السنۃ: ۱۰/۱۸۶/۱۸۸، باب الدیۃ، کتاب القصاص، حدیث نمبر: ۲۵۳۶۔

حل لغات: بنت مخاض: وہ اونٹنی جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں لگی ہو، ابن

مخاض: وہ اونٹ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں لگ گیا ہو، **بنت لبون:** وہ اونٹنی جو دوسال پورے کر کے تیسرے سال میں لگ گئی ہو، **جذعہ:** وہ اونٹنی جو چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں لگ گئی ہو، **حقۃ:** وہ اونٹنی جو تین سال پورے کر کے چوتھے سال میں لگ گئی ہو۔

ترجمہ: حضرت خشف بن مالک، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطاء کی دیت میں فیصلہ فرمایا بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس جذعہ اور بیس حقہ کا۔ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

اس حدیث کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، اور یہ **'خشف'** غیر معروف راوی ہیں، ان کو صرف اس حدیث کے ذریعہ سے جانا جاتا ہے اور شرح السنۃ میں روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی دیت میں جو خیبر میں قتل کر دیا گیا تھا صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ دیئے تھے اور صدقہ کے ان اونٹوں میں کوئی بھی اونٹ ابن مخاض نہ تھا، بلکہ وہ ابن لبون تھے۔ (یعنی اونٹ ایک سال کے نہ تھے بلکہ دو سال کے تھے)

تشریح: اس حدیث میں قتل خطاء کی دیت کا ذکر ہے، قتل خطاء میں بطور دیت سو اونٹ واجب ہوتے ہیں اور یہ سو اونٹ پانچ نوع کے ہوتے ہیں انواع کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

عن خشف: خاء کو کسرہ ہے شین ساکن ہے، **"ابن مالک"** یہ مالک طائی ہیں انہوں نے حدیث کی روایت اپنے باپ، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کی ہے اور ان سے روایت کرنے والے زید ابن جبیر ہیں۔

والصحیح انہ موقوف علی ابن مسعود: اگر صاحب مصابیح کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ یہ ابن مسعود پر موقوف ہے تو علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ یہ موقوف بھی حکم میں مرفوع کے ہے اس لئے کہ مقادیر میں رائے کا دخل نہیں ہوتا بلکہ جو صحابی بھی مقادیر کو بیان کرے گا اس میں یہ مسلم ہے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی بیان فرمایا ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی مسلم ہے کہ اگر کوئی حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے ہو تو مرفوع کا ہی اعتبار

کیا جائے گا۔

وخشف مجهول لا يعرف الا بهذا الحديث: علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے مجہول ہونے کی یہ وجہ کہ ان کو صرف اسی حدیث کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ایک روایت تو یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے اور دوسری روایت انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی ہے، اور راوی کے معروف ہونے کے لئے یہ مسلم ہے کہ کم از کم دو حضرات سے روایت کرتا ہو اور یہ کہ صاحب مصابیح کا ان کو مجہول کہنا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ان سے پہلے جو حضرات اس حدیث کے مخالف ہیں انہوں نے ان کو مجہول کہا ہے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے انہوں نے لکھا ہے: **"خشف ابن مالک سمع عمرو ابن مسعود"** اسی پر علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا کہ بخاری کا یہ قول **"لا يجعله من المشهورين"** یعنی ان کو مشہور راویوں میں سے نہیں بناتا اس پر ہمارے محدث علامہ قاری نے فرمایا ہاں تو صحیح ہے کہ مشہور راوی نہیں بناتا لیکن مجہولین سے تو نکال ہی دیتا ہے۔ (شرح الطیبی: ۹۲/۷)

مسالک: شرح السنہ میں ہے کہ قتل خطاء میں اکثر اہل علم کے نزدیک ۲۵، ۲۵ رہیں (اخماس) البتہ اس کی تقسیم میں اختلاف ہوا ہے، علماء کی ایک جماعت نے کہا تقسیم اس طرح ہے: بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس ابن لبون، بیس حقہ، بیس جذعہ اور یہی مسلک لیث، امام مالک، امام شافعی & کا ہے، اور ایک جماعت نے ابن لبون کے بجائے ابن مخاض کہا ہے اور انہوں نے اسی حدیث سے حجت قائم کی ہے علامہ شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان کی دلیل صحاح ستہ کی وہ حدیث ہے جس کے راوی سہل ابن ابی حثمہ ہیں جس میں ہے۔

وداه النبي صلى الله عليه وسلم بمائة من الا بل: اور بنو مخاض کا صدقات میں کوئی دخل نہیں ہے اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو شیخین کے علاوہ چاروں ائمہ حدیث نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، روایت یہ ہے **"عن حجاج ابن ارطاط عن زيد ابن جبير عن خشف ا بن ما لک الطائی عن عبد الله ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم في دية الخطاء عشرون حقة، وعشرون جذعة، وعشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون**

وعشرون بني مخاض ذکر" حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قتل خطاء میں بیس حقے، تیس جذعہ، بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس ابن مخاض ہیں۔

اور خشف کی نسائی نے توثیق کی ہے اور ابن حبان نے ان کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے، اور زید بن جبیر وہی ہیں جن کی توثیق ابن معین وغیرہ نے کی ہے، اور صحیحین میں ان سے تخریج کی ہے **"لیس في اسنان ابل الصدقة ابن مخاض، لیس"** کے بعد جملہ حالیہ ہے اور ممکن ہے کہ یہ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہو اور اس سے انہوں نے رد کیا ہے اس سے پہلے حدیث کا جس میں ثابت کیا ہے کہ اس میں ابن مخاض تھا۔

انما فیها ابن لبون: صدقات کے اونٹوں میں ابن لبون تھے گویا یہ مسلک احناف کا رد ہے اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ابن مخاض کہتے ہیں، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

انما فیها ابن لبون: کی بنیاد اس پر ہے جس کو ابن شہاب نے سلیمان بن یسار سے روایت کیا ہے، جب کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابن مخاض ہی روایت کیا ہے اور موطا امام مالک کے باب۔

دیة الخطاء: میں ایسا ہی موجود ہے، علامہ شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

قتیل خیبر: کے اولیاء کو صدقہ کے اونٹوں سے دیا تھا اور وہ تبرعا تھا اس کو آپ نے حکم (قانون شرع) قرار نہیں دیا اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں یہ فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو صدقات میں سے دیکر ان کا مالک بنا دیا تھا ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خریدا تھا، اور پھر شہداء کے وارثین پر ان کو تبرعا تقسیم فرمایا تھا۔

اصل دیت اونٹ ہیں

{۳۳۴۴} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ

تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَتْ قِيْمَةُ الدِّيَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانُ مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْ ثَمَانِيَةِ اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَدِيَةُ اَهْلِ الْكِتَابِ يَوْمَئِذٍ النِّصْفُ مِنْ دِيَةِ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ فَكَانَ كَذَالِكَ حَتّٰى اسْتُخْلِفَ عُمَرُ فَقَامَ خَطِيْبًا فَقَالَ اِنَّ الْاِبِلَ قَدْ غَلَتْ قَالَ فَفَرَضَهَا عُمَرُ عَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفَ دِيْنَارٍ وَعَلٰى اَهْلِ الْوَرَقِ اِثْنَيْ عَشَرَ اَلْفًا وَعَلٰى اَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْ بَقَرَةٍ وَعَلٰى اَهْلِ الشَّاءِ اَلْفَيْ شَاةٍ وَعَلٰى اَهْلِ الْحُلَلِ مِائَتَيْ حُلَّةٍ قَالَ وَتَرَكَ دِيَةَ اَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَرْفَعْهَا فِيْمَا رَفَعَ مِنَ الدِّيَةِ۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۶۲۵، باب الدیة کم هی، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۴۲۔

حل لغات: علی السعر: بھاؤ بڑھنا، **هاجت، من هاج، اذا ثرا لی ظهرت:** یہ علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ لغت میں، **هاج الشی:** جوش مارنا، **هاج القوم:** جوش میں آنا اور، **قار:** کے معنی بھی اسی سے ملتے جلتے ہیں اور یہاں پر معنی وہی مراد ہیں جو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بتائے ہیں، **رخص:** ارزانی، سستائی، مندی۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی، اور اہل کتاب کی اس زمانہ میں دیت مسلمانوں کی دیت کی آدھی تھی، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے تک اسی کے مطابق عمل تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنائے گئے خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سونے والوں پر ایک ہزار دینار، چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم، گائے والوں پر دو سو گائیں، بکری والوں پر دو ہزار بکریاں اور جوڑے والوں پر دو سو جوڑے دیت مقرر فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کی دیت جوں کی توں برقرار رکھی، دیگر دیتوں کے مانند اس میں اضافہ نہیں فرمایا۔ (ابو داؤد)

تشریح: اصل دیت سو اونٹ ہیں، چاندی اور سونے کے ذریعہ ادا کی جانے والی دیت اونٹ

کی قیمت کے اعتبار سے مقرر کی جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب محسوس کیا کہ اونٹوں کی قیمت بڑھ گئی ہے تو دراہم اور دنانیر کے ذریعہ ادا کی جانے والی دیت میں اضافہ فرمادیا لیکن اس اضافے کو ذمیوں پر لاگو نہیں کیا، ان کی دیت حسب سابق رکھی۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ دیت میں اصل اونٹ ہیں اور اگر اونٹ نایاب ہوجائیں تو انکی قیمت واجب ہوگی خواہ انکی قیمت کچھ بھی ہوجائے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جدید یہی ہے اور اس سے پہلے درہم و دینار کی جو مقدار بتائی گئی ہیں ان کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ اس زمانہ میں اونٹوں کی جو قیمت تھی اس کے اعتبار سے ان کی قیمت لگا کر بتائی گئی ہے نہ کہ مطلقا دیت کی مقدار بتائی گئی ہے۔

دیت بارہ ہزار درہم

{۳۳۴۵} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ جَعَلَ الدِّیَۃَ اِثْنَیْ عَشَرَ اَلْفًا۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۵۸، باب ما جاء فی الدیۃ کم ھی من الدراھم، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۱۳۸۸، ابوداؤد شریف: ۲/۶۲۵، باب الدیۃ کم ھی، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۴۶، نسائی شریف: ۲/۲۱۴، باب ذکر الدیۃ من الورق، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۸۰۳، دارمی: ۲/۲۵۲، باب کم الدیۃ من الورق والذھب، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۳۶۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار درہم دیت مقرر فرمائی تھی۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: اگر کوئی صاحب درہم سے دیت ادا کرنا چاہتے ہیں تو وہ بارہ ہزار درہم دیت ادا کریں، یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے، ان کے نزدیک دراہم سے بارہ ہزار دراہم دیت ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دراہم سے دیت دس ہزار درہم ہیں۔

جعل الدیۃ اثنی عشر الفاً: آپ ﷺ نے بارہ ہزار درہم دیت مقرر فرمائی ہے یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ درہم سے دیت کی مقدار دس ہزار درہم ہیں یہی امام صاحب کا مذہب ہے، بیہقی میں روایت ہے کہ **"عن عمر رضی اللہ عنہ انہ فرض علی اھل الذھب فی الدیۃ الف دینار و من الورق عشر آلاف درھم"** حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اہل ذہب (سونے والوں) پر دیت میں ایک ہزار دینار اور چاندی والوں سے دس ہزار درہم مقرر فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دس ہزار درہم کے علاوہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا جانا بھی ثابت ہے، دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دور میں دو طرح کے درہم رائج تھے، جو کم وزن کا درہم تھا، اس سے بارہ ہزار درہم دیت بنتی تھی، اور زیادہ جو وزن کا تھا اس سے دیت دس ہزار بنتی تھی۔

(فیض المشکوۃ: ۶/۳۷۹)

دیت کے حق دار کون ہیں

{۳۳۴۶} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَوِّمُ دِيَةَ الْخَطَاءِ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى أَرْبَعَ مِائَةِ دِيْنَارٍ أَوْ عَدْلَهَا مِنَ الْوَرَقِ وَيُقَوِّمُهَا عَلَى أَثْمَانِ الْإِبِلِ فَإِذَا غَلَتْ رَفَعَ فِيْ قِيْمَتِهَا وَإِذَا هَاجَتْ رُخْصٌ نَقَصَ مِنْ قِيْمَتِهَا وَبَلَغَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَرْبَعِ مِائَةِ دِيْنَارٍ إِلَى ثَمَانِ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَعَدْلُهَا مِنَ الْوَرَقِ ثَمَانِيَةُ الْآفِ دِرْهَمٍ قَالَ وَقَضَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَقْلَ مِيْرَاثٌ بَيْنَ وَرَثَةِ الْقَتِيْلِ وَقَضَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَقْلَ الْمَرْأَةِ بَيْنَ عَصَبَتِهَا وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۶۲۷، باب دیات الاعضاء، کتاب الدیات، حدیث

نمبر: ۴۵۶۴، نسائی شریف: ۲/۲۱۴، باب ذکر الاختلاف خالد الحذاء، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۸۰۱۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قتل خطا کی دیت چار سو دینار یا اس کے مساوی قیمت کی چاندی بستی والوں پر مقرر فرماتے تھے، اور یہ قیمت اونٹوں کی قیمت کے برابر ہوتی تھی، جب اونٹ مہنگے ہوجاتے تو قیمت بڑھا دیتے اور جب اونٹ سستے ہوجاتے تو قیمت گھٹا دیتے، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیت کی مقدار چار سو سے آٹھ سو دینار تک رہی اور اس کے برابر چاندی یعنی آٹھ ہزار درہم رہے، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گائے والوں پر دو سو گایوں کا اور بکری والوں پر دو ہزار بکریوں کا فیصلہ فرمایا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ دیت مقتول کے وارثوں کے درمیان میراث ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے خاندان والوں پر ہے اور قاتل کسی چیز کا وارث نہ ہوگا۔ (ابوداوٗد، نسائی)

تشریح: اس حدیث سے بھی بظاہر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اصل دیت اونٹ ہیں، اگر اونٹ میسر ہیں تو دیت میں سو اونٹ دیئے جائیں گے، اگر کسی جگہ اونٹ ملنا ممکن نہ ہو تو درہم و دنانیر کے ذریعہ دیت ادا کی جائے گی لیکن درہم و دنانیر متعین نہیں ہیں بلکہ سو اونٹوں کے جتنے دراہم یا جتنے دنانیر بنتے ہوں وہ ادا کئے جائیں جب دراہم و دینار کا یہ معاملہ ہے تو گائے اور بکری وغیرہ میں بھی یہی قاعدہ ہوگا، آنحضرت ﷺ نے جس وقت گائے اور بکری کو دیت میں دیے جانے کا فیصلہ کیا ہوگا اس وقت سو اونٹ کی قیمت کے مساوی یہی مقدار ہوگی، اس سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ما قبل میں گذر چکا ہے، دیکھ لیا جائے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس طرح مرد نے اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو اس کی دیت عاقلہ پر واجب ہوتی ہے اسی طرح اگر عورت نے قتل کیا ہے تو اس کی دیت بھی خود اس پر واجب نہ ہوگی، بلکہ اس کے عاقلہ پر واجب ہوگی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قاتل میراث سے محروم ہوگا، یعنی مقتول کے ترکہ سے قاتل کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اسی طرح مقتول کی دیت سے بھی قاتل کو کچھ نہ ملے گا، مقتول کی دیت مقتول کے ورثاء کے درمیان میراث کے ضابطہ سے تقسیم ہوگی۔ (فیض المشکوٰۃ: ۶/۳۸۰)

یقوم دیۃ الخطای: یعنی حضور ﷺ قتل خطاء کی دیت کی قیمت اہل قری کے حق میں چارسو دینار متعین فرمائی تھی یا اس کی قیمت کے برابر چاندی اور دیت کی مقدار متعین کرنے میں اونٹوں کی قیمت کا اعتبار کرتے تھے، جب اونٹ گراں ہوتے تھے تو قیمت دیت آپ بڑھا دیتے تھے اور جب وہ سستے ہوتے تھے تو قیمت گھٹا دیتے تھے اور دیت کی قیمت آپ کے زمانہ میں چارسو دینار سے آٹھ سو دینار تک رہی ہے یا اس کے برابر آٹھ ہزار درہم۔

حاصل یہ کہ دیت میں اونٹوں کی تعداد تو متعین ہے اس میں کوئی کمی زیادتی نہیں، اور اگر کوئی شخص بجائے اونٹوں کے دراہم اور دنانیر دے تو وہ اونٹوں کی قیمت کے اعتبار سے ہی دی جائیگی۔

(الدر المنضود: ۶/۴۱۱)

شبہ قتل عمد میں دیت ہے

{۳۳۴۷} **وَعَنْه** عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَقْلُ شِبْهِ الْعَمَدِ مُغَلَّظٌ مِثْلَ عَقْلِ الْعَمَدِ وَلَا یُقْتَلُ صَاحِبُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۶۲۸، باب دیات الاعضاء، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۶۵۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بے شک حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ شبہ عمد قتل کی دیت قتل عمد کی طرح سخت ہے، شبہ عمد کے قتل کے مرتکب کو قتل نہ کیا جائے گا۔ (ابو داؤد)

تشریح: قتل عمد میں اولیاء کو قصاص لینے کا حق حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر فریقین راضی ہوں، تو دیت بھی لی جاسکتی ہے، لیکن یہ دیت قتل خطا کی دیت سے سخت ہوتی ہے، جس شخص نے قتل عمد کا ارتکاب کیا ہے، قصاص میں قتل تو نہیں کیا جائے گا، البتہ اس قاتل پر بھی قتل عمد کی طرح دیت مغلظہ ہی واجب ہوگی۔

زخمی آنکھ کی دیت

{۳۳۴۸} **وَعَنْہ** عَنْ اَبِیہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْعَیْنِ الْقَائِمَۃِ السَّادَۃِ لِمَکَانِہَا بِثُلُثِ الدِّیَۃِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۶۲۸، باب دیۃ الاعضاء، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۶۷، نسائی شریف: ۲/۲۱۷، باب العین العوراء، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۸۴۰۔

حل لغات: **السادة**: کھلی ہوئی آنکھ جو اچھی طرح نہ دیکھ سکے، **قام الدھر**: سدھرنا، اعتدال پر آنا، **قام الماء**: راستہ نہ ملنے کی وجہ سے پانی کا ٹھہر جانا۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی زخمی آنکھ کے بارے میں تہائی دیت کا فیصلہ فرمایا جو کہ اپنی جگہ باقی رہے اور اس کی روشنی چلی جائے۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک آنکھ کی روشنی ضائع کرنے پر تہائی دیت واجب فرمائی، یہ قاعدہ شرعیہ نہیں ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ کا فیصلہ بطریق حکومت ہے، شرعی ضابطہ کی روشنی میں تو دونوں کی بینائی زائل کرنے پر پوری دیت ہے اور ایک آنکھ کی روشنی ضائع کرنے پر آدھی دیت ہے۔

شرح الحدیث من حیث الفقہ وبیان المذاہب

آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اس آنکھ کے بارے میں جس کی روشنی ضائع ہو چکی تھی لیکن وہ چہرہ پر اپنی جگہ قائم تھی اور چہرہ کی ہیئت نہیں بگڑی تھی تو آپ نے اس کے بارے میں ثلث دیت کا فیصلہ فرمایا، یہ حدیث جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے خلاف ہے، صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت

اس کے موافق ہے ورنہ سب علماء کی رائے اس میں یہ ہے کہ اس صورت میں عدل ہے یعنی ایک عادل شخص کا فیصلہ، ہدایہ: ۴/۵۷۵، میں ہے: **"وفیما دون الموضحة حکومة العدل لانه لیس فیها ارش مقدر ولا یمکن اهداره فوجب اعتباره بحکم العدل"** یعنی موضحہ میں چونکہ دیت منصوص ہے اس میں وہی واجب ہوگی اور جس زخم کا اثر اس سے کم ہو اس میں حکومت عدل واجب ہے، اور حکومت عدل کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ حر کے بجائے اس شخص کو غلام فرض کر کے یہ دیکھا جائے گا کہ اس کی قیمت بغیر زخم کے کتنی ہے بازار میں اور جراحت کے ساتھ کتنی ہے، تو اس جراحت کی وجہ سے قیمت میں جتنا نقصان پایا جائے گا، مثلاً عشر قیمت تو اس میں عشر دیت واجب قرار دی جائے گی، یہ تفسیر طحاوی سے منقول ہے، ہدایہ میں اس میں اور بھی ایک قول ہے جس کو اس میں امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کا یہ ارشاد یعنی ثلث دیت بطور معیار اور قاعدہ کلیہ کے نہیں تھا بلکہ کسی خاص واقعہ میں آپ نے یہ فیصلہ فرمایا اور ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ میں حکومت عدل یہی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الدر المنضود: ۶/۴۱۴)

پیٹ کے بچے کی دیت

{۳۳۴۹} وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْجَنِیْنِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ رَوَی هٰذَا الْحَدِیْثَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَخَالِدٌ الْوَاسِطِیُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ یَذْكُرْ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۶۲۹، باب دیة الجنین، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۷۹۔

ترجمہ: حضرت محمد بن عمرو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کے بارے میں ایک غرہ یعنی ایک غلام یا باندی یا ایک

گھوڑے یا ایک خچر کا فیصلہ فرمایا۔ (ابوداؤد) ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس روایت کو حماد بن سلمہ اور خالد واسطی نے حضرت محمد بن عمرو سے نقل کیا ہے، لیکن انہوں نے گھوڑے اور خچر کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

تشریح: عن محمد بن عمرو: یہ محمد بن عمرو حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہم ہیں یہ اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں، مدینہ طیبہ کے سات عظیم و معروف فقہاء میں سے ایک یہ بھی ہیں اور جلیل القدر تابعین میں ان کا شمار ہے یہ کثیر الحدیث ہیں انہوں نے حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے حدیث کی سماعت کی ہے، اور ان سے زہری رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ ابن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث روایت کی ہے۔

فی الجنین بغرۃ: یہ تنوین کے ساتھ ہے اور مشکوۃ کے ایک نسخہ میں عبد کی طرف اضافت کے ساتھ بھی ہے، **"عبد او امۃ او فرس او بغل"** علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **"الغرۃ"** عرب کے نزدیک نفیس ترین چیز کو کہتے ہیں اور یہاں پر انسان پر اس کا اطلاق ہوا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہی **"احسن تقویم"** میں پیدا فرمایا ہے، اور جو بعض روایات میں **"او فرس او بغل"** آیا ہے، یہ باطل روایت ہے۔ (مرقاۃ: ۳۲/ ۴، شرح الطیبی: ۹۶/ ۷)

اور یہ دونوں لفظ اسی روایت میں موجود ہیں تو جاننا چاہئے کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض روایت کے لفظ سے غالباً یہی روایت مراد ہے، ابوداؤد نے اس کو روایت کرنے کے بعد کہا کہ اس کو حماد بن سلمہ اور خالد واسطی نے محمد بن عمرو سے روایت کیا ہے، **"ولم یذکر"** یعنی محمد بن عمرو اپنی دونوں روایتوں میں اور یا حماد و خالد دونوں نے۔

او فرس او بغل: کا ذکر نہیں کیا مطلب یہ ہوا کہ یہ زیادتی اس روایت میں شاذ ہے اور اسی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے جبکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو باطل ہی کہا ہے جیسا کہ لکھا گیا۔

نقلی طبیب

{۳۳۵۰} وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ

یَعْلَمُ مِنْهُ طَبَّبَ فَهُوَ ضَامِنٌ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۶۳۰، باب فیمن طبب بغیر علم، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۸۶، نسائی شریف: ۲/ ۲۱۶، باب صفۃ شبہ العمد، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۸۳۰۔

حل لغات: تطبب: پہلا باب مشدد ہے، یعنی علم طب سے پوری واقفیت کے بغیر کسی کا علاج کرنا، یعنی پوری واقفیت نہ ہو اور طبیب و معالج بننا، **الطب:** جسمانی و ذہنی علاج، دوادارو، علم العلاج۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو علاج کرے، جب کہ وہ فن طب سے واقف نہ ہو تو وہ ضامن ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اگر طبیب کسی کا علاج کرے تو وہ کونسی صورت میں ضامن ہوگا اس کی وضاحت دوسری روایت کے تحت ابوداؤد شریف میں بایں الفاظ منقول ہے۔

قال عبد العزیز اما انہ لیس بالنعت انما ھو قطع الفروق والبط الکی" عبد العزیز یہ کہہ رہے ہیں کہ اس حدیث مین جس علاج معالجہ کا ذکر ہے اس سے مراد صرف دوا تجویز کر دینا نہیں کہ زبانی بتادیا ہو یا لکھ کر دیدیا ہو کہ فلاں دوا لیکر کھالو، بلکہ یہاں پر علاج و معالجہ کا حکم کرنا مقصود ہے۔ مثلا کوئی علاجا کسی کی رگ کا منہ کھولے جیسے فصد میں ہوتا ہے، یا بدن کے کسی حصہ میں شگاف دے یا "**علاج بالکی**" کرے، لوہا وغیرہ گرم کر کے داغ دینا۔

مسئلۃ الحدیث میں فقہاء کرام کی رائے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص فن طب سے ناواقف ہو اور پھر علاج کرے تو ایسی صورت میں اگر اس کے علاج سے کوئی ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا لیکن قصاص اس میں نہیں ہے کیونکہ وہ طبیب اپنے اس عمل میں منفرد نہیں ہے بلکہ مریض کی اجازت اس میں شامل ہے، اس کی طلب پر اس نے علاج کیا

ہے، **"کذا فی البذل عن الخطابی"** حاشیہ بذل میں ہے ابن قدامہ: ۱۲۰/۷، سے نقل کرتے ہوئے حجام ''پچھنے لگانے والا اور ختان (ختنہ کرنے والا) مراد ہے، اور اس کے علاوہ دوسرا علاج کرنے والے پر ضمان نہیں ہے دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ وہ اپنے فن میں مہارت رکھتا ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے ہاتھ نے کوئی جنایت نہ کی ہو، یعنی حد سے تجاوز نہ کیا ہو اور کوئی فحش غلطی نہ کی ہو، **"وھذا مذھب الشافعی واصحاب الرای ولا نعلم فیہ خلا فا"** اس مسئلہ کی نظیر مفتی کے غلط فتوی پر عمل کی وجہ سے کسی چیز کا ہلاک ہو جانا ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۴۲۲)

دیت معاف کئے جانے کا واقعہ

{۳۳۵۱} **وَعَنْ** عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ غُلَامًا لِاُنَاسٍ فُقَرَاءَ قَطَعَ اُذُنَ غُلَامٍ لِاُنَاسٍ اَغْنِيَاءَ فَاَتٰى اَهْلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّا اُنَاسٌ فُقَرَاءُ فَلَمْ يَجْعَلْ عَلَيْهِمْ شَيْئًا۔ **(رواہ ابوداؤد والنسائی)**

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۶۳۱، باب فی جنایۃ العبد یکون للفقراء، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۹۰، نسائی شریف: ۲/۲۰۹، ۲۱۰، باب سقوط القود بین الممالیک کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۷۵۱۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ ایک غریب خاندان کے لڑکے نے ایک مالدار خاندان کے لڑکے کا کان کاٹ دیا، پھر اس کے گھر والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ہم غریب لوگ ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کچھ بھی واجب نہیں فرمایا۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: اس حدیث میں جو مسئلہ مذکورہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا غلام کسی پر جنایت کرے جس کی وجہ سے ضمان واجب ہو رہا ہو لیکن اس غلام کا مولی نادار اور فقیر ہے تو اس صورت میں کیا ہوگا۔

اس کا جواب تو یہ ہے کہ عبد کے جنایت کرنے کی صورت میں اس کے مولی کے غنی یا فقیر ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ چاہے جو ہو، اس لئے کہ جنایت عبد کا ضمان رقبۃ العبد اور اس کی ذات پر ہوتا ہے، غلام کو فروخت کر دیا جائے گا اور پھر اس کی قیمت کے ذریعہ ضمان ادا کر دیا جائے گا، لیکن حدیث میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ ایک غلام یعنی نابالغ حر جس کے گھر والے فقیر اور نادار تھے اس نے ایک ایسے لڑکے اس سے مراد بھی نابالغ حر ہے کا کان کاٹ دیا جو اغنیاء کا تھا تو اس غلام جانی کے گھر والے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگ نادار اور فقیر ہیں، مطلب یہ ہے کہ ضمان ادا کرنے کی استطاعت نہیں تو حضور ﷺ نے ان پر کوئی ضمان واجب نہیں فرمایا۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہی ہے وہ فرماتے ہیں **"لانه لو كان عبدالم يكن الاعتذار اهله بالفقر معنى لان العاقلة لاتحمل عبدا كمالاتحمل عمدا ولا اعتر فاوذا لک فی قول اكثر اهل العلم فاما الغلام المملوک اذا جنى على عبد او حر فجنايته فی رقبته فی قول عامة الفقهاء، واختلفوا فی كيفية اخذ ارش الجناية من رقبته الخ"** اور یہی رائے اس میں بذل المجہود میں حضرت گنگوہی کی تقریر سے نقل کی ہے، اور حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں اس حدیث سے اشارہ کیا ایک اور اختلافی مسئلہ کی طرف وہ یہ کہ جنایہ "جرح **(جناية فيما دون النفس)**" میں اگر جارح و مجروح دونوں عبید ہوں تو اس میں قصاص ہے یا نہیں؟ مسئلہ اختلافی ہے، حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں علماء کے تین قول لکھے ہیں۔

ایک یہ کہ ان کے درمیان قصاص مطلقا ہے فی النفس و فیما دون النفس دونوں، **"وهو قول الشافعی ومالک۔**

قول ثانی یہ کہ ان میں مطلقا قصاص نہیں "**وانهم كالبهائم، وهو قول الحسن ابن شبرمة وجماعة۔**

تیسرا قول یہ کہ عبیدہ کے درمیان قصاص فی النفس تو ہے البتہ قصاص فیما دون النفس نہیں "**وبه قال ابو حنيفه والثورى**" اور پھر حنفیہ کی دلیل میں یہی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ والی حدیث انہوں نے ذکر کی ہے مگر انہوں نے حدیث جو نقل کی ہے لفظ غلام کیساتھ نہیں بلکہ لفظ **"عبد"** کیساتھ ہے، اس کا مطلب

یہ ہوا کہ غلام سے مراد اس حدیث میں عبد ہی ہے اور نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی کہ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے سقوط قصاص بین العبید فی الجرح کے مسئلہ میں اور اس رائے کی تائید کہ حدیث میں غلام سے مراد مملوک ہی ہے امام نسائی کے طرز سے بھی معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ انہوں نے اس حدیث پر ترجمہ قائم کیا ہے، **"سقوط القود بین الممالیک فیما دون النفس۔**

لیکن اب اس پر یہ اشکال ہوگا کہ اگر یہ مسئلہ بین العبدین پیش آیا تھا تو اس صورت میں یہ توصحیح ہے کہ قصاص نہیں حنفیہ کے نزدیک لیکن ارش تو واجب ہوتی ہے اور اس کا تعلق غلام کی ذات سے ہے نہ کہ مولی سے تو پھر آپ نے ارش کا فیصلہ کیوں نہیں فرمایا؟ تو یا تو اس کی توجیہ یہ کی جائے کہ مراد یہ ہے کہ فی الفور اس پر کچھ واجب نہیں قرار دیا، مطلقاً ضمان کی نفی مراد نہیں، اور یا اس کو خصوصیت پر محمول کیا جائے، **"واقعة حال لاعموم لها"**، یا پھر اس کا نسخ تسلیم کیا جائے، ذکر مثلہ فی حاشیۃ النسائی۔

(الدر المنضود: ۶/۴۲۶)

الفصل الثالث

قتل شبہ عمد وقتل خطا کی دیت میں فرق

{۳۳۵۲} عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ دِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ أَثْلَاثًا ثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ حِقَّةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ جِذْعَةً وَأَرْبَعٌ وَثَلَاثُوْنَ ثَنِيَّةً إِلٰى بَازِلِ عَامِهَا كُلُّهَا خَلِفَاتٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فِي الْخَطَاءِ أَرْبَاعًا خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ حِقَّةً وَخَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ جِذْعَةً وَخَمْسٌ وَ عِشْرُوْنَ بِنَاتُ لَبُوْنٍ وَخَمْسٌ وَ عِشْرُوْنَ بَنَاتُ مَخَاضٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۲۶۲، باب فی دیۃ الخطاء شبہ العمد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۵۱۔

حل لغات: **الثلث:** ایک تہائی، جمع، **الثلاث، الربع:** چوتھائی حصہ، **الحقة،** وہ اونٹنی جو چوتھے سال میں لگ گئی ہو، **الجزع:** وہ اونٹنی جو پانچویں سال میں لگ گئی ہو، **الثنیة:** وہ اونٹنی جو چھٹے سال میں لگ گئی ہو، **بنت لبون:** وہ اونٹنی جو دو سال کی ہو کر تیسرے سال میں لگ گئی ہو، **بنت مخاض:** وہ اونٹنی جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگ گئی ہو، **الخلفة:** ج، **خلفات:** گابھن۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ قتل شبہ عمد کی دیت تین طرح کے اونٹ ہیں، تینتیس حقہ ہیں، تینتیس جذعہ ہیں اور چونتیس وہ اونٹنیاں ہیں جو چھ سال سے آٹھ سال کی عمر تک ہوں، یہ سب کی سب اونٹنیاں حاملہ ہوں، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قتل خطا کی دیت میں چار طرح کے اونٹ ہیں پچیس حقہ، پچیس جذعہ، پچیس بنات لبون، اور پچیس بنات مخاض۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں قتل شبہ عمد اور قتل خطا کی دیت کا تذکرہ ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل شبہ عمد میں تین طرح کے اونٹ ہیں اور قتل خطا میں چار طرح کے اونٹ ہیں، اونٹ کے انواع کی تفصیل حدیث باب میں موجود ائمہ کے مذاہب ما قبل میں گذر چکے ہیں۔

قتل شبہ عمد کی دیت میں تین طرح کے اونٹ ہیں

{۳۳۵۳} **وَعَنْ مُجَاهِدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَضَى عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ فِيْ شِبْهِ الْعَمَدِ ثَلَاثِيْنَ حِقَّةً وَثَلَاثِيْنَ جِذْعَةً وَاَرْبَعِيْنَ خَلِفَةً مَابَيْنَ ثَنِيَّةٍ اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا۔ (رواه ابوداؤد)**

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۶۲۶/۲، باب فی دیة الخطاء، شبه العمد، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۴۵۵۰۔

ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل شبہ عمد کی دیت کے بارے میں تیس حقہ، تیس جذعہ اور چالیس ایسی حاملہ اونٹنیوں کے دیئے جانے کا فیصلہ کیا جو چھ سال سے

نویں سال میں لگ جانے تک کی عمر کی ہوں۔(ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث میں قتل شبہ عمد کی دیت کا ذکر ہے، یہی وہ دیت ہے جس کے قائل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر بہت سی احادیث کی بنا پر قتل شبہ عمد کی دیت چار طرح کے اونٹ قرار دیئے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

شبہ عمد کی یہ دیت جو اس حدیث میں مذکور ہے یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے یعنی ''**اثلاثاً**'' اور شیخین اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''**ارباعا**'' ہے، ''**وتقدم بیان الاختلاف قبل ذلک**'' اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ اونٹ ثنیہ اور بازل عام کے درمیان ہونے چاہئیں ثنیہ وہ اونٹنی ہے جو پانچ سال کی ہوکر چھٹے میں داخل ہو، اور بازل وہ ہے جو آٹھ سال کی ہوکر نو میں داخل ہو، بازل اونٹنیوں کے ناموں میں جو عمر کے لحاظ سے ہیں یہ آخری نام ہے یعنی جو نویں سال میں داخل ہو، اس کے بعد جب دسویں سال میں داخل ہو تو اس کو مخلف کہتے ہیں، اور یہ دونوں نام اپنے مادہ کے اعتبار سے آخری ہیں چنانچہ اس کے بعد اس طرح کہا جاتا ہے، **بازل عام بازل عامین، مخلف عامین وھکذا**''۔(الدر المنضود:۶/۴۰۹)

جنین کی دیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

{۳۳۵۴} **وَعَنْ** سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي الْجَنِيْنِ يُقْتَلُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهٖ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ وَلِيْدَةٍ فَقَالَ الَّذِيْ قَضٰى عَلَيْهِ كَيْفَ أَغْرَمُ مَنْ لَّا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ وَمِثْلُ ذَالِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ۔ (رواه مالك والنسائي مرسلا) وَرَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

عَنْهُ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ مُتَّصِلاً۔

حوالہ: مؤطا مالک: ۳۳۴، باب عقل الجنین، کتاب العقول، حدیث نمبر: ۶، نسائی شریف: ۲/۲/۲۱۵ /۲۱۶، باب دیۃ جنین المرأۃ، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۴۸۲۰۔

حل لغات: **الغرۃ:** ہر چیز کا پہلا اور عمدہ حصہ، روشنی چمک، سفیدی، **الولیدۃ: باندی،** نابالغ لڑکی، **غرم:** غیر لازم چیز کا ذمہ دار ہونا کسی کی طرف سے ادائیگی کا ذمہ لینا، **استھل الصبی:** بچے کا زور سے رونا، چلانا، جرمانہ ہونا، **طل دم القتیل:** مقتول کا خون رائیگاں جانا، اس کی دیت نہ لیا جانا۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا اس جنین کے بارے میں جس کو اسکی ماں کے پیٹ میں قتل کر دیا گیا ایک غرہ یعنی ایک غلام یا ایک باندی، جس پر یہ دیت واجب کی گئی اس نے کہا کہ میں کیسے اس کا تاوان دوں جس نے نہ پیا نہ کھایا نہ بولا اور نہ رویا، اس قسم کے قتل کی دیت نہ ہونی چاہئے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بے شک یہ کاہنوں کا بھائی ہے، امام مالک اور امام نسائی نے اس روایت کو مرسلاً نقل کیا ہے، جب کہ ابو داؤد نے سعید بن مسیب بواسطہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متصلاً روایت نقل کی ہے۔

تشریح: قتل جنین کی دیت ایک غلام یا باندی ہے آنحضرت ﷺ نے جب یہ فیصلہ فرمایا تو جسکو دیت دینی تھی اس کو حسرت ہوئی کہ جنین کی بھی دیت دینا ہے، چنانچہ انہوں نے مقفی مسجع کلام کے ذریعہ یہ کہا کہ جنین کی دیت نہ ہونا چاہئے، چونکہ بہ تکلف مقفی مسجع کلام کرنا اس دور میں کاہنوں کی عادت تھی لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان کو کاہنوں کا بھائی قرار دیا۔

من اخوان الکھان: کاف کو ضمہ ہاء مشدد ہے اور کاہن کی جمع ہے، کاہنوں کا معاملہ یہی تھا کہ وہ اپنی غلط سلط جھوٹی باتوں کو بنا سنوار کر مسجع عبارت میں لوگوں سے کہتے تھے، اور لوگ کلام کی خوبصورتی سے مت اثر ہو کر انکی باتوں کو اہمیت دینے لگتے تھے، تو آپ ﷺ نے اس آدمی کو اس مسجع اور خلاف شرع کلام کی وجہ سے اس کو کاہنوں کا بھائی فرمایا کہ ایسی خلاف شرع مسجع عبارت بنانا بولنا انہیں کا شیوہ ہے اس لئے یہ واضح رہنا چاہئے کہ ہر کلام مسجع مذموم نہیں ہے، بلکہ مذموم وہی ہے جو جھوٹ اور باطل پر مشتمل ہو ہر کلام

مسجع باطل ہو ہی نہیں سکتا اور اس کو مذموم قرار دیا ہی نہیں جا سکتا اس لئے کہ حقائق پر مشتمل کلام مسجع تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں موجود ہے، مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا: **"اللهم انی اعوذبک من علم لاینفع و من قلب لایخشع و من نفس لاتشبع و من دعاء لایسمع و من هؤلاء الاربع"۔**

رواه ابوداؤد عنه: اسی روایت کو ابوداؤد نے حضرت سعید بن ابن المسیب سے **"عن ابی هریرة"** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متصلاً روایت کرتے ہوئے نقل کیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ پہلی روایت کو مالک اور نسائی نے صحابی کو حذف کر کے مرسلاً روایت کیا ہے مرسل روایت اسی کو کہتے ہیں کہ جس کو تابعی اپنے سے پہلے صحابی راوی کو حذف کر کے روایت کرے اور ابوداؤد نے اسی روایت کو صحابی یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذکر کے ساتھ روایت کیا اسی کو روایت متصل یا مرفوع کہتے ہیں۔

علامہ شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے کسی عورت کے پیٹ پر مارا اور اس سے اس کا جنین یعنی پیٹ کا بچہ مر گیا تو اس مارنے والے کے خاندان (عاقلہ) پر پانچ سو درہم (غرہ) دیت کے واجب ہوں گے، اس لئے کہ صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی فی جنین امرأة من بنی لحیان بغرة عبد او امة"** اور غرہ کی تفسیر پانچ سو درہم کے ساتھ اس کے لئے کی جاتی ہے کہ روایت ہے منصف ابن ابی شیبہ میں **"عن زید ابن اسلم ان عمر ابن الخطاب قوم الغرة بخمسین دینار و کل دینار بعشرة دراهم۔**

اور اس کے علاوہ بھی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، **"قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ولدها بخمس مائة"۔** (مرقاۃ المفاتیح: ۳۴/۴، انوار المصابیح: ۴۶۷/۶)

تنبیه: باب مکمل ہو چکا اور یہ باب چونکہ دیات سے متعلق ہے اور اس باب میں تقریباً اکثر دیات کو بیان کر دیا گیا ہے لیکن حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت مکاتب کی دیت سے متعلق کوئی روایت نقل نہیں کی ہے حالانکہ حضرت صاحب مشکوۃ اگر یہاں پر مکاتب کی دیت سے متعلق کوئی روایت لاتے تو وہ بجا تھا۔

اب ہم اضافہ فی الباب کے طور پر مکاتب کی دیت سے متعلق ایک روایت ابوداؤد شریف کی یہاں

لا کر اس کی تفصیل کو نقل کریں گے جو ناظرین حضرات کے لئے نہایت مفید اور علمی طرقی کا باعث ہوگی۔

مکاتب کی دیت

{۳۳۵۵} **وَعَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دِيَةِ الْمُكَاتَبِ يُقْتَلُ يُوَدِّيْ مَا اَدّٰى مِنْ كِتَابَتِهِ دِيَةُ الْحُرِّ مَابَقِيَ دِيَةُ الْمَمْلُوْكِ۔

حل لغات: یودی: مضارع مجہول ہے، **ودی یدی دیة** سے جیسے **وعد یعد عدة**۔

حدیث کی تشریح اور اس پر تفصیلی کلام

مکاتب کو اگر قتل کر دیا جائے تو اب اس کی دیت کیا ہوگی اس کے بارے میں یہ ہے کہ جتنا بدل کتابت اس نے ادا کر دیا ہے، مثلاً نصف تو نصف دیت حر کی واجب ہوگی اور نصف دیت عبد کی تو گویا نصف مکاتب میں حر کا معاملہ کیا جائے گا، کیونکہ نصف بدل کتابت ادا کر چکا ہے اور نصف میں اس کے ساتھ غلام کا معاملہ کیا جائے گا، کیونکہ نصف بدل کتابت ابھی باقی ہے، لہٰذا مثال مذکور میں اس کی دیت پچھتر اونٹ ہوں گے کیونکہ غلام کی دیت حر کی دیت سے نصف ہوتی ہے اور اس روایت کا تقاضہ یہی ہے لیکن ائمہ اربعہ میں سے یہ کسی کا مذہب نہیں ہے وہ تو یہ فرماتے ہیں، "**المکاتب عبد مابقی علیه درهم**" جب تک مکاتب پورا بدل کتابت ادا نہ کرے وہ غلام ہی رہتا ہے کیونکہ حریت اور رقیت متجزی نہیں ہے، البتہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث پر عمل ہے، جیسا کہ حاشیہ کوکب میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے اسی طرح اس کے بعد جو حدیث آرہی ہے "**اذا اصاب المکاتب حداًاو ورث میراثا ورث علی قدر ماعتق منه**" اس حدیث میں شرط کی جانب دو مسئلے مذکور ہیں ایک حد کا دوسرا میراث کا لیکن جزاء کی جانب میں صرف ایک مسئلہ کا جواب مذکور ہے یعنی میراث کا، اور مسئلہ اولی کی جزاء مقدر ہے یعنی "**اذا اصاب المکاتب حدا اخذ حد الحر بقدر مادی، و حد العبد بقدر مابقی**"

مسئلہ اولیٰ کی تشریح یہ ہے: ایک مکاتب جو نصف بدل کتابت ادا کر چکا تھا اور نصف

باقی تھا اس نے کسی موجب حد امر کا ارتکاب کیا مثلاً زنا کیا تو اس پر نصف حد حر جاری کی جائے گی اور نصف حد غلام کی یعنی پچہتر کوڑے لگائے جائیں گے۔

مسئلہ ثانی کی تشریح یہ ہے: ایک مکاتب ہے جس کا ایک بھائی ہے پس اس مکاتب کے باپ کا انتقال ہو گیا تو اگر اس مکاتب نے کچھ بھی بدل کتابت ادا نہ کیا ہوگا تو اس صورت میں صرف اس کا بھائی وارث ہوگا، اور اگر پورا بدل کتابت ادا کر چکا ہوگا تو دونوں برابر کے وارث ہوں گے، اور اگر اس مکاتب نے صرف نصف بدل کتابت ادا کی ہوگی تو حدیث الباب کی رو سے بجائے نصف میراث کے نصف النصف کا مستحق ہوگا، حضرت نے الکوکب الدری: ۳۶۹/۱، میں اس حدیث کی اسی طرح شرح کی ہے، اور اس کے بعد لکھا ہے "**ولکنهم لم یاخذو بهذه الروایة**" لیکن انہوں نے اس روایت کو نہیں لیا۔ اور اس کے حاشیہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صرف ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اختیار کیا ہے، اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں: "**المکاتب عبد ما بقی علیه درهم، وکان فیه الاختلاف فی السلف**"، اور مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہے غلام ہی رہے گا، اور اس میں سلف میں اختلاف ہی رہا ہے۔ "**بسطه فی التعلیق الممجد عن البنایة**" یہ حدیث سنن ترمذی میں فی غیر محلہ ہے، یعنی کتاب البیوع: ۲۳۹/۱، کے اندر "**باب ماجاء فی المکاتب اذا کان عنده مایؤدی**" اور اس میں یہ روایت اس طرح مذکور ہے، "**عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا اصاب المکاتب حدا او میراثا ورث بحساب ماعتق منه، وقال النبی صلی الله علیه وسلم یودی المکاتب بحصته ماادی دیة حر و مابقی دیة عبد**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مکاتب کسی حد کا ارتکاب کرے یا میراث کو پاوے پس وہ جتنا آزاد ہو چکا ہے اسی حساب سے وارث ہوگا، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکاتب اپنا جتنا حصہ ادا کر چکا ہے اسی درجہ آزاد کی دیت ادا کرے گا اور جتنا (بدل کتابت) باقی ہے اتنا غلام کی دیت ادا کرے گا۔ "**وفی الباب عن ام سلمة، حدیث ابن عباس حدیث حسن**" اور پھر اس کے بعد اس میں رواۃ کا اختلاف ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض نے اس کو روایت کیا عکرمہ عن ابن عباس مرفوعا اور بعض نے عکرمہ عن علی قولہ (یعنی موقوفاً علیہ) "**والعمل علی هذا**

الحدیث عند بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم، وقال اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم المکاتب عبد ما بقی علیہ درھم، وھو قول سفیان الثوری والشافعی واحمد واسحاق"۔ (الدر المنضود:۳۱۸/۶)

ھٰذا بتوفیق اللہ تعالیٰ غایۃ تنقیح فی ھٰذا الباب فللہ الحمد۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب مالا یضمن من الجنایات

ان جنایات کا بیان جن میں تاوان واجب نہیں ہوتا

ماقبل سے مناسبت: اس سے قبل باب میں جنایت پر سزا کا بیان تھا تاوان اور قصاص وغیرہ کے سلسلہ کی روایات واحادیث ذکر کی گئی تھیں اس باب میں ان روایات کو بیان کیا گیا ہے جن میں ان امور کا بیان ہے جن میں تاوان اور معاوضہ واجب نہیں ہوتا گویا کہ اثبات ووجود کو عدم ونفی پر مقدم کیا گیا ہے۔

خلاصۂ باب

اس باب کے تحت اکیس روایتیں درج کی گئی ہیں جن میں تاوان کے عدم وجوب کی صورتیں، اپنے مال وعیال کی حفاظت میں ہلاکت پر شہادت کی بشارت، بلاضرورت کنکریاں پھینکنے اور اچھالنے کی ممانعت، مجمع اور بازار میں اسلحہ وہتھیار احتیاط سے رکھنے کی ہدایت، مسلمان کی جانب ہتھیار واسلحہ اٹھانے اور اس سے اشارہ پر وعید، بے جا ستانے والے ظالموں کے معین ومددگار کے لئے سزا وغیرہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں.......................

تنبیہ: اس باب کے شروع میں چند مباحث ذکر کئے جا رہے ہیں:

(۱) -------------------------- جنایت کی تعریف

(۲) -------------------------- اقسام جنایات

(۳) -------------------------- جرح

(۴) -------------------------- جانور کے ذریعہ نقصان

(۵) -------------------------- جانور پر تعدی

(۶) -------------------------- آتش زنی کا نقصان

(۷) -------------------------- نقصان پہنچانے کی ایک خاص صورت۔

یہ سات مباحث ہیں ان کو ہم بالترتیب ذیل میں بیان کر رہے ہیں۔

(۱)......جنایات

جنایات: جنایت کی جمع ہے جنایت کے اصل معنی درخت سے پھل توڑنے کے ہیں پھر غلطی کے ارتکاب کے لئے بولا جانے لگا۔ (دستور العلماء: ۱/۴۱۷)

جنایت یوں تو اپنے مفہوم کے اعتبار سے تمام گناہوں کو شامل ہے، جو دنیا اور آخرت میں عذاب و سزا کا موجب ہے۔ (نہایہ: ۱/۳۰۹)

مگر فقہاء کے یہاں عام طور پر جنایت کا لفظ دو موقعوں پر استعمال ہوتا ہے، ایک قتل پر، دوسرے انسانی جسم کو جزوی نقصان پہنچانے پر۔ (دستور العلماء: ۱/۴۱۷)

اس سلسلہ کے کچھ ضروری احکام آگے مذکور ہوں گے، دوسرے وہ افعال جن کا ذکر کرنا **"احرام"** یا **"حرم شریف کی حرمت"** کی وجہ سے حرام ہو۔ **"وھی ماتکون حرمتہ بسبب الاحرام او الحرم"** (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۷۴، قاموس الفقہ: ۳/۱۴۶)

(۲)......اقسام جنایت

جنایات کا دائرہ بہت وسیع ہے قاضی علاء الدین طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے جنایت کی درج ذیل قسمیں کی ہیں:

(۱) نفس پر جنایت۔ (۲) عقل پر جنایت۔ (۳) مثلاً شراب نوشی۔ (۴) مال پر جنایت۔ مثلاً چوری اور غصب۔ (۵) نسب پر جنایت۔ (۶) جیسے زنا، عزت و آبرو پر جنایت۔ (۷) جیسے قذف یعنی اتہام، محاربین یعنی باغیوں ڈاکوؤں کی جنایت۔ (۸) اور مذہبی معاملات میں جنایت۔ (۹) مثلاً ارتداد زندیقیت وغیرہ۔

نفس پر جنایت کی دو صورتیں ہیں اول غیر طبعی طور پر کسی کو ہلاک کر دینا، جس کو **"قتل"** کہا جاتا ہے اور دوسرے اس سے کمزور درجہ کا جسمانی نقصان پہنچانا، یہ نقصان اگر کسی عضو انسان کی قطع و برید کی صورت میں ہو تو قطع ہے اور اگر زخم کی صورت میں ہو تو جرح ہے۔ (معین الحکام: ۲۱۹)

اس درجہ کی جنایت میں یہ بھی ہے کہ کسی عضو انسانی کی ظاہری صورت تو باقی رہے، لیکن اس کی منفعت اور اس کا مقصد تخلیق فوت ہو جائے، عام طور پر فقہاء کے یہاں اسی نوع (جنایت علی النفس) کے جرائم کو جنایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳)......جرح سر اور چہرے کے علاوہ

جسم کے دوسرے حصوں پر جو زخم آئے وہ جراح کہلاتے ہیں ان زخموں کی فقہا نے دو قسمیں کی ہیں، **"جائفہ"** اور **"غیر جائفہ"** جائفہ وہ زخم ہے جو پیٹ اور سینہ یا پشت وغیرہ کے جوف تک پہنچا ہو اور جو زخم اس درجہ کاری نہ ہو، وہ غیر جائفہ کہلاتا ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲۹۷/۷)

شہید مرحوم نے جنایت کی پانچویں قسم ایسی ایذاء کو قرار دیا ہے، جس میں کسی عضو کے کٹنے اس کی منفعت ضائع ہونے یا شجاج و جراح کی قسم کے زخموں تک نوبت نہیں آئی ہو۔ (التشریع الجنائی الاسلامی: ۲۰۷/۲)

جنایت کی ان مذکورہ صورتوں میں کیا احکام ہوں گے، کب قصاص واجب ہوگا، اور کب دیت، اور جارح مجروح اور خود جرح (زخم) کے سلسلہ میں کیا شرطیں ملحوظ رکھی جائیں گی؟ ان کا تعلق قصاص اور دیت سے ہے۔ (جنکا بیان بالتفصیل ماقبل میں گذرگیا ہے)

(۴)......جانور کے ذریعہ نقصان

البتہ جنایت کی بعض بالواسطہ صورتوں اور انکے احکام کا یہاں ذکر کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ان میں ایک صورت جانوروں کے ذریعہ ہونے والے نقصانات کی ہے اگر کوئی شخص جانور کسی باغ یا کھیت میں داخل کردے، اور اس سے نقصان پہنچے، چرواہا بھی ساتھ ہو تو وہ ان نقصانات کا ضامن ہوگا، اگر چرواہا ساتھ نہ ہو تو دو رائیں ہیں، ایک یہ کہ اب بھی ضامن ہوگا، دوسرے یہ کہ اب وہ ضامن نہ ہوگا، بعض فقہی نظائر سے پہلی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی:۲۵۶/۴)

ایک شخص جانور پر سوار ہو دوسرا شخص اس کو اچکا دے اور اس کا یہ عمل سوار کے ایماء کے بغیر ہو اور اس کے نتیجہ میں سوار گرجائے اور اس کی موت واقع ہوجائے تو شخص مذکور پر متوفی کی پوری دیت واجب ہوگی۔ (خلاصۃ الفتاوی:۴۵۵/۴)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جو شخص سلطان کے دروازے یا مسجد کے دروازے پر جانور کھڑا کردے اور وہ کوئی جانی ومالی نقصان کردے تو جانور کا مالک اس کا ذمہ دار ہوگا، ہاں اگر کوئی جگہ خاص اسی مقصد کے لئے مقرر کی گئی ہو وہاں جانور رکھے جائیں اور ان سے کوئی نقصان پہنچ جائے تو اب مالکان جانور ذمہ دار نہ ہوں گے۔

کوئی شخص گدھے کو ہنکا رہا تھا اور گدھے پر لکڑیاں رکھیں تھیں، رہگذر میں راستہ کے ایک طرف ایک شخص کھڑا تھا، ہنکانے والے نے آواز لگائی مگر شخص مذکور سن نہ سکا، یا سنا لیکن وقت اتنا کم تھا کہ راستہ سے ہٹ نہ سکا، کہ لکڑی اس کے آلگی اور کپڑے پھٹ گئے، تو گدھے کے مالک کو تاوان ادا کرنا ہوگا، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ اس نے آواز ہی نہ لگائی ہو، ہاں اگر سننے یا دیکھنے اور مناسب موقع ملنے

کے باوجود مذکورہ شخص راستہ سے ہٹا ہی نہیں تو اب وہ ضامن نہیں ہوگا۔ (خلاصہ الفتاوی: ۴۵۵/۴)

اسی سے موجودہ ٹریفک قواعد کی ترتیب میں مدد لی جاسکتی ہے، کہ اگر ڈرائیور کے مناسب انتباہ اور مناسب وقفہ کے باوجود راہ گیر راستہ سے نہ ہٹے تو حادثہ کا ذمہ دار راہ گیر ہوگا، اور اگر ایسا نہ ہو تو ڈرائیور کو ذمہ دار ہونا چاہئے۔

(۵)......جانور پر تعدی

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کوئی شخص خود جانور پر جنایت کرے، تو کیا حکم ہوگا؟ اگر کھائے جانے والے جانور کو مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کردے تو مالک کو اختیار ہوگا کہ ذبیحہ کو رکھ لے، ایسی صورت میں ذبح کرنے والے کے ذمہ کوئی تاوان نہیں ہوگا، یا ذبیحہ اس کے حوالے کردے اور قیمت وصول کرلے۔

بڑے حلال جانور مثلاً گائے، بیل وغیرہ کی آنکھ پھوڑ دے تو اس کی مکمل قیمت کا ایک چوتھائی بطور تاوان واجب ہوگا۔

چھوٹے جانور، بکری، مرغی وغیرہ کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو نقص پیدا ہو گیا ہے اس کی تلافی واجب ہوگی، ذبح و قتل اور جزوی نقصان کی صورت میں یہی حکم اس وقت بھی ہے، جب کہ اس جانور کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو، اگر جانور کا ایک پاؤں کاٹ دیا اور وہ ان جانوروں میں ہے جن کا گوشت حلال نہیں تو جنایت کرنے والا جانور کی مکمل قیمت کا ضامن ہوگا، اگر یہی معاملہ ایسے جانور کے ساتھ کیا گیا ہے، جس کا گوشت کھانا جائز ہے، تو یا تو جانور رکھ لے اور جو نقص پیدا ہوا ہے، اس کا تاوان وصول کرلے یا اس کے حوالے کردے، اور مکمل قیمت وصول کرلے، یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال وحرام جانور کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

(خلاصہ الفتاوی: ۴۵۵/۴)

(۶)......آتش زنی کا نقصان

بالواسطہ جنایت ہی کے ذیل میں یہ صورت بھی آتی ہے کہ آدمی ایک جگہ آگ سلگائے اور آگ کہیں اور جالگے، فقہی جزئیات کو ملحوظ رکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوصورتوں میں آگ سلگانے والا اس کا ذمہ دار ہوگا، ایک اس وقت کہ اس نے براہ راست کسی کے مکان یا کپڑے وغیرہ میں آگ لگادی ہو، دوسرے آگ اس نے تیز ہوا میں لگائی اور اس کی بے احتیاطی کی وجہ سے دوسرے کے وہاں جالگی، امام عبد الرشید طاہر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔ **"رجل استاجر ارضا فاحرقت الحصاد فاحترق كدس غيره لايضمن قال الامام السرخسي في يوم الريح يضمن"**۔ (خلاصہ الفتاوی:۴۵۷/۴)

(۷)......نقصان پہنچانے کی ایک خاص صورت

بالواسطہ جنایت کی ایک صورت وہ ہے جس کو فقہاء نے سعایہ سے تعبیر کیا ہے، سعایہ سے مراد ہے بادشاہ کے یہاں کسی کے خلاف نالش کرنا، تاکہ بادشاہ اس پر جرمانہ عائد کردے قاضی ابوالیسر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس کی تین صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ سعایہ اپنے کسی واجبی حق کی بنا پر ہو، مثلاً وہ اس کو اذیت پہنچاتا ہو اور سلطان سے رجوع کئے بغیر وہ اپنی حفاظت نہ کرسکتا ہو، یا وہ فاسق ہو اور امر بالمعروف کے ذریعہ وہ اپنے فسق سے باز رہنے کے لئے تیار نہ ہو، ایسی صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کے خلاف مخبری کی کہ اس نے کوئی دفینہ یا لقطہ پایا ہے، اور بادشاہ کی عادت ہو کہ جن لوگوں کے بارے میں ایسی اطلاعات ملتی ہوں وہ ان پر مالی بوجھ ڈالتا ہو۔ حالانکہ یہ خبر غلط تھی، تو اب اس کا عمل یہ موجب تاوان ہوگا۔

تیسرے کسی شخص کے متعلق اس کو شک پیدا ہوجائے کہ اس کی اس شخص کی بیوی کے پاس آمدو رفت ہے، چنانچہ وہ اس کے لئے سلطان کے پاس ملتجی ہو اور سلطان اس شخص مذکور پر تاوان عائد

کر دے، پھر اس کے بعد اس کا شبہ غلط ثابت ہو، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن ہوگا، اور فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قول پر ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۱۶۰/ ۴، قاموس الفقہ: ۱۵۲/ ۳)

موجودہ زمانہ میں جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر جس طرح بعض شریف لوگوں کو پھنسایا اور ہراساں کیا جاتا ہے، ایسے لوگوں پر تاوان عائد کرنے کے مسئلہ میں ان جزئیات سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۸)......دو قسم کی جنایت معاف ہے

بعض قتل اور بعض زخم رائیگاں ہوتے ہیں اور ایسا دو صورتوں میں ہوتا ہے۔

پہلی صورت: کسی ایسے شر کو دفع کرنے کے لئے قتل کیا ہو، یا زخم لگایا ہو کہ اگر وہ اس طرح مدافعت نہ کرتا تو وہ شر اس کو پہنچتا یعنی جان یا مال کی حفاظت کے لئے اقدام کیا ہو تو قصاص یا دیت واجب نہیں اور اس کی دلیل درج ذیل تین حدیثیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے دریافت کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی شخص (ناحق) میرا مال لینا چاہے تو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تو اس کو اپنا مال مت دے“ اس نے پوچھا اگر وہ مجھ سے لڑے تو؟ آپ نے فرمایا تو (بھی) اس سے لڑ، اس نے پوچھا اگر وہ مجھے قتل کر دے تو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس تو شہید ہے، اس نے پوچھا: اگر میں اس کو قتل کر دوں تو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔ (مشکوۃ: ۳۵۱۳)

حضرت یعلی بن امیہ کا ایک مزدور تھا وہ کسی سے لڑا پس ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا، پس اس شخص نے جس کو کاٹا گیا تھا اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچا، جس سے اس کا سامنے کا دانت گر گیا، وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دانت رائیگاں کر دیا، اور فرمایا کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں: دیئے رہتا کہ تو اس کو سانڈ کی طرح چباتا رہتا۔ (مشکوۃ: ۳۵۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص تیرے گھر میں جھانکے اور تو نے اس کو

اجازت نہیں دی پس تو نے اس کو کنکری ماری، اس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں۔
(مشکوۃ: ۳۵۱۴)

انسان کے نفس یا عضو یا مال پر جو حملہ آور ہو، اس کو ہر ممکن طریقہ سے ہٹانا جائز ہے، اور اگر قتل کی نوبت آجائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ درندہ لوگ زمین میں بار بار اپنی طاقت اور ظلم وستم کا مظاہرہ کرتے ہیں پس اگر مدافعت نہ کی جائے تو لوگوں کا ناطقہ بند ہو جائیگا، اور مدافعت میں قتل یا زخم لگانے کی نوبت آسکتی ہے، اس لئے اس کو رائیگاں۔

دوسری صورت کسی سبب سے مرا ہو یا زخمی ہوا ہو جس میں کسی کی زیادتی نہ ہو، بلکہ وہ ایک طرح کی سماوی آفت ہو تو وہ رائیگاں ہے، اور اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ چوپائے کا زخم رائیگاں ہے، اور کان رائیگاں ہے، اور کنواں رائیگاں ہے۔ (مشکوۃ شریف: ۳۵۱۰)

قتل یا زخم رائیگاں اس لئے ہے کہ چوپائے چرنے کے لئے چھوڑے جاتے ہیں، پس اگر وہ کسی کو نقصان پہنچائیں تو وہ اس کے مالک کا فعل نہیں۔ اس لئے اس پر ضمان واجب نہیں، اسی طرح کسی کنویں میں کوئی گر کر مر جائے یا کان بیٹھ جائے اور مزدور مر جائے تو اس میں کان اور کنویں والے کا کچھ قصور نہیں، اس لئے ضمان واجب نہیں۔ (مستفاد رحمۃ اللہ الواسعہ: ۲/۲۷۰، ۵/فیض المشکوۃ: ۳۸۶/۶)

الفصل الاول

جانور کے زخمی کرنے میں تاوان نہیں

{۳۳۵۶} عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۲۱، باب المعدن جبار، کتاب الدیات، حدیث

نمبر: ۶۹۱۲، مسلم شریف: ۲/۷۳، باب جرح العجماء، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۷۱۰۔

حل لغات: العجماء: چوپایہ، **الجبار:** رائیگاں، بیکار، **ذھب دمه جبارا:** اس کا خون رائیگاں گیا، **حرب جبار:** وہ لڑائی جس میں نہ دیت ہو نہ قصاص، **المعدن:** کان، زمین کی وہ جگہ جہاں سے سونا چاندی وغیرہ نکالا جائے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کو چوپائے کے زخمی کرنے کا تاوان نہیں ہے، کان میں دب کر مرنے کا تاوان نہیں ہے، کنویں میں گر کر مر جانے کا تاوان نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں تین اہم باتیں مذکور ہیں۔

(۱)...... اگر کسی جانور کی سینگ یا دم وغیرہ سے کوئی شخص زخمی ہوگیا یا اسکا کوئی عضو ضائع ہوگیا تو جانور کے مالک پر کوئی ضمان یعنی تاوان وغیرہ نہیں ہے۔

(۲)...... کوئی شخص کسی کان وغیرہ میں گر کر ہلاک ہوجائے یا اس کا کوئی عضو ضائع ہوجائے اسی طرح کان کھودنے میں کوئی مزدور دب کر مرجائے تو اس کا تاوان بھی کسی پر نہیں ہے۔

(۳)...... کسی نے اپنی زمین میں کنواں کھدوایا تو اس کنویں میں گر کر کوئی ہلاک ہوا تو اس کا تاوان بھی کسی پر نہیں ہے۔

العجماء جرحھا جبار: عجماء عجم کی تانیث ہے چوپایہ، چوپایہ کو عجماء اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ بول نہیں سکتا ہے، چنانچہ ہر وہ شخص جو بولنے پر قادر نہ ہو عجمی ہے، جبار کے معنی باطل یعنی معاف ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ چوپایوں کا زخمی کردینا معاف ہے، مثلاً کسی کا جانور کسی کو زخمی کردے اور وہ آدمی مرجائے یا جانور کسی چیز کو ضائع کردے تو اس کا کوئی تاوان نہ ہوگا، حدیث کی عمومیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن فقہاء نے اس میں کچھ تفصیل کی ہے اگر جانور کے ساتھ کوئی سائق ہانکنے والا یا قاعد کھینچنے والا یا راکب سوار یعنی کوئی محافظ موجود ہو، اس کے باوجود اس جانور سے کوئی چیز ضائع ہوگئی تو ان صورتوں میں ان کی کوتاہی کی وجہ سے ان پر تاوان واجب ہونا متفق علیہ ہے ہاں اگر جانور کے ساتھ کوئی محافظ نہ ہو اور

جانور نے کوئی چیز ضائع کی ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ جانور نے اگر رات میں کوئی چیز ضائع کی ہو تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر دن میں ضائع کی ہے تو ضمان نہیں۔

دلیل: عن البراء بن عازب قال کانت لہ ناقۃ ضاریۃ فدخلت حائطا فسدت فیہ فقضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حفظ الحوائط بالنہار علی اھلھا وان حفظ الماشیۃ باللیل علی اھلھا وان علی اھل المواشی ما اصابت ماشیتھم باللیل۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک اونٹنی ضرر رساں تھی وہ ایک باغ میں داخل ہوگئی اور اس کو فاسد کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ باغات کی حفاظت دن میں ان کے مالکوں کے ذمہ ہے اور مویشیوں کی حفاظت رات میں ان کے مالکوں کے ذمہ ہے اور رات کے وقت جانور جو نقصان پہنچائیں ان کا تاوان جانوروں کے مالکوں پر ہے (ابو داؤد شریف) اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جانور نے اگر رات میں ضائع کیا ہے تو مالک پر تاوان ہے کیوں کہ مالک کی ذمہ داری تھی کہ رات میں وہ جانوروں کو باندھ کر رکھے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب:

امام صاحب فرماتے ہیں رات اور دن کی جنایت کے مابین کوئی فرق نہیں، اگر مالک کی طرف سے تعدی نہ پائی جائے تو ضمان واجب نہ ہوگا، ہاں اگر اس کی تعدی اور حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر جنایت واقع ہوئی تو جنایت اس کی طرف منسوب ہوگی، اور ضمان بھی واجب ہوگا۔

دلیل: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اصابت الابل باللیل ضمن اھلھا وما اصابت بالنہار فلاشئ فیہ وما اصاب الغنم باللیل والنہار غرم اھلھا: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اونٹ جو رات میں نقصان پہنچائے اس کا مالک اس کا ضامن ہوگا، اور دن میں جو نقصان پہنچائے تو اس کے مالک پر کچھ لازم نہیں اور بکری جو نقصان پہنچائے دن میں رات میں اس کے مالک پر تاوان ہوگا۔ (دارقطنی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری والے پر رات و دن دونوں میں ضمان ہے،

معلوم ہوا کہ ضمان کے ساقط ہونے میں دن کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ضمان ساقط ہونے کی اصل علت کوتاہی نہ کرنا ہے۔ بکری کی حفاظت آسان ہے لہٰذا اس کے نقصان کی بنا پر ضمان لازم کر دیا اور اونٹ کی حفاظت مشکل ہے، لہٰذا اس کا ضمان نہیں ہے، رات و دن کا کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب: (۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جو حدیث پیش ہوئی ہے وہ مرسل ہے، اور مرسل تو شوافع کے یہاں حجت نہیں۔

(۲) یہ حدیث بالقصد کوتاہی کرنے پر محمول ہے۔

والمعدن جبار: معدن وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر پیدا کیا ہے، معدن کی تین قسمیں ہیں:

(۱)...... آگ کے ذریعہ پگھلانے سے پگھل جاتا ہے۔ جیسے سونا چاندی وغیرہ۔

(۲)...... جو آگ کے ذریعہ پگھلانے سے نہ پگھلتا ہو، جیسے سرمہ اور یاقوت غیرہ۔

(۳)...... جو کہ غیر منجمد اور مائع ہو، جیسے تارکول اور تیل وغیرہ۔

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کھدی ہوئی کان میں گر جائے یا اس کے اوپر کھڑا ہو اور پھر کان بیٹھ جائے جس کی وجہ سے وہ شخص ہلاک ہو جائے یا کسی مزدور کو کان کھودنے کے لئے اجرت پر مقرر کیا گیا اور وہ کان میں دب کر مر گیا تو ان صورتوں میں کان کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

والبئر جبار: کنویں میں گر پڑنا معاف ہے، مثلاً کسی شخص نے اپنی زمین یا کسی مباح زمین میں کنواں کھودا اور پھر اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو کنواں کھودنے والے پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا، اور اگر غیر کی زمین میں بغیر اجازت مالک کے کنواں کھودے اس میں اگر کوئی شخص گر کر مر جائے تو کھودنے والے کے عاقلہ پر ضمان اور کھودنے والے کے مال میں کفارہ واجب ہے۔

(فیض المشکوۃ: ۶/۲۸۷)

دفاع کرنے پر تاوان نہیں

{۳۳۵۷} **وَعَنْ** يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ وَكَانَ لِيْ أَجِيْرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا فَعَضَّ أَحَدُهُمَا يَدَ الْآخَرِ فَانْتَزَعَ الْمَعْضُوْضُ يَدَهُ مِنْ فِيْ الْعَاضِّ فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ فَسَقَطَتْ فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ وَقَالَ أَيَدَعُ يَدَهُ فِيْ فِيْكَ تَقْضِمُهَا كَالْفَحْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۳۰۱، باب الاجیر فی الغزو، کتاب الاجارۃ، حدیث نمبر: ۲۲۶۵، مسلم شریف: ۱/ ۵۸۔

حل لغات: **الاجیر:** مزدو، عارضی ملازم، **عض عضاً:** دانت سے کاٹنا، پکڑنا، **التنزع:** اکھڑنا، الگ ہونا، **نزع الشیٔ من مکا نہ:** کسی چیز کو اس کی جگہ سے کھینچ کر نکالنا، **اندر:** گرانا، ساقط کرنا، **الثنیۃ:** سامنے کے چار دانتوں میں سے ایک، **انطلق:** چلا جانا، گزر جانا، چلنا، **اھدر الشیٔ:** رائیگاں کرنا، **قضم:** (ض) دانتوں کے کنارے سے کوئی چیز کترنا یا کاٹ کھانا، **اھدر دمہ:** کسی کے خون کو مباح کرنا، اس پر سے قصاص و دیت کو ساقط کرنا۔

ترجمہ: حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تنگی کے لشکر (غزوہ تبوک) میں جہاد کیا، میرا ایک مزدور تھا وہ ایک شخص سے لڑ پڑا، تو ان میں سے ایک نے دوسرے کے ہاتھ پر کاٹ لیا، جس کو کاٹا گیا تھا اس نے کاٹنے والے کے منہ سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کا سامنے کا دانت ٹوٹ کر گر گیا، وہ شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دانت کو رائیگاں کر دیا، اور فرمایا: کہ وہ ہاتھ کو تمہارے منہ میں چھوڑے رکھتا، تا کہ تم اونٹ کی طرح اس کو چباتے رہتے؟ (بخاری و مسلم)

تشریح: **عن یعلی ابن امیۃ:** یہ تمیمی حنظلی ہیں فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے اس کے

بعد غزوہ حنین، غزوہ تبوک، غزوہ طائف میں شریک رہے، ان سے حدیث کی روایت ان کے بیٹے حضرت صفوان نے اور حضرت عطاء حضرت مجاہد وغیرہ رحمہم اللہ علیہم نے کی ہے، **"قال غزوت"** میں نے کافروں سے جہاد کیا مع رسول اللہ ﷺ **"جيش العسرة"** یعنی غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا اس کو **"جيش العسرة"** اس لئے کہا گیا کہ اس غزوہ میں مجاہدین اسلام کے پاس زاد سفر بہت ہی کم تھا سخت تنگی تھی اسی کے ساتھ موسم نہایت گرم تھا شدت کی گرمی پڑ رہی تھی۔

علامہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ **"ايدع"** سے آخر تک دانت گرنے کی علت کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ دفاع کرنے والا اپنے دفاع پر مجبور ہے، اور اس نے جو کیا وہ اس ظالم کے فعل کا نتیجہ ہے اسی نے اس کو اس پر مجبور کیا۔ شرح السنہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اور وہ عورت اپنے دفاع میں اس کو قتل کر دے تو اس پر قصاص یا دیت کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔

ایک لڑکی کا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا، واقعہ یہ ہوا کہ ایک نوجوان لڑکی لکڑی یعنی ایندھن جمع کر رہی تھی تو ایک بدنیت آدمی اس کے پیچھے لگ گیا اور اس کو بہکا پھسلا کر بدکاری پر آمادہ کرنا چاہا اس نیک بخت نے راضی ہونے کے بجائے کھینچ کر ایک پتھر اس کو مارا، اتفاق سے وہ اسی سے مر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قتل کیا ہوا ہے خدا کی قسم اس کا خون بہا ہرگز نہ دلایا جائیگا۔

اسی کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوی دیا ہے۔

یہی حکم اس کیلئے ہے جس نے کسی کے مال یا خون یا گھر والوں کے ساتھ بدنیتی کا ارادہ کیا تو مالک کو اس شخص کے دفع کرنے کا اختیار ہے اور اس سے قتال جائز ہے، اگر چہ مناسب یہ ہے کہ لڑائی کے بغیر اپنے انداز میں اس کو روکنے کی کوشش کرے تو یہ بہر حال احسن ہے اور اس کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ باز نہ آئے اور اس سے لڑنا پڑے اور لڑائی میں وہ قتل ہو جائے تو اس کا خون حلال ہے اس پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت لیکن بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

(انوار المصابیح: ۴۷۰/۶، مرقاۃ: ۳۴/۴، شرح الطیبی: ۱۰۲/۷)

مسئلة الحديث میں مسلک جمہور: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے واقعہ

میں ضمان اور قصاص نہیں ہے کیونکہ یہاں پر مقصود مدافعت عن نفسہ ہے نہ کہ **اضرار الغیر**، حاشیہ بذل میں ہے، **وبذلک قالت الثلاثۃ و قال مالک فیہ الدیۃ۔** (کذافی المغنی: ۱۰/۳۵۴، وفصل فیہ الدردیر: ۴/۳۵۶) **"بانہ ان ارادقطع اسنانہ ففیہ الدیۃ، وان ارادتخلیص یدہ فلا"** (صحیح بخاری ۲/۱۰۱۸) کی روایت میں عاض یا معضوض کی کوئی تعیین نہیں اس کے لفظ یہ ہیں، **"عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاعض یدر جل فنزع یدہ من فیہ فوقعت ثنیتاہ الخ"** اور دوسری روایت ہے **"عن صفوان بن یعلی عن ابیہ قال خرجت فی غزوۃ فعض رجل فانتزع ثنیتہ فابطلہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم"** (الدرالمنضود: ۶/۴۲۲)

مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا جانے والا شہید

{۳۳۵۸} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۳۳۷، باب من قاتل دون مالہ، کتاب المظالم، حدیث نمبر: ۲۴۸۰، مسلم شریف: ۱/۸۱، باب الدلیل علی ان من قصدا خذ مال غیرہ بغیر حق، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۲۶۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے مال کی وجہ سے قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے مال یا اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو وہ حکمی شہید ہے، یعنی آخرت میں اسکو شہیدوں جیسا ثواب ملے گا، اگرچہ دنیا میں اس پر شہداء کے احکام جاری نہیں کئے جائیں گے۔

من قتل دون مالہ فہو شہید: اپنے مال کی حفاظت کمال ایمان کی دلیل ہے لہذا مال

کی جان کی عزت وآبرو کی سب کی حفاظت کرنا چاہئے، کوئی شخص ان چیزوں پر حملہ آور ہو کر غصب کرنا چاہے تو اس سے قتال کرنا چاہئے، اگر اپنے مال کی حفاظت کی خاطر مزاحمت کرتے ہوئے جان چلی گئی تو شہادت کا مقام ملے گا، شہید کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)......وہ شخص جو اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کافروں سے جنگ کرے اور لڑتے ہوئے مارا جائے، یہ شخص اُخروی ثواب اور دنیوی احکام دونوں اعتبار سے شہید ہے۔

(۲)......وہ شخص جو ثواب اُخروی کے اعتبار سے شہید ہے دنیوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہے۔ اس کا مصداق بہت سے افراد ہیں ان میں سے ایک کا حدیث باب میں ذکر ہے، طاعون کی بیماری میں مرنے والا بھی اس میں شامل ہے۔ تفصیل کتاب الجنائز میں گذر چکی ہے۔

(۳)......وہ شخص جو مال غنیمت میں خیانت کرے اور کافروں کے ہاتھ سے میدان جنگ میں مارا جائے یہ دنیوی احکام کے اعتبار سے شہید ہے اس کو بغیر غسل دئے ہوئے دفن کیا جائیگا، لیکن اُخروی اعتبار سے یہ شہید نہیں۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۳۸۹)

ایضاً

{۳۳۵۹} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ اِنْ جَاءَ رَجُلٌ یُرِیْدُ اَخْذَ مَالِیْ قَالَ فَلَا تُعْطِهٖ مَالَكَ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قَاتَلَنِیْ قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قَتَلَنِیْ قَالَ فَاَنْتَ شَهِیْدٌ قَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قَتَلْتُهٗ قَالَ هُوَ فِی النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۸۱، باب الدلیل علی من قصد اخذ مال غیرہ بغیر حق، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۲۵۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتائے کہ اگر کوئی شخص

میرا مال لینے کے ارادہ سے آئے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ تم اس کو اپنا مال مت دو، ان صاحب نے عرض کیا کہ یہ بتائیں کہ اگر وہ شخص مجھ سے لڑائی کرنے لگے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اس سے لڑائی کرو، انہوں نے عرض کیا کہ اگر وہ مجھ کو قتل کردے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ایسی صورت میں تم شہید ہو گے، انہوں نے عرض کیا کہ یہ بتائیں اگر میں اس کو قتل کر دوں تو؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ وہ جہنمی ہوگا۔ (مسلم)

تشریح: کسی شخص کا مال دبانا یا اس سے چھیننا بہت بڑا جرم ہے، اور صاحب مال کا اپنے مال کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ مال کی حفاظت کی خاطر اگر لڑائی کی نوبت آجائے تو اس سے گریز نہ کرنا چاہئے دوران لڑائی اگر مر گیا تو شہید حکمی ہے اور اگر ڈاکو کو مار دیا تو ڈاکو کے ورثاء کو دیت قطعاً نہیں ملے گی، اور خود ڈاکو جہنم میں جائے گا۔

فلا تعطه: معلوم ہوا کہ مال کی حفاظت کرنا چاہئے، آسانی سے اس کو چوروں کے حوالہ نہیں کرنا چاہئے، **قال قاتله:** مال کی حفاظت کی خاطر لڑائی کی نوبت آجائے تو گریز نہ کرنا چاہئے، چور اگر چوری کرے تو اولاً صاحب مال اس کو روکے نہ رکے تب قتال کرے۔

انت شهيد: دوران قتال صاحب مال ہلاک ہو گیا تو شہید حکمی ہے یعنی آخرت میں اس کو شہادت کا ثواب ملے گا۔

هو في النار: چوں کہ ناحق طریقہ سے مال لینے والے سے قتال جائز ہے، اس لئے دوران قتال اگر چور اور ڈاکو ہلاک ہو گئے تو ان کے ورثاء کے لئے دیت نہیں ہے اور یہ ناحق طریقہ سے مال حاصل کرنے کی کوشش کرنے والے قتل ہوئے تو آخرت میں بھی ان کے لئے جہنم کی سخت سزا ہے۔
(فیض المشکوۃ: ۶/۳۰۹)

گھر میں تاک جھانک کرنے کا حکم

{۳۳۶۰} وَعَنْهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یَقُوْلُ لَوِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِكَ اَحَدٌ وَلَمْ تَاْذَنْ لَهٗ فَخَذَفْتَهٗ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَیْنَهٗ مَا کَانَ عَلَیْكَ مِنْ جُنَاحٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۱۷، باب من اخذ حقہ، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۲۸۸۸، مسلم شریف: ۲/۲۱۲، باب تحریم النظر، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۲۱۵۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تمہارے گھر میں کوئی جھانکے جب کہ تم نے اس کی اجازت نہیں دی تھی پھر تم نے اس کو کنکری ماری، جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: کسی کے گھر میں جھانکنا بہت بڑا گناہ ہے، اگر کسی نے اپنے گھر میں جھانکنے والے کو کسی چیز سے مارا جس سے جھانکنے والے کی آنکھ ضائع ہوگئی تو مارنے والے کو اپنے عمل پر نادم اور شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں اور اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہے، اس لئے کہ غیرت کا تقاضہ یہی ہے، البتہ آنکھ پھوڑنے کا تاوان دینا ہوگا یا نہیں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

لو اطلع: طاء کو تشدید ہے یعنی اوپر چڑھ کر بند دروازوں کی دراز سے دیکھے۔

ولم تاذن له: یہ جملہ حالیہ ہے یعنی اس حال میں کہ تم اس کو اس کے جھانکنے سے پہلے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔

فخذفته: انگلیوں پر کنکری رکھ کر تم نے پھینک مارا "**بحصاة**" مثال کے طور پر کنکری فرمایا کہ کنکری سے مارا یعنی اگر کسی اور چیز کو پھینک کر مارے تو بھی یہی حکم ہے۔

ماکان علیک من جناح، من جناح: تاکید کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہے، اور مطلب یہ کہ تم پر نہ کوئی عیب ہے نہ وجہ شرم اور نہ کوئی زیادتی۔

اسی پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عمل کیا اور فرمایا کہ اس پر آنکھ کا کوئی ضمان نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پر آنکھ کا ضمان واجب ہوگا، اور یہ حدیث زجر میں مبالغہ پر محمول ہے۔ واللہ اعلم۔ (انوار المصابیح: ۴/۳۷۶، مرقاۃ: ۶/۳۶۴)

گھر میں جھانکنے کی مذمت

{۳۳۶۱} وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ أَنَّ رَجُلاً اِطَّلَعَ فِيْ جُحْرٍ فِيْ بَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًى يَحُكُّ بِهِ رَأْسَهُ فَقَالَ لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَنْظُرُنِيْ لَطَعَنْتُ بِهِ فِيْ عَيْنَيْكَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجَلِ الْبَصَرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۱۰۲۰، باب من اطلع فی بیت قوم، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ۶۹۰۱، مسلم شریف: ۲/ ۲۱۲، باب تحریم النظر، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۲۱۵۶۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت نبی کریم ﷺ کے دروازے کے ایک سوراخ سے جھانکا، اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ایک کنگھا تھا، جس کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ اپنا سر کھجلا رہے تھے، پھر جب آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا: کہ اگر میں جانتا کہ بے شک تو مجھ کو دیکھ رہا ہے تو میں کنگھا تیری آنکھ میں چبھو دیتا، بلا شبہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت حاصل کرنا اسی آنکھ کی وجہ سے مشروع ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں یہ فرمایا کہ کسی کے گھر میں جھانکنا بہت بڑا جرم ہے جس طرح کسی گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونے کی ممانعت ہے، اسی طرح کسی کے گھر میں جھانکنا بھی ممنوع ہے، البتہ اگر بغیر قصد کسی کے گھر کے اندر نگاہ چلی گئی تو اس میں کوئی حرج ہیں ہے۔

انما جعل الاستیذان: اجازت حاصل کرکے گھر میں داخل ہونے کا شریعت نے جو قانون بنایا ہے، اس کا اصل مقصد یہی ہے کہ نامحرم پر نظر نہ پڑے جو شخص کسی کے گھر میں جھانک رہا ہے، تو وہ گویا کہ اس ضابطہ کو بھی توڑ رہا ہے، جھانکنے والے کو ہلکی چیز پھینک کر مارنے کی اجازت بھی اس حدیث سے سمجھ میں آرہی ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۳۹۱، مرقاۃ: ۷/ ۳/ ۴)

بلامقصد کنکری پھینکنے کی ممانعت

{۳۳۶۲} وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ رَاٰی رَجُلاً یَّخْذِفُ فَقَالَ لاَ تَخْذِفْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ اِنَّهٗ لاَ یُصَادُ بِهٖ صَیْدٌ وَلاَ یُنْکَاُ بِهٖ عَدُوٌّ وَلٰکِنَّهَا قَدْ تَکْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَاُ الْعَیْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۲۳/۲/۸۲۴، باب الخذف، کتاب الذبائح والصید، حدیث نمبر: ۵۴۷۹، مسلم شریف: ۱۵۲/۲، باب اباحۃ ما یستعان بہ علی الا صطیاد والعدو، کتاب الصید والذبائح، حدیث نمبر: ۱۹۵۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے ایک آدمی کو کنکری پھینکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کہ کنکری مت پھینکو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ان سے نہ تو کسی شکار کا شکار ہوتا ہے اور نہ دشمن زخمی کر کے ہلاک کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ کنکریاں دانت توڑ دیتی ہیں اور آنکھ پھوڑ دیتی ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں یہ ہے کہ بلا قصد کنکری ادھر ادھر پھینکنا مذموم عمل ہے، اس لئے کہ اس سے دنیا وآخرت کا کوئی فائدہ تو ممکن نہیں ہے، البتہ فتنہ وفساد اور کسی کا نقصان ہی ممکن ہے، لہٰذا ایسے عمل قبیح سے گریز کرنا چاہئے۔

یخذف خذف خاء: کے ساتھ انگلیوں کے ذریعہ کنکری پھینکنے کو کہتے ہیں؟ اور حا کے ساتھ ’حذف‘ مٹھی سے کسی چیز کے مارنے کو کہتے ہیں عبداللہ بن مغفل نے کنکریاں پھینکنے والے کو کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا اور بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل سے روکا ہے۔

لا یصاد بہ صید: کنکریاں پھینک کر شکار کرنا عادتاً ممکن نہیں ہے، اور اگر اتفاق سے کسی شکار کو کنکر لگ بھی جائے اور وہ کنکر کی چوٹ سے مرجائے تو وہ **”موقوذہ“** کے حکم میں ہے، اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

لا ینکا به عدو: کنکری مار کر بالقصد میدان جنگ میں دشمن کو زخمی کرنا بھی عادتاناممکن ہے۔ البتہ قریب کے اپنے ہی کسی ساتھی کو کنکر لگ سکتا ہے۔جس کی بنا پر اسکی آنکھ پھوٹنے اور دانت ٹوٹنے کاامکان ہے۔مقصد یہ ہے کہ اس حرکت سے اپنا ہی نقصان ہے،دشمن کونقصان نہیں پہنچایا جاسکتا ہے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے جب ان صاحب کو اس عمل سے روکا تو انہوں نے پھر یہی عمل کیا تو ان سے کہا کہ **"احدثک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن الخذف او کرہ الخذف وانت تخذف لااکلمک کذاو کذا"** میں نے تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے یا مکروہ سمجھا ہے۔لیکن اس کے باوجود تم کنکریاں پھینک رہے ہو، میں تم سے آئندہ گفتگو نہیں کروں گا،اس سے معلوم ہوا کہ سنت کی مخالفت کرنے والے سے ترک تعلق کیا جاسکتا ہے۔اور تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے ترک تعلق کی جو ممانعت ہے وہ اس میں داخل نہیں ہے۔(حوالہ سابق:۶/۳۹۲)

ہتھیار اٹھانے میں احتیاط

{۳۳۶۳} وَعَنْ أَبِي مُوْسٰى رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ فِي مَسْجِدِنَا وَفِيْ سُوْقِنَا وَمَعَهُ نَبْلٌ فَلْيُمْسِكْ عَلٰى نِصَالِهَا أَنْ يُّصِيْبَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْهَا بِشَيْءٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۴۷، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح فلیس منا، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۷۰۷۵، مسلم شریف: ۲/۳۲۸، باب النھی عن الاشارۃ بالسلاح، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۲۶۱۷۔

حل لغات: **النبل:** تیر، **النصل:** تیر اور نیزے کی نوک، پیکان، پھلکا پھل، چھری اور چاقو کا اگلا حصہ جمع،نصال: **امسک الشیٔ بیدہ:** کوئی چیز ہاتھ سے پکڑنا، ہاتھ میں لینا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی شخص ہماری مسجد یا ہمارے بازار سے گذرے اوراس کے پاس تیر ہوں تواس کو چاہئے کہ تیر کے پھل کو پکڑ لے کہیں کسی مسلمان نہ کولگ جائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: کسی مسلم کی ایذاء رسانی اورایذاء دہی سے اجتناب واحتیاط میں مبالغہ مقصود ہے کہ کسی عمل سے غیر اختیاری طور پر ایذاء مسلم کا اندیشہ بھی ہواس سے بھی کمال احتیاط کی ضرورت ہے۔ (مرقاۃ:۷/۳۷/۴)

ہتھیار سے اشارہ کرنا

{۳۳۶۴} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُشِیْرُ اَحَدُکُمْ عَلٰی اَخِیْهِ بِالسَّلَاحِ فَاِنَّهٗ لَایَدْرِیْ لَعَلَّ الشَّیْطَانَ یَنْزَعُ فِیْ یَدِهٖ فَیَقَعُ فِیْ حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۴۷/۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح فلیس منا، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۷۰۷۲، مسلم شریف: ۳۲۸/۲، باب النهی عن الاشارة بالسلاح، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۲۶۲۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ لے، جس کی وجہ سے وہ جہنم کے کسی گڑھے میں گرجائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: مسلمانوں کا قتل تو عظیم گناہ ہے ہی اس کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی سخت ممنوع ہے۔ اس لئے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے، اس سے گناہ کرانے کے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے۔ ممکن ہے ہتھیار سے اشارہ کرتے وقت شیطان کی اثراندازی سے قتل مؤمن کا عظیم جرم سرزد ہوجائے، جس کی پاداش میں جہنم کا گڑھا مقدر ہوجائے۔

لایشیر احدکم علی اخیہ: جو بھی چیز ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتی ہے اس سے کسی مسلمان کو اشارہ کرنا منع ہے، مسلمان ہی کے حکم میں ذمی بھی ہے۔ **"لعل الشیطان"** شیطان کی دخل اندازی کی بنا پر اگر غلطی سے بھی قتل مؤمن کا ارتکاب ہوا تو گناہ بھی ہے اور دیت بھی دینا پڑیگی، اس لئے شروع سے ایسے عمل سے بچنا چاہئے جو اس عظیم گناہ میں مبتلا کرنے والا ہو۔

ہتھیار سے اشارہ کرنے پر لعنت

{۳۳۶۵} **وَعَنْہُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَشَارَ اِلٰی اَخِیْہِ بِحَدِیْدَۃٍ فَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ تَلْعَنُہُ حَتّٰی یَضَعَھَا وَاِنْ کَانَ اَخَاہُ لِاَبِیْہِ وَاُمِّہٖ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/ ۳۲۹، باب النھی عن الاشارۃ بالسلاح الی مسلم، کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر: ۲۶۱۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس نے اپنے بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کیا تو فرشتے اس پر اس وقت تک لعنت کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اس لوہے کو رکھ نہیں دیتا اگر چہ وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ (مسلم)

تشریح: مسلمان پر ہتھیار اٹھانے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، جو شخص اس ممنوعہ عمل کا ارتکاب کرتا ہے وہ فرشتوں کی لعنت کا مصداق بنتا ہے۔ حدیث باب سے سمجھ میں آتا ہے کہ تفریح کے طور پر بھی مسلمان پر ہتھیار اٹھانے کی ممانعت ہے۔

الی اخیہ: یعنی اپنے مسلمان بھائی کی طرف **"بحدیدۃ"** یعنی لوہے کا وہ ہتھیار جس سے قتل کیا جاتا ہو یا کیا جاسکتا ہو **"فان الملائکۃ تلعنہ"** یعنی اس کے لئے جنت سے دوری کی دعا کرتے ہیں **"حتی یضعھا"** یعنی یہاں تک کہ وہ لوہے کے اس ہتھیار کو رکھ دے، اس جملہ میں یہ اشارہ ہے کہ اشارہ کرنے کے بعد بھی جب تک وہ اسکو اپنے ہاتھ میں لیئے رہے گا فرشتوں کی لعنت ہوتی رہے گی یہاں تک

کہ وہ اس کو ہاتھ سے رکھ دے۔

وان کان: یعنی اشارہ کرنے والا اگرچہ "**اخاہ**" اس کا بھائی ہو جس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور اس کے ذریعہ حقیقت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ کسی کا سگا بھائی بھائی بہت ہی شقی القلب ہو جب بھی اپنے بھائی کو قتل نہیں کرتا تو یہ اشارہ حقیقتاً قتل کا نہ ہوگا بلکہ ہنسی مذاق کے طور پر ہی ہوگا پھر بھی یہ اتنا ناپسند ہے کہ فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں، غور کیا جائے جب قطعی طور پر یہ فعل ہنسی مذاق کے طور پر ہونے میں وہ فرشتوں کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے تو اگر واقعتاً قتل کے ارادہ سے ایسا اشارہ ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا۔

(انوار المصابیح: ۴۷۷/ ۶، مرقاۃ المفاتیح: ۳۶/ ۶)

مسلمان پر تلوار اٹھانے پر وعید

{۳۳۶۶} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ البخاری) وَزَادَ مُسْلِمٌ وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۴۷/۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح فلیس منا، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۷۰۷۰، مسلم شریف: ۷۰/۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنا فلیس منا، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (بخاری) مسلم نے زیادہ کیا ہے کہ اور جس نے ہم کو دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح: مسلمان پر ہتھیار اٹھانا خواہ مزاق کے طور پر ہو یا ڈرانے دھمکانے کی غرض سے ہو ممنوع ہے کسی مسلمان کے لئے یہ عمل قطعا جائز نہیں ہے، اگر کوئی مسلمان یہ عمل انجام دیتا ہے تو اس کے بارے میں یہ وعید ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نہیں ہے اور وہ شریعت اسلامیہ سے دور ہے

اسی طرح کسی معاملہ میں مسلمان کو دھوکہ دینے والا بھی سخت وعید کا مصداق ہے وہ بھی ملت اسلامیہ سے دور ہے۔

من حمل علینا السلاح: مسلمان پر ہتھیار اٹھانا غیر اسلامی طریقہ ہے، جو شخص اس قبیح عمل کو انجام دے وہ مسلمان شمار ہونے کے قابل نہیں ہے، یہ وعید اس کے لئے ہے جو کسی مسلمان پر بلا وجہ ہتھیار اٹھائے اگر کسی کی بغاوت کچلنا مقصود ہے، اس غرض سے ہتھیار اٹھایا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **"فلیس منا"** اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان پر ہتھیار اٹھانے والا مسلمان کافر ہوگیا، اصل بات یہ ہے کہ جن امور کو اسلام میں غلط سمجھا گیا اور جن کی شریعت نے اجازت نہیں دی اور وہ امور زمانہ جاہلیت میں رائج تھے، ان سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کے مرتکب کا تعلق ہم سے نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مزاج شریعت میں یہ بات داخل ہے کہ کسی چیز سے سختی سے روکنے کے لئے زجرو توبیخ اور مبالغہ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے یا پھر یہ وعید اس کے لئے ہے جو مسلمان پر ہتھیار اٹھانے کو حلال سمجھ کر ہتھیار اٹھائے۔

من غشنا: تجارت وغیرہ میں مسلمان کو دھوکہ دینا بھی سخت گناہ ہے، دھوکہ دینے والے یعنی خیانت کرنے والے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کا ہم سے تعلق نہیں ہے۔ مزید وضاحت ماقبل میں گذر چکی ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۳۹۴)

مسلمان پر تلوار سونتنے والا

{۳۳۶۷} **وَعَنْ** سلمة بن الاکوع رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَیْنَا السَّیْفَ فَلَیْسَ مِنَّا۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۶۹، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح فلیس منا، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۲۔

حل لغات: **سل الشی من الشیء:** کھینچ کر نکالنا، آہستہ سے نکالنا، **سل السیف من غمدہ:** میان سے تلوار نکالنا، تلوار سونتنا۔

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے ہمارے اوپر تلوار کھینچی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم)

تشریح: کسی مسلمان کو ڈرانے دھمکانے کی غرض سے یا ہنسی مزاق کی غرض سے تلوار سونتنا بھی شدید ترین گناہ ہے اور ایسا شخص مسلمان شمار ہونے کے قابل نہیں ہے۔

من سل علینا السیف فلیس منا" علی ضرر کے لئے آتا ہے جو تلوار نکالے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے وہ اسلامی طریقہ پر نہیں ہے اس لئے کہ مسلمانوں پر تلوار اٹھانا تو غیر مسلموں کا طریقہ ہے۔

ناحق عذاب کی سزا

{۳۳۶۸} **وَعَنْ** هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ هِشَامَ بْنَ حَكِيمٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ مَرَّ بِالشَّامِ عَلَى أُنَاسٍ مِنَ الْأَنْبَاطِ وَقَدْ أُقِيمُوا فِي الشَّمْسِ وَصُبَّ عَلَى رُؤُسِهِمُ الزَّيْتُ فَقَالَ مَا هٰذَا قِيلَ يُعَذَّبُونَ فِي الْخَرَاجِ فَقَالَ هِشَامٌ أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللهَ يُعَذِّبُ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۳۲۷/۱، باب الوعید الشدید لمن عذب الناس بغیر حق، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر: ۲۶۱۲۔

ترجمہ: حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بلاشبہ ہشام بن حکیم ملک شام میں کچھ نبطی لوگوں کے پاس سے گذرے دراں حالیکہ ان کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا، اور ان کے سروں پر تیل ڈالا گیا تھا، ہشام نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہیں جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کو خراج کی وجہ سے عذاب دیا جارہا ہے، ہشام بولے میں گواہی دیتا ہوں کہ البتہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے

کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دیں گے، جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیں گے۔ (مسلم)

تشریح: کسی کو سخت سزا دینے سے گریز کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص دنیا میں کسی کو عذاب میں مبتلا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو عذاب میں مبتلا کریں گے، جلانا، دھوپ میں کھڑا کر کے سر پر گرم تیل ڈالنا یہ سب عذاب کی انواع ہیں، شریعت اسلامیہ میں اس قسم کی سزاؤں کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

عن ہشام ابن عروۃ عن ابیہ: یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے انکی کنیت ابو المنذر رہے یہ قریشی مدنی تابعی ہیں، اکابر علماء اور اجل تابعین میں ان کا شمار ہے کثرت کے ساتھ حدیث بیان کرنے والوں میں ان کا شمار ہے، انہوں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث کی سماعت کی ہے اور ان سے روایت کرنیوالے بہت سے افراد میں ثوری، مالک بن انس اور ابن عیینہ ہیں۔

ان ہشام بن حکیم: ابن حزام قریشی اسدی ہیں فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے اور فضلاء صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں ان کا شمار ہے اور ان لوگوں میں جو خاص طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کرتے ہیں ان میں بھی اس وصف میں ممتاز تھے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جیسے اکابرین، اساطین امت نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے ان کی کنیت ابو خالد تھی اپنے والد سے پہلے انہوں نے انتقال کیا یہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے، واقعہ فیل سے تیرہ دن پہلے خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے شرفاء قریش میں تھے جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں قریش کے سرداروں میں ان کا شمار تھا، "۵۴ھ" میں مدینہ طیبہ میں اپنے مکان میں انتقال فرمایا جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی، ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ ہی سال اسلام میں گذارے، متقی و پرہیزگار و عابد و زاہد حضرات میں ان کا شمار ہے دور جاہلیت میں ایک سو غلام آزاد کر چکے تھے۔

فقال: یعنی ابن حکیم نے کہا **"ماھذا"** یعنی اس سلوک کا سبب کیا ہے کہ ان کو دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر گرم تیل ڈالا جارہا ہے جو سخت ترین عذاب ہے۔ **"قیل یعذبون فی الخراج"** یعنی خراج کی جو رقم ان پر باقی رہ گئی ہے اس کی وصولی کے لئے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہے **فقال** ہشام ابن حکیم نے فرمایا **"اشھد"** سے **"یعذبون الناس"** تک یعنی اللہ تعالیٰ عذاب دیتا ہے ان لوگوں کو جو لوگوں کو عذاب دیتے ہیں اس دنیا میں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ عقبیٰ میں عذاب دے

گاان کو آخرت میں اسی طرح عذاب دیا جائے گا، **"فی الدنیا"** یعنی دنیا میں ناحق لوگوں کو عذاب وسزا میں مبتلا کرتے ہیں، حضرت ابن عباس سے مرفوعا ایک روایت میں ہے، فرمایا: **"لاتعذبوا بعذاب اللہ"** اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب مت دو۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۳۸۰/۴، انوار المصابیح: ۴۸۷/۶)

اعتراض: یہاں خراج کا ذکر ہے، جب کہ مسلم کی ایک روایت میں جزیہ کا ذکر ہے، یہ اختلاف کیوں ہے؟

جواب: خراج کا اطلاق کبھی کبھی جزیہ پر بھی ہوتا ہے۔

ان اللہ یعذب: اللہ کے بندوں کو عذاب دینے والوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں عذاب دیں گے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید ان کے حق میں ہے، جو ظلما ناحق کسی کو سخت سزا دینے والے ہوں، اگر کوئی شخص سزا کا مستحق ہے اور اس کو سزا دی جارہی ہے تو کوئی گناہ نہیں ہے، جیسے قصاص، حدود اور دیگر تعزیرات کو مجرمین پر نافذ کرنا نہ صرف درست بلکہ حکم شریعت ہے۔

سوال: شام میں مسلم امیر تھے، پھر انہوں نے ناحق ایسی ہولناک سزا کیوں دی؟

جواب: ممکن ہے امیر نے اپنے اجتہاد سے یہ سزا تجویز کی ہو اور اسکو تعزیر سمجھ کر اس کی گنجائش سمجھ رہے ہوں۔ (مستفاد تکملہ فتح الملہم: ۴۳۲/۵)

ظالم حکام کے حق میں وعید

{۳۳۶۹} **وَعَنْ** أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ اَنْ تَرَى قَوْمًا فِيْ اَيْدِيْهِمْ مِثْلُ اَذْنَابِ الْبَقَرِ يَغْدُوْنَ فِيْ غَضَبِ اللهِ وَيَرُوْحُوْنَ فِيْ سَخَطِ اللهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيَرُوْحُوْنَ فِي لَعْنَةِ اللهِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۳۸۳/۲، باب النار یدخلها الجبارون، کتاب الجنۃ، حدیث نمبر: ۲۸۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم عنقریب ایسے لوگوں کو دیکھو گے جن کے ہاتھ میں گائے کی دم جیسی چیز ہوگی، وہ صبح کریں گے تو اللہ کے غضب میں اور شام کریں گے تو اللہ کے غضب میں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اللہ کی لعنت میں شام کریں گے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے حق میں سخت وعید ہے، جو ظالموں اور جابروں کے زیر سایہ رہ کر غریبوں اور کمزوروں کو اذیت پہنچاتے ہیں، ان کا کام صرف ظلم وستم کا بازار گرم کرنا رہتا ہے، ایسے لوگ ہمہ وقت غضب خداوندی کا شکار رہتے ہیں۔ صبح وشام یعنی ہمہ وقت عذاب خداوندی اور لعنت خداوندی میں مبتلا رہتے ہیں، معلوم ہوا کہ کسی پر ناحق ظلم کرنا، ناحق سزا دینا کتنا خطرناک ہے، حکام لوگ عموماً ظلم کے عادی ہوجاتے ہیں اور خلق خدا پر بلاوجہ ظلم کرتے رہتے ہیں ایسے ظالم حکام کو اسکا انجام سوچنا چاہئے اور ظلم سے باز آنا چاہئے۔

فیشن کرنے والی عورتوں کے حق میں وعید

{۳۳۷۰} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا وَاِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۳۴۷، باب اذا ضرب العبد لیجتنب الوجہ، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۲۵۵۹، مسلم شریف: ۲/۳۲۷، باب النھی عن ضرب الوجہ، کتاب البر، حدیث نمبر: ۲۶۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ: اہل جہنم کی دو جماعتیں ہوں گی جن کو میں نے نہیں دیکھا۔

(۱)......ایک وہ جماعت جن کے پاس گائے کی پونچھ کی طرح کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔

(۲)...... دوسری قسم وہ عورتیں ہوں گیں جو کپڑے پہننے والیاں ہوں گی اور ننگی ہوں گیں مائل کرنے والیاں اور مائل ہونے والیاں ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہان کے مثل جھکے ہوئے ہوں گے نہ وہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی حالانکہ بلاشبہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے پائی جاتی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں دو طبقات کے لئے سخت وعید ہے۔

(۱)......وہ طبقہ جسکا گذشتہ حدیث میں ذکر ہوا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ظالموں کے اشاروں پر کمزوروں پر ظلم وستم کرتے ہیں، انکو جنت اور جنت کی خوشبو سے محرومی ہوگی اور انکا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

(۲)......عورتوں کا وہ طبقہ جو حد سے زیادہ فیشن کرتا ہے، اپنے حسن و جمال کے اظہار کے لئے ایسے لباس پہنتی ہیں جو ستر پوشی سے قاصر ہوتا ہے کہ لباس کے باوجود ان کا بدن نظر آتا ہے یا بدن کے بعض حصے نظر آتے ہیں اور غیر مردوں کو اپنی جانب راغب کرنے کے لئے طرح طرح کی ادائیں دکھاتی ہیں یہ بد بخت جماعت بھی جہنم میں رہے گی۔ **"نساء کاسیات"** اس جملہ کی وضاحت میں کئی باتیں لکھی گئی ہیں چند کو نقل کیا جاتا ہے۔

(۱)......اس جملہ میں ان عورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اتنے باریک کپڑے پہنتی ہیں کہ ان کا بدن جھلکتا ہے۔

(۲)......اس طرح کے کپڑے پہنتی ہیں کہ جس سے بدن کا کچھ حصہ چھپا رہتا ہے اور کچھ حصہ کھلا رہتا ہے یعنی جن کا لباس ناقص و ناتمام ہوتا ہے، مثلاً لباس پہنے ہوئے ہیں مگر سینہ کھلا ہوا ہے یا کمر کھلی ہوئی ہے، جیسا کہ آج ساڑی اور بلاؤز کا رواج ہے۔

(۳)......اللہ کی نعمتوں میں ڈوبے رہنے کے باوجود شکر سے خالی ہیں۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا)

(۴)......قسم قسم کے زیورات اور لباس زیب تن کرتی ہیں، مگر تقوی و عمل صالح کے لباس سے محروم

رہتی ہیں، جیسے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے، **"رب کا سیات فی الدنیاعاریات فی العقبی"** بہت سی عورتیں دنیا میں لباس پہننے والیاں ہیں اور وہ آخرت میں ننگی ہوں گی۔ ان عورتوں کے متعلق ہے، جو لباس پہنے ہوئے ہیں اور پھر بھی ننگی ہیں۔ **"ممیلات"** (مائل کرنے والیاں) اس کی بھی کئی وضاحتیں منقول ہیں۔

(۱)......وہ عورتیں مراد ہیں، جو اپنے بناؤ سنگھار کے ذریعہ مردوں کو اپنی طرف راغب کرنے والی ہوں۔

(۲)......وہ عورتیں جو اپنے دوپٹے اپنے سروں سے اتار کر پھینکتی ہیں تا کہ مرد ان کے چہرے کی طرف مائل ہوں۔

(۳)......اپنی گفتگو اور ناز و انداز سے مردوں کو زنا کی طرف مائل کرنے والی ہوں۔

مائلات: (مائل کرنے والیاں) اس سے متعلق بھی چند قول ہیں۔

(۱)......قلبی طور پر جو عورتیں مردوں کی طرف مائل ہونے والی ہوں۔

(۲)......وہ عورتیں جو مٹک مٹک کر چلتی ہوں تا کہ لوگوں کے دل فریفتہ ہوں۔

(۳)......عفت و پاک دامنی سے مائل یعنی ہٹ جانے والی عورتیں۔

(۴)......خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کی طرف میلان رکھنے والی عورتیں **"رؤسھن کا سنمة البخت"** ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے، اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو اپنی چوٹیوں کو جوڑے کی صورت میں سر پر باندھ لیتی ہیں اور جس طرح بختی اونٹ کے کوہان فربہی کی وجہ سے ادھر ادھر ہلتے رہتے ہیں اسی طرح ان کے سر کے جوڑے بھی ادھر ادھر ہلتے رہتے ہیں۔ اس حدیث میں عورتوں کے جس خاص طبقہ کی نشاندہی کی گئی ہے اس کا وجود آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں نہیں تھا، بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آنے والے زمانے میں اس قسم کی عورتوں کے پیدا ہونے کی خبر دی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ اوصاف مصری عورتوں کے ہیں یعنی اس پیشین گوئی کا مصداق خصوصی طور پر مصر کی عورتیں بن رہی ہیں۔

لا یدخلن الجنة: یہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی، عدم دخول جنت کا حکم عورتوں کے

بارے میں ہے، اگر مرد حضرات اس قسم کے اوصاف کے ساتھ متصف ہوں تو ان کا حکم بھی یہی ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ ایسی عورتیں کبھی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب عفیفہ عورتیں جنت میں داخل ہونگی اس وقت اس قسم کی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوگی، البتہ اپنی سزا جھیلنے کے بعد جنت میں داخل ہوں گیں۔ (مرقاۃ الفاتیح: ۴۰/۴، ایضاح المشکوۃ: ۴۱۷/۲)

چہرے پر مارنے کی ممانعت

{۳۳۷۱} وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاتَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۳۴۸/۲، باب اذا ضرب العبد فلیجتنب الوجہ، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۲۵۵۹، مسلم شریف: ۳۲۷/۲، باب النہی عن ضرب الوجہ، کتاب البر، حدیث نمبر: ۲۶۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مارے تو اس کو چاہئے کہ وہ چہرے پر مارنے سے بچے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت معزز ومکرم بنایا ہے اور اس کے تمام اعضاء میں چہرے کو خصوصی فضیلت عطا کی ہے، لہٰذا کسی انسان کو دوسرے انسان کے چہرے پر مارنے سے گریز کرنا چاہئے۔

اذا قاتل احدکم ای ضارب: وغیرہ (قاری) "فلیجتنب الوجہ" تو اس کو چاہئے کہ وہ جس سے لڑ رہا ہے اور مار پیٹ کر رہا ہے اس کے چہرے پر مارنے سے بچے، بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کا امر استحباب کے لئے ہے اس لئے کہ مسلمان کا ظاہر حال یہ ہے کہ اس کی لڑائی بالعموم کفار سے ہوتی

ہے، اور ان دشمنان خدا کے چہرے پر مارنا مقصود کو بہتر طور پر پورا کرنے والا ہے۔

فان اللہ خلق آدم علی صورتہ: صورت، کی ضمیر کا مرجع معین کرنے میں شارحین کو دشواری پیش آئی ہے۔ اصحاب ذوق مرقاۃ المفاتیح کا مطالعہ فرمائیں، چند سطریں یہاں بھی آپ کے ملاحظہ کیلئے سپرد قلم ہیں۔

(۱) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اس کی ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور اسی کو ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے پسند کیا ہے اور اس مرجع کو اختیار کرنے کے بعد معنیٰ کی تفصیل کی چند شکلیں ہیں ان میں سے۔

(۱) پہلی شکل و توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا یعنی جس صورت میں پیدا کیا وہ ان کی صورت اپنی پیدائش سے عمر کے ختم تک یکساں رہی جب کہ دوسرے انسان کی پیدائش کی یہ صورت نہیں ہوتی بلکہ اس کی پیدائش یوں شروع ہوتی ہے کہ انسان پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر علقہ، پھر مضغہ اور پھر ہڈی اور اعضاء پھر ان پر گوشت پھر جاندار ایسا کہ کچھ کھاتا پیتا نہیں پھر دودھ پیتا بچہ ہو کر پیدا ہوتا ہے، پھر نشو و نما پانے والا طفل ہوتا ہے، پھر وہ مراہق یعنی جوانی کی قریب کی عمر کو پہنچتا ہے پھر وہ جوان ہوتا ہے، پھر وہ کہولت یعنی بڑھاپے اور جوانی کے درمیان کی عمر کو پہنچتا ہے پھر وہ بوڑھا ہوتا ہے، اور آدم علیہ السلام جس صورت پر پیدا ہوئے تھے اسی پر رہے مذکورہ مراحل سے ان کو گذرنا نہیں پڑا۔

(۲) اور دوسری صورت خلق آدم کی یہ ہے کہ ان کی تخلیق اس حال میں ہوئی کہ دوسری مخلوق اس میں انکی شریک نہیں مثلاً یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک مرتبہ، مرتبہ علم سے متصف ہیں تو دوسری مرتبہ جہل سے اور کبھی خطاونسیان میں مبتلا ہیں تو کبھی رشد و ہدایت اور استغفار سے اور کبھی اثم وعصیان کے استحاق کی وجہ سے اور "**اخراج عن الجنۃ**" کی وجہ سے قرین شیطان ہیں تو دوسرے لحظہ میں مجتبیٰ کے نام سے موسوم ہو رہے ہیں، تاج خلافت سے نوازے جارہے ہیں، کبھی زمین کی تدابیر میں مصروف ہیں اور کبھی اپنی روح کے ذریعہ "**اعلی علیین**" کی سیر کر رہے ہیں، اور کبھی اپنے کھانے پینے اور مناکحت میں شریک بہائم ہیں تو دوسرے لمحہ اپنی فکر و ذکر تسبیح و تہلیل میں فرشتوں پر سبقت لئے جارہے ہیں۔

(۳) **خلق آدم کی تیسری خصوصیت:** یہ ہے کہ ان کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی عظیم صفت اختراع ہے، اس لئے کہ تمام مخلوق میں معاملہ یہ ہے کہ انکی مثالیں موجود تھیں انہیں امثلہ متقدمہ پر ان کی تخلیق ہوئی **"فیہ نظر"** اور آدم علیہ السلام کی تخلیق میں اختراع جدید و عجیب کا مظاہرہ ہے روحانی اعتبار سے ملکیت ہے اور جسمانی اعتبار سے حیوانیت ہے متناسب الاعضاء ہے اس جیسی ان سے پہلے اور کوئی مخلوق نہ تھی بلکہ ایک ذات قدیم نے ان کی تخلیق میں ایسے اختراع کا مظاہرہ کیا کہ اس سے پہلے ان کی صفت کی اور کوئی مخلوق نہیں گذری تھی۔

اور انسان کے چہرے کی تعظیم اس لئے ہے کہ وہ انسان کے تمام اعضاء میں اشرف ہے اس لئے کہ اس کے اکثر اقسام اس میں ہیں پھر نیز اس لئے کہ چہرہ کا مرتبہ یہ ہے کہ اگر یہ نہ رہے تو انسان کا مکمل وجود ہی معدوم ہو جائے برخلاف دوسرے اعضاء کے کہ ان میں ان کا اگر کوئی نہ رہے تو انسان کی بقاء پر کوئی اثر نہیں، تو گویا یہ فرمایا گیا یہ جس کو تم مار رہے ہو یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے مشابہ ہے۔

(۴) اور ایک توجیہ یہ ہے کہ اس کی ضمیر مضروب کی طرف راجع ہے شیخ محی الدین نے یہی کہا ہے کہ اس لئے کہ مسلم میں اس کی ایک روایت موجود ہے۔

(۵) ایک احتمال یہ ہے کہ ضمیر وجہ کی طرف راجع ہو۔

(۶) ایک احتمال یہ ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو، تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا، فقط: **"واللہ تعالیٰ اعلم ھذا نبذ مما ذکر فیہ"** مزید تفصیل کے لئے مرقاۃ دیکھئے: ۴۰ر تا ۴۲/ ۴۔

(شرح الطیبی: ۱۱۰ر تا ۱۱۲/ ۷)

(۱) شارح صحیح بخاری علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں دہریہ کے عقیدے پر رد ہے کہ انسان کی خلقت روز اول ہی سے نطفہ، مضغہ کے تدریجی مراحل طے کرتی ہے، انسان نطفہ اور نطفہ انسان کی پیداوار ہے، اس حدیث میں صراحت آگئی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت نطفے سے نہیں ہوئی بلکہ مٹی سے ابتداء ہی میں اپنی اصل صورت پیدا کئے گئے تھے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ **"علی صورتہ"** میں ضمیر لفظ **"اللہ"** کی طرف راجع ہے اور **"صورۃ"** سے صفت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر پیدا کیا، یعنی ان کو ان

صفات کے ساتھ موصوف کیا جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو اور جھلک ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حیّ، عالم، قادر، مرید، متکلم، سمیع اور بصیر بنایا۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ضمیر لفظ "**اللہ**" کی طرف راجع ہے اور "**صورۃ**" سے صفت نہیں ہے بلکہ صورت وہیئت ہی مراد ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت تشریف وتکریم کے لئے ہے، جیسا کہ "**روح اللہ**" اور "**بیت اللہ**" میں روح اور بیت کی اضافت شرف اور عظمت کو ظاہر کرنے کیلئے ہے، اس صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی شکل وصورت کی وجاہت ولطافت اور حسن وخوبصورتی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس لطیف وجمیل صورت پر پیدا کیا جو اسرار ولطائف پر مشتمل ہے اور جس کو اس نے اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ اپنے پاس سے عطا کیا۔

الفصل الثانی

کسی کے گھر میں جھانکنا

{۳۳۷۲} عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَشَفَ سِتْرًا فَاَدْخَلَ بَصَرَہٗ فِی الْبَیْتِ قَبْلَ اَنْ یُّؤْذَنَ لَہٗ فَرَاٰی عَوْرَۃَ اَھْلِہٖ فَقَدْ اَتٰی حَدًّا لَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَّاْتِیَہٗ وَلَوْ اَنَّہٗ حِیْنَ اَدْخَلَ بَصَرَہٗ فَاسْتَقْبَلَہٗ رَجُلٌ فَفَقَاَ عَیْنَہٗ مَا عَیَّرْتُ عَلَیْہِ وَاِنْ مَرَّ الرَّجُلُ عَلٰی بَابٍ لَا سِتْرَ لَہٗ غَیْرَ مُغْلَقٍ فَنَظَرَ فَلَا خَطِیْئَۃَ عَلَیْہِ اِنَّمَا الْخَطِیْئَۃُ عَلٰی اَھْلِ الْبَیْتِ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۰۰، باب الاستئذان قبالہ البیت، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر: ۲۷۰۷۔

حل لغات: العورۃ: ہر وہ حصہ جسم جسے انسان کراہت یا شرم کی وجہ سے چھپاتا ہے، **الحد:** سرحد، کسی چیز کے حدود، انتہا، مجرم کے لئے شرعا واجب ہونے والی سزا، **فقأ العین:** آنکھ پھوڑنا، **عیرہ:**

کسی کو برے فعل سے شرم دلانا، طعنہ دینا، کسی کے فعل یا حال کو قابل مذمت قرار دینا، عیب لگانا،
الخطیئۃ: گناہ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے پردہ اٹھایا اور اپنی نگاہ گھر میں داخل کی اس کو اجازت دیے جانے سے پہلے تو اس نے گھر والے کا ستر دیکھ لیا، تو وہ ایک ایسی حد پر پہنچا کہ اس کے لئے جائز نہیں تھا، کہ وہ اس حد پر پہنچتا، اور اگر صورت حال یہ ہو کہ اس نے جب گھر میں اپنی نگاہ داخل کی تو کوئی شخص اس کے سامنے آگیا جس نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو میں اس کو مورد الزام قرار نہیں دوں گا، اور اگر کوئی ایسے دروازہ پر سے گذرا جس پر نہ تو پردہ ہے اور نہ وہ بند ہے اور بے اختیار اس کی نگاہ گھر میں چلی گئی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بلاشبہ اس صورت میں غلطی گھر والوں کی ہے۔ (ترمذی)

تشریح: کسی کے گھر میں جھانکنا بہت بڑا گناہ ہے گھر میں داخل ہونے کی اجازت ملنے سے پہلے گھر میں جھانکنا اجازت طلب کرنے کے مقصد کو فوت کر دیتا ہے، لہٰذا کسی کے گھر میں داخلہ کی اجازت طلب کرتے وقت دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہونا چاہئے، اور نہ دروازوں کے سوراخوں وغیرہ سے گھر کے اندر جھانکنا چاہئے۔ جس میں آج عامۃً لوگ مبتلا ہیں۔

من کشف ستراً: کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا ضروری ہے، اور جو شخص اجازت لینے سے پہلے ہی گھر میں جھانک لیتا ہے تو وہ مقصد اجازت کو فوت کر دیتا ہے، اجازت طلب کرنے کی ہدایت دو وجہوں سے ہے۔

(۱) آدمی کبھی تنہائی میں بے تکلف حالت میں ہوتا ہے اور کبھی کسی ضرورت سے برہنہ بھی ہوتا ہے، پس اگر کوئی اچانک گھر میں گھس آئے گا، یا گھر میں جھانک کر دیکھے گا، تو ممکن ہے جھانکنے والے کی نگاہ اس کے ستر پر پڑ جائے، اور یہ بات اس کو سخت ناگوار ہو حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنی والدہ کے پاس جانے کیلئے اجازت لوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجازت لو، انہوں نے کہا کہ میں والدہ کے ساتھ ہی رہتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر بھی اجازت لو، انہوں نے عرض کیا میں ان کا خادم ہوں،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ تاہم اجازت لو، کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگا دیکھو؟ انہوں نے جواب دیا نہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پس اجازت لو، کیوں کہ ممکن ہے وہ کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہوں اور اس پر تمہاری نظر پڑ جائے۔

(۲) کبھی انسان اپنے گھر میں تنہائی میں کوئی ایسا کام کر رہا ہوتا ہے، جس کے بارے میں نہیں چاہتا کہ دوسرا اس سے واقف ہو پس اگر کوئی شخص بے اجازت اندر گھس آئیگا، یا گھر کے اندر جھانک کر دیکھ لے گا، تو اس کو سخت اذیت پہنچے گی۔ (تحفۃ الالمعی: ۶/۴۸۵)

فرای عورة اهله: ستر چھپانا تہذیب کی بنیاد ہے، اور ستر دیکھنا شہوت کو بھڑکاتا ہے، جس شخص نے کسی گھر میں جھانک کر ستر دیکھا وہ دو گناہوں کا مرتکب ہوا۔ **"ولو انه حین"** اگر کسی شخص نے کسی اجنبی کو اپنے گھر میں جھانکتے دیکھا اور اجنبی کو تنبیہ کی غرض سے مارا جس کے نتیجہ میں اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ دیت دینا ہوگا یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے **"وان مر الرجل"** گھر والوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر کے دروازے بند رکھیں یا پردہ ڈالے رکھیں تاکہ راہ گیروں کی نظریں گھر کے اندر نہ جائیں، اگر کسی نے یہ انتظام نہیں کیا اور کسی راہ گیر کی نظر اتفاقیہ طور پر گھر کے اندر پڑ گئی تو چوں کی اس میں تعدی گھر والوں کی ہے، لہٰذا راہ گیر کو بے قصور سمجھا جائے گا لیکن راہ گیر کے لئے لازم ہے کہ وہ نگاہ پڑنے کے بعد فوراً ہٹا لے، حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے اچانک پڑنے والی نظر کے بارے میں دریافت کیا، **"فامرنی ان اصرف بصری"** آپ ﷺ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اپنی نظر پھیر لوں۔

کسی کو ننگی تلوار دینا

{۳۴۷۳} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُتَعَاطٰی السَّیْفُ مَسْلُوْلاً۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۴۹/۲، باب فی النھی ان یتعاطی السیف مسلولا، کتاب الجھاد، حدیث نمبر: ۲۵۸۸، ترمذی شریف: ۳۹/۲، باب ماجاء فی النھی عن تعاطی السیف مسلولا، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۲۱۶۳۔

حل لغات: **تعاطی الشیء:** لینا استعمال کرنا، **سلی السیف:** میان سے تلوار نکالنا، تلوار سونتنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیام سے نکلی ہوئی تلوار دینے سے منع فرمایا ہے۔(ابو داود، ترمذی)

تشریح: بلاضرورت تلوار میان سے نکال کر نہ رکھنا چاہئے، ممکن ہے کہ کوئی شخص بے نیام تلوار دیکھ کر بلاوجہ ڈر جائے، یا اچانک کسی پر تلوار گر جائے اور وہ زخمی ہو جائے یا مر جائے، جب ضرورت ہو تو تلوار میان سے نکالی جائے ورنہ میان میں رکھی جائے۔

فائدہ: (۱) اگر کسی کو تلوار دینے کی ضرورت پڑے تو میان میں رکھ کر دینا چاہئے، اسی طرح خود لے کر چلنا ہو تو میان میں تلوار رکھ کر چلے، اسی کے مانند چھری، چاقو اور تیر وغیرہ کا حکم ہے، یہ چیزیں کھلی اور سونتی ہوئی کسی کو نہ دینا چاہئے، چاقو چھری وغیرہ بند کرکے دے۔ تاکہ غلطی سے لینے والا زخمی نہ ہو اور فتنہ نہ ہو اسی طرح چاقو چھری وغیرہ کا دھاردار حصہ خود پکڑ کر دستہ کی طرف سے دوسرے کو دینا بھی درست نہیں اسلئے کہ بعض دفعہ خود دینے والے کے زخمی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اسلئے احوط شکل یہ ہے کہ جب کھلا ہوا چاقو وغیرہ کسی دوسرے کو دینا چاہیں تو زمین یا میز وغیرہ پر رکھدیں تاکہ دوسرا شخص آسانی سے اسکو اٹھالے۔

(۲) حدیث پاک سے دین کی جامعیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کمال شفقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

انگلیوں کے درمیان تسمہ چیرنے کی ممانعت

{۳۳۷۴} وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُقَدَّ السَّيْرُ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/ ۳۴۹، باب النھی ان یقد السیر بین ا صبعین، کتاب الجھاد، حدیث نمبر: ۲۵۸۹۔

حل لغات: **قد المشی:** لمبائی میں پھاڑنا، **السیر من الجلد:** لمبا تراشا ہوا چمڑے کا ٹکڑا۔

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسمہ کو دونوں انگلیوں کے درمیان پھاڑنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابو داؤد)

تشریح: **نھی ان یقد السیر بین اصبعین سیر،** کی جمع **"سیور"** آتی ہے، اسکے معنی ہیں کہ کسی چمڑے کے ٹکڑے کو اس طرح پر کاٹا جائے کہ وہ دو انگلیوں کے بیچ میں ہو، یعنی چمڑا کاٹنے والا کسی شخص سے کہے کہ جس جگہ سے مجھے چمڑا کاٹنا ہے اس کو تم اپنی دونوں انگلیوں کے درمیان دبالو اور پھر کاٹنے والا اس چمڑے پر اپنا آلہ چلائے تاکہ وہ چمڑا سہولت سے کٹ جائے اس عمل سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں انگلیوں کے درمیان چمڑا دبانے والی کی انگلیاں کٹنے کا خطرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کس قدر جامع ہیں کہ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی ادب سکھایا گیا ہے۔ اور جس چیز میں اپنے یا دوسرے کے ادنیٰ درجہ خطرہ کا اندیشہ ہو اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔
(الدر المنضود: ۴/ ۳۵۱)

اپنے دین، اپنی جان، اپنے مال، اپنے اہل وعیال کی حفاظت کیلئے شہادت

{۳۳۷۵} وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِیْنِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَھْلِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۶۱، باب ماجاء فیمن قتل دون مالہ، کتاب الدیات،

حدیث نمبر: ۱۴۲۱، ابوداؤد شریف: ۲/۶۵۸، باب فی قتل اللصوص، کتاب السنة، حدیث نمبر: ۴۷۷۲، نسائی شریف: ۲/۱۵۴، باب من قتل دون ماله، کتاب المحاربة، حدیث نمبر: ۴۰۹۰۔

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو آدمی اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے مال کی حفاظت کی خاطر قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے مار دیا جائے وہ بھی شہید ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: سعید بن زید عشرہ مبشرہ میں سے ایک خوش بخت صحابی ہیں جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے، یعنی کوئی شخص دوسرے کے مال پر حملہ آور ہوا اور اس نے اپنے مال کو بچانے کے لئے اس کا مقابلہ کیا اور اس مقابلے میں مارا گیا تو وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے خون کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید ہے یعنی کوئی شخص دوسرے کی جان پر حملہ آور ہوا، اور وہ دوسرا شخص اپنے دفاع میں لڑتا ہوا مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے، اور جو شخص اپنے دین کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے، اور جو شخص اپنے گھر والوں کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔

یہ سب شہداء وہ ہیں جو دنیاوی احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہیں اور آخرت کے اعتبار سے بھی شہید ہیں۔ لہٰذا ان کو غسل نہیں دیا جائے گا، اور ان کو ان کے کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائیگا، بعض شہداء وہ ہوتے ہیں جو دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہوتے، لیکن آخرت کے اعتبار سے شہید ہوتے ہیں جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص اوپر سے گر کر مر جائے تو وہ شہید ہے، یا حادثے میں کسی کا انتقال ہو جائے تو وہ شہید ہے، یا طاعون میں انتقال ہو جائے تو وہ شہید ہے، یہ سب آخرت کے اجر وثواب کے اعتبار سے تو شہید ہیں، لیکن دنیاوی احکام کے عتبار سے ان پر شہید کے احکام جاری نہیں ہوں گے، لہٰذا ان کو غسل دیا جائے گا۔ (درس ترمذی: ۵/۵۰)

اپنے دفاع کا حق کس حد تک ہے

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے بہت اہم اصول بتادیا کہ ہر انسان کو اپنا دفاع کرنے کا حق حاصل ہے، اپنے دفاع کے لئے وہ کوئی عمل کرے اور اس عمل کی وجہ سے دوسرے کو نقصان پہنچ جائے تو وہ ضامن نہیں، بشرطیکہ اس نے اپنے دفاع میں اتنا ہی عمل کیا ہو جتنا دفاع کے لئے ضروری تھا، مثلاً ایک شخص نے تمہاری کلائی موڑ دی تو تم اپنے دفاع میں اس کو ایک مکہ مار دو تو دفاع ہو جاتا ہے، لیکن تم نے اٹھ کر گولی ماردی تو یہ دفاع کا حق باقی نہیں رہتا، اس صورت میں عدالت اور قاضی یہ فیصلہ کرے گا، اس شخص نے اپنے دفاع میں جن حالات میں یہ عمل کیا تھا، کیا ان حالات میں دفاع کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ یہ عمل کرتا؟ یا اس سے کم میں کام چل سکتا تھا، مگر اس نے تجاوز کر کے دوسرے کو قتل کر دیا تو اس صورت میں قصاص لیا جائے گا۔ (درس ترمذی: ۵/۵۸)

محدث جلیل حضرت مفتی سعید احمد صاحب زید مجدہم فرماتے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کی، ذات کی، دین کی اور اہل وعیال کی حفاظت کرنا چاہئے اور اس کیلئے لڑنا چاہئے، کتے کی موت نہیں مرنا چاہئے، لڑنے کی صورت میں اگر کامیاب ہو تو بامراد ہوا اور مارا گیا تو شہید ہوا اور یہ بھی بامراد ہونا ہی ہے۔
(تحفۃ الالمعی: ۴/۳۴۷)

تلوار اٹھانے پر وعید

{۳۳۷۶} **وَعَنْ** ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجَهَنَّمَ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلَى أُمَّتِيْ أَوْ قَالَ عَلَى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَحَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ الرَّجُلُ جُبَارٌ ذُكِرَ فِيْ بَابِ الْغَصَبِ.

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۴۴، باب ومن سورة الحجر، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۳۱۲۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ

نے فرمایا: کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ اس شخص کے لئے ہے جو میری امت پر یا آپ ﷺ نے فرمایا: محمد ﷺ کی امت پر تلوار اٹھائے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث **"الرجل جبار"** باب الغصب میں نقل ہو چکی ہے۔

تشریح: مسلمان پر ڈرانے دھمکانے کیلئے یا تفریح و مزاق کیلئے تلوار سونتنا حرام ہے، جو شخص اس گناہ کا مرتکب ہوگا، وہ جہنم میں جائے گا، اور یہ ایسا قبیح عمل ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک دروازہ مقرر کیا ہے جس سے خاص طور پر اس قسم کے مجرم داخل ہوں گے۔

لجہنم سبعۃ ابواب: جہنم کے سات دروازے ہیں جہنم کے یہ سات دروازے اوپر نیچے طبقات کے اعتبار سے ہیں، بعض لوگ عام دروازوں کی طرح قرار دیتے ہیں، ہر دروازہ خاص قسم کے مجرمین کیلئے مخصوص ہوگا۔ (قرطبی) **باب منہا لمن سل السیف"** ناحق تلوار سونتنے والا مراد ہے، **"الرجل جبار"** جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے **"الرجل جبار والنار جبار"** تکرار نہ ہو اس لئے اس کو یہاں ذکر نہیں کیا ہے۔ (مرقاۃ)

تنبیہ: ھذا الباب خال عن الفصل الثالث: اس باب میں تیسری فصل نہیں ہے۔
(فیض المشکوۃ: ۶/۴۰۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب القسامۃ

قسامت کا بیان

صاحب مشکوۃ رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت دو روایتیں لائے ہیں۔

اس باب کے تحت ہم سات مباحث کو ذکر کریں گے اور مزید مباحث روایت کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں جن کا اجمال یہ ہے:

(۱) ---------------------- قسامت کی لغوی وشرعی تعریف

(۲) ---------------------- قسامت کا رکن

(۳) ---------------------- قسامت کی شرط

(۴) ---------------------- قسامت کا حکم

(۵) ---------------------- قسامت کی علت

(۶) ---------------------- قسامت فی الجاہلیت

(۷) ---------------------- قسامت کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

(۱)......قسامت کے لغوی وشرعی معنی

کہا گیا ہے کہ قسامت اسم مصدر ہے بمعنی القسم، اور کہا گیا ہے کہ یہ مصدر ہے **"یقال اقسم یقسم قسامۃ"** نیز اس کا اطلاق اس جماعت پر بھی ہوتا ہے جو قسمیں کھاتی ہے، امام الحرمین سے منقول ہے کہ

قسامت عند الفقہاء تو نام ہے ایمان کا (قسموں)، اور اہل لغت کے نزدیک حالفین کی جماعت کا، اور شرعاً قسامت نام ہے ان قسموں کا جن کو اولیاء مقتول کھاتے ہیں استحقاق دم پر یا ان قسموں کا جن کو مدعی علیہم کھاتے ہیں نفی قتل پر علی قول الحنفیۃ۔ (الدر المنضود: ۶/۳۹۱)

(۲)......قسامت کارکن

یہ ہے کہ خدا کی قسم ہم نے اسکو قتل نہیں کیا اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔

(۳)......قسامت کی شرط

قسم کھانے والا مرد، آزاد، عاقل ہو، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قتل خطاء میں عورتیں بھی شامل ہوں گی، البتہ قتل عمد میں نہیں۔

(۴)......قسامت کا حکم

حلف کے بعد دیت واجب ہونے کا فیصلہ ہے دعویٰ گو قتل عمد میں ہو یا قتل خطا میں۔

(مرقاۃ: ۴/۴۳)

(۵)......قسامت کی علت

قسامت کے سبب میں اختلاف ہے کہ کس صورت میں قسامۃ ہوگی، اور کس صورت میں نہیں ہوگی، احناف کے نزدیک اگر کوئی ایسی لاش ملی ہے جس پر زخم کا نشان ہے، مثلاً اس کو پیٹا گیا ہے یا گلا گھونٹا گیا ہے، اور وہ لاش ایسی جگہ ملی ہے جو کسی قوم کی حفاظت ونگرانی میں ہے، جیسے محلہ یا مسجد کے کسی گھر میں ملی ہے، (یا بستی سے اتنی قریب ملی ہے کہ فریاد کرنے والے کی آواز لوگوں تک پہنچ سکتی ہے) تو قسمیں کھلائی جائیں گی، اور اگر لاش پر کوئی نشان نہیں اور ڈاکٹری رپورٹ بھی طبعی موت کی ہے، یا گاؤں سے

بہت دور ویرانہ میں ملی ہے تو قسامۃ نہیں ہوگی، احناف نے یہ علت عبداللہ بن سہل کے واقعہ سے اخذ کی ہے۔ کیوں کہ وہ واقعہ زمانہ اسلام کا ہے۔

اور شوافع وغیرہ کے نزدیک اگر کوئی قتل پایا گیا اور کسی شخص پر شبہ ہے کہ اس نے قتل کیا ہے اور یہ شبہ یا تو مقتول کے نزاعی بیان سے پیدا ہوا ہے یا نا تمام شہادت (ایک شخص کی گواہی) سے یا اس قسم کی کسی اور بات سے مثلاً قتل کی جگہ سے ایک شخص خون آلود خنجر لیکر بھاگا تو قسامۃ ہوگی اور اگر کسی پر شبہ نہیں تو قسامۃ نہیں ہوگی، ان حضرات نے یہ علت ابوطالب کے فیصلہ والے واقعہ سے اخذ کی ہے۔ اس واقعہ میں ایک شخص نے خبر دی تھی جس سے شبہ پیدا ہوا تھا۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۰۱)

(۶)......قسامت فی الجاہلیت

قسامت ان امور میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں پائے جاتے تھے اور پھر اسلام نے ان کو برقرار رکھا ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "**كان في الجاهلية فاقرها النبي صلى الله عليه وسلم على ما كانت عليه في الجاهلية**"۔ قسامت زمانہ جاہلیت میں تھی پس اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح باقی رکھا جس طرح زمانۂ جاہلیت میں تھی۔ (رواہ عبد الرزاق)

صحیح بخاری میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جاہلیت میں اولا جو قسامت پائی گئی وہ ہمارے میں یعنی بنو ہاشم میں پائی گئی، "**كان رجل من بني هاشم استاجره رجل من قريش من فخذ اخرى، الى آخر قصة**" (بخاری: ۵۴۰) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر عنوان قائم کیا ہے "**القسامة في الجاهلية**" اور اس سے پہلا باب ہے "**باب ايام الجاهلية**" اور یہ دونوں باب ابواب المناقب کے ضمن میں ہیں اس کے بعد پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحدود کے بعد کتاب الدیات کے ضمن میں دوبارہ باب القسامۃ کا باب قائم کیا ہے، جس میں انہوں نے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو قسامۃ پیش آئی اس کو ذکر فرمایا، اور امام نسائی نے کتاب البیوع کے بعد متصلا "**كتاب القسامة والقود والديات**" کو ذکر کیا اور اس میں شروع میں یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ

والی روایت قسامت فی الجاہلیت کی ذکر کی اس کے بعد متصلا قسامت کا دوسرا باب قائم کیا، جس میں یہود خیبر والی قسامت کو ذکر کیا، **"قسامت فی الجاهلیة"** والا قصہ ہمارے یہاں ابو داؤد اور ترمذی میں نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ قسامت اصول شرع میں سے ایک اصل ہے، تقریباً تمام ہی علماء صحابہ اور تابعین اس کے قائل ہیں اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے، لیکن بعض علماء اس کے قائل نہیں جیسے سالم وسلیمان بن یسار، قتادہ وابن علیۃ، اور امام بخاری، اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دو روایتیں ہیں اور ابن رشد نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ اور اسکے بعد وہ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کا مستدل وہ حدیث ہے جو حویصہ اور محیصہ کے قصہ سے ثابت ہے **"وهو حديث متفق علی صحته من اهل الحديث الا انهم مختلفون فی الفاظه"** اور اس کے بعد لکھتے ہیں، اور دوسرا فریق جو اس کا منکر ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ قسامت شریعت کے اصول مجمع علیہا کے خلاف ہے اور پھر انہوں نے ان کو ذکر کیا۔

قسامت کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

حضرت شیخ حاشیہ لامع الدراری اور الابواب والتراجم میں لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض نے جو بات فرمائی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قسامۃ کے قائل نہیں ہیں، اسی طرح ابن المنیر اور علامہ کرمانی کا کلام بھی ہے اور علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب القسامت کے شروع میں تو یہی فرمایا لیکن آخر باب میں ان لوگوں پر رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قسامت کے تو وہ قائل ہیں البتہ قصاص بالقسامت کے قائل نہیں، اسی طرح علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات فرمائی کہ یہ کہنا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نفس قسامت کے قائل نہیں ہیں یہ بات صحیح نہیں ہے، نفس قسامت کے تو وہ قائل ہیں البتہ قصاص بالقسامت کے قائل نہیں نیز اس بات کے بھی قائل نہیں کہ ابتداء ایمان کی مدعی سے ہو بلکہ اس میں ان کی رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں قصہ انصار میں یعنی بعض سے معلوم ہوتا ہے ابتداء الایمان بالمدعین،

اور بعض سے ابتداء الایمان بالمدعی علیھم: لہٰذا اس اختلاف کی صورت میں انہوں نے امر متفق علیہ کو اختیار کیا یعنی "الیمین علی المدعی علیہ والبینۃ علی المدعی الی آخر ماذکر" اور یہی بات علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قصاص بالقسامۃ کے منکر ہیں نہ کہ اصل قسامت کے، اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی رائے میری عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہ وہ بھی قصاص بالقسامۃ کے منکر ہیں نہ کہ مطلق قسامت کے۔ (الدر المنضود:۶/۳۹۱)

الفصل الاول

قسامت میں قسم لئے جانے کا تذکرہ

{۳۳۷۷} عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ وَسَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ اَنَّهُمَا حَدَّثَا اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنِ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلٍ فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَحُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ اِبْنَا الْقَوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ يَعْنِيْ لِيَلِيَ الْكَلَامَ الْاَكْبَرُ فَتَكَلَّمُوْا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحِقُّوْا قَتِيْلَكُمْ اَوْقَالَ صَاحِبَكُمْ بِاَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ اَمْرٌ لَمْ نَرَهٗ قَالَ فَتُبَرِّئُكُمْ يَهُوْدُ فِيْ اَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْهُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَوْمٌ كُفَّارٌ فَفَدَاهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ تَحْلِفُوْنَ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا وَتَسْتَحِقُّوْنَ قَاتِلَكُمْ اَوْصَاحِبَكُمْ فَوَادَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ بِمِائَةِ نَاقَةٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۰۷، باب اکرام الکبیر، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۶۱۴۲، مسلم شریف: ۲/۵۵،۵۴، باب القسامۃ، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۱۶۶۹۔

حل لغات: تفرق الشيئ: بکھر جانا، تین، تیرہ، بارہ، باٹ ہو جانا۔ **النخلة:** کھجور کا درخت، **تکلم:** بولنا، بات کرنا، **عنی بالقول کذا:** کسی بات سے کسی چیز کا ارادہ کرنا، مطلب لینا، مراد لینا۔

ترجمہ: حضرت نافع بن خدیج اور حضرت سہل بن حثمہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود دونوں خیبر گئے اور کھجور کے باغ میں دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، پھر عبداللہ بن سہل قتل کر دیئے گئے، تو عبدالرحمن بن سہل اور مسعود کے دونوں صاحبزادے حویصہ اور محیصہ تینوں حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عبداللہ بن سہل کے مقدمہ میں بات چیت کرنے لگے، گفتگو کی ابتداء عبدالرحمن نے کی جب کہ وہ تینوں میں سب سے چھوٹے تھے، تو حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ بڑے کی بڑائی کا خیال رکھو، یحییٰ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ جو عمر میں بڑا ہے پہلے وہ بات کرے، الغرض ان لوگوں نے اپنے ساتھی کے بارے میں گفتگو کی، حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ اپنے میں کی پچاس قسموں کے ذریعہ اپنے مقتول کی دیت کے یا آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے ساتھی کی دیت کے مستحق ہو جاؤ، ان لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم نے اس معاملہ کو دیکھا نہیں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ یہودی تم سے چھٹکارا پالیں گے، اپنے میں سے پچاس قسموں کے ذریعہ ان لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول + یہ تو کافر لوگ ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو اپنی طرف سے فدیہ دیا، اور ایک روایت میں ہے کہ پچاس قسمیں کھاؤ، اور اپنے قاتل کے مستحق ہو جاؤ، یا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ساتھی کے مستحق ہو جاؤ، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے ان کو سو اونٹ دیت میں دیئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عبداللہ بن سہل بن زید اور محصیہ بن مسعود بن زید رضی اللہ عنہما (یہ دونوں صحابی آپس میں چچا زاد بھائی تھے) یہ دونوں صحابی ایک ساتھ نکلے، یہاں تک کہ دونوں خیبر پہنچ کر جدا ہو گئے، پھر کچھ دیر کے بعد حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو مقتول پایا، چنانچہ یہ خود حضرت محیصہ اور ان کے بھائی حضرت حویصہ بن مسعود اور عبدالرحمن بن سہل جو مقول حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، یہ تینوں حضرات حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے، حضرت عبد

الرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ عمر میں تینوں میں سب سے چھوٹے تھے، حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پہلے بولنا چاہا، انہوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ مقتول کے بارے میں بات کرنی ہے اور مقتول میرے حقیقی بھائی ہیں، اور محیصہ اور حویصہ یہ دونوں چچازاد بھائی ہیں، اس لئے قرابت کے اعتبار سے میرا زیادہ حق ہے، کہ میں بات کروں، اس لئے انہوں نے بات کرنی شروع کی، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑے کو بڑائی دو، یعنی جو آدمی عمر میں بڑا ہے اس کو مقدم رکھو، آپ کا مقصد یہ تھا کہ ان کو یہ بتائیں کہ تم چھوٹے ہو اور اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ آئے ہو، اس لئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ تم گفتگو نہ کرو بلکہ بڑوں کو اس بات کا موقع دو کہ وہ گفتگو کا آغاز کریں، چنانچہ یہ خاموش ہو گئے اور ان کے چچازاد بھائیوں نے بات کرنی شروع کی اور پھر انہوں نے ان دونوں کے ساتھ بات کی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر گفتگو کا آغاز بڑے نے کر دیا تو اب اثناء گفتگو میں چھوٹا بول لے تو یہ ادب کے خلاف نہیں ہے، چنانچہ ان حضرات نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے قتل ہونیکا واقعہ ذکر کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم پچاس قسمیں کھانے کو تیار ہو، جس کے نتیجہ میں تم اپنے صاحب کے مستحق بن جاؤ؟ راوی کو شک ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "صاحب" کا لفظ فرمایا تھا یا "قاتل" کا لفظ فرمایا تھا، مطلب یہ تھا کہ اگر تم پچاس قسمیں کھا کر یہ کہہ دو کہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو تم کو قاتل سے قصاص لینے کا حق حاصل ہو جائیگا، انہوں نے کہا: ہم کیسے قسمیں کھالیں کہ فلاں نے قتل کیا ہے، جب کہ قتل کا واقعہ ہم نے دیکھا نہیں ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو خیبر کے یہودی پچاس قسمیں کھا کر تم کو بری کر دیں گے، مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے قسمیں لیں گے اس بات پر کہ انہوں نے قتل نہیں کیا، انہوں نے کہا: ہم کیسے کافر لوگوں کی قسموں کو قبول کرلیں؟ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دیکھی تو آپ نے ان کی دیت بیت المال سے ادا کر دی۔

رافع ابن خدیج: خاء کو فتحہ دال کو کسرہ بعد میں جیم ہے ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، غزوہ احد میں ان کو ایک تیر لگا تھا تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: **"انا شهيد لكم يوم القيامة"** غالباً اسی زخم کی وجہ سے عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں ۷۳ھ میں چھیاسی سال کی عمر میں

انتقال فرمایا ان سے حدیث کی روایت کرنیوالوں کی ایک بہت جماعت ہے۔ **"وسهل ابن حثمه"** حاء کو فتحہ اور ثاء ساکن ہے فضائل صحابہ میں مؤلف مشکوۃ نے فرمایا کہ ان کی کنیت ابومحمد اور ابوعمارہ ہے انصاری اوسی صحابی ہیں۔ ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ **"انهما حدثنا ان عبد الله بن سهل"** یہ انصاری حارثی صحابی ہیں، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے بھائی اور حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے خیبر میں انہیں کا قتل ہوا۔ **"ومحيصه بن مسعود"** میم کو ضمہ حاء مفتوح یا مشدد مکسور اور صاء کو فتحہ ہے یہ انصاری صحابی ہیں اہل مدینہ میں ان کا شمار ہے اور احد وخندق سے لیکر بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے ان سے انکے بیٹے حضرت سعد نے حدیث کی روایت کی ہے۔

قسامت کا مسئلہ

یہ واقعہ **"قسامت"** کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے، **"قسامت"** ایک بہت پیچیدہ فقہی مسئلہ ہے، اور اس کی تفصیلات میں فقہاء کرام کے درمیان اتنا شدید اختلاف ہے کہ امام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اجماع کے موضوع پر **"کتاب الاجماع"** کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ قسامت کے بارے میں کوئی مسئلہ متفق علیہ اور مجمع علیہ نہیں ہے سوائے ایک مسئلہ کے، وہ یہ کہ "قسم اللہ کی کھائی جائے گی" اس پر صرف اتفاق ہے، اس کے علاوہ کوئی مسئلہ بھی متفق علیہ نہیں ہے، اتنا شدید اختلاف ہے اور پھر فقہاء کے یہاں "قسامت" کا تصور مختلف ہے، اور پھر اس مسئلہ کے سمجھنے میں بھی بہت غلط فہمیاں ہوتی ہیں، اور حدیث کی شروح میں اس مسئلہ کو جس طرح بیان کیا گیا ہے اس کی وجہ سے بھی بڑا خلجان واقع ہوا ہے، اور ایک دوسرے کے مذاہب بیان کرنے میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ اس حدیث کے شریف کے تحت چند مباحث ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱)......قسامت کب شروع ہوتی ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ قسامت اس وقت شروع ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی جگہ مقتول پایا جائے

اور اس کے قتل کے واقعہ کو کسی نے نہ دیکھا ہو، اب حنفیہ کے نزدیک قسامت کا طریقہ یہ ہے کہ قسامت اس وقت واجب ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی ایسی جگہ پر مقتول پایا جائے جو جگہ یا تو کسی فرد واحد کی ملکیت میں ہے یا کچھ افراد کی مشترک ملکیت میں ہے۔ مثلاً کوئی مقتول کسی شخص کے گھر میں پایا گیا۔ تو بھی قسامت واجب ہوگی، یا مقتول محلے میں ایسی جگہ پر پایا گیا جو پورے محلہ کی مشترک ملکیت سمجھی جاتی ہے، اس وقت بھی قسامت واجب ہوگی لیکن اگر وہ جگہ اہل محلہ کی مشترک ملکیت نہیں ہے۔ مثلاً شارع عام ہے اور اس پر کوئی مقتول پایا گیا تو اب قسامت واجب نہیں ہوگی مثلاً دار العلوم کا یہ احاطہ ہے اس احاطے میں کوئی مقتول پایا جائے خدا نہ کرے، تو قسامت ہوگی، اس لئے کہ یہ جگہ اہل دار العلوم کی مشترک سمجھی جاتی ہے، لیکن اگر دار العلوم سے باہر سامنے والی سڑک پر کوئی مقتول پایا جائے تو قسامت واجب نہیں ہوگی۔

(۲)......قسامت کا طریقہ

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اولیاء مقتول اس محلے کے لوگوں کو متہم کریں جس محلے سے مقتول کی لاش برآمد ہوئی ہے، اس وقت قسامت ہوتی ہے، لیکن اگر اولیاء مقتول یہ کہیں کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اہل محلہ نے قتل کیا ہے یا کوئی اور شخص قتل کر کے یہاں ڈال گیا ہے اور اہل محلہ کو متہم نہ کریں تب بھی قسامت نہیں ہوگی، اور اگر اولیاء مقتول یہ کہیں کہ ہمارا غالب گمان تو یہی ہے کہ جس محلے میں لاش ملی ہے اسی محلے کے لوگوں نے قتل کیا ہے، یا کم از کم ان اہل محلہ کو قاتل کا پتہ ہے، تو اس صورت میں قاضی اولیاء مقتول سے کہے گا تم اہل محلہ میں سے پچاس آدمی منتخب کرو، جن پر تمہیں شبہ ہے، چنانچہ اولیاء مقتول اہل محلہ میں سے پچاس آدمی منتخب کریں گے، پھر قاضی ان پچاس آدمیوں سے یہ کہے گا کہ تم سب ان الفاظ کے ساتھ قسم کھاؤ! **"باللہ ما قتلناہ و ما علمنا لہ قاتلا"** یعنی ہم قسم کھاتے ہیں کہ نہ تو ہم نے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا پتہ ہے کہ کس نے قتل کیا ہے اگر وہ لوگ قسم کھانے سے انکار کریں تو ان کو قید میں رکھا جائے گا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جائے گا، جب تک ان میں سے کوئی قتل کا اعتراف نہ کرے، یا قاتل کا پتہ بتادیں کہ فلاں نے قتل کیا ہے۔ یا قسم کھانے پر راضی ہو جائیں، اور اگر وہ پچاس افراد مندرجہ بالا

الفاظ کے ساتھ قسم کھالیں تو اس کے نتیجہ میں پورے اہل محلہ پر اس مقتول کی دیت واجب کر دی جائے گی، یہ طریقہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔

(۳)......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسامت کا طریقہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسامت کا طریقہ اس سے بالکل مختلف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قسامت اس وقت واجب ہوگی جب اولیاء مقتول اہل محلہ میں سے کسی ایک شخص یا چند اشخاص کے بارے میں باقاعدہ دعویٰ کریں کہ انہوں نے قتل کیا ہے، اور قرائن بھی اولیاء مقتول کے دعوے کی تائید کرتے ہوں، مثلاً یہ قرینہ ہے کہ ان کا دعویٰ صحیح ہے، یا مثلاً یہ قرینہ موجود ہو ہے کہ اس مقتول کی اہل محلہ کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی، اور اس لڑائی کے بعد یہ شخص مقتول پایا گیا، یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ قتل کرنے والے اسی محلے کے لوگ ہیں، ایسے قرینہ کو شافعیہ "لوث" کا نام دیتے ہیں، لہٰذا شافعیہ کے نزدیک اگر دعویٰ کے ساتھ قرائن بھی موجود ہوں تو اس میں اولیاء مقتول کو قسم دی جائے گی اور وہ اپنی قسم میں کہیں گے کہ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہی شخص یا یہ لوگ قاتل ہیں، اگر اولیاء مقتول نے قسم کھالی تو اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی۔

اور اگر صرف اولیاء مقتول کا دعویٰ ہو لیکن تائید میں کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس صورت میں اہل محلہ سے انہیں الفاظ کے ساتھ قسم لی جائے گی، **"باللہ ماقتلناہ و ماعلمنا لہ قاتلا"** یا اگر دعویٰ کے ساتھ اس کی تائید میں کوئی قرینہ تو موجود ہو لیکن اولیاء مقتول خود قسم کھانے سے انکار کر دیں تو اس صورت میں بھی اہل محلہ سے قسمیں لی جائیں گی، کہ **"باللہ ماقتلناہ و ماعلمنا لہ قاتلا"** اگر اہل محلہ قسم کھالیں تو اہل محلہ بری ہو جائیں گے، اور اب ان سے دیت کا مطالبہ نہیں ہوگا۔

اور اگر اہل محلہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو ان کا یہ انکار اس بات کا قرینہ بن جائے گا کہ اولیاء مقتول کا دعویٰ صحیح ہے اور اس صورت پر قرینہ پائے جانے والے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا اب پھر اولیاء مقتول کو قسم دی جائے گی کہ تم اس بات پر قسم کھاؤ کہ انہوں نے قتل کیا ہے، اگر اولیا مقتول قسم کھالیں تو اہل محلہ پر دیت واجب ہو جائے گی، اور اگر اولیاء مقتول نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو پھر دیت واجب

نہیں ہوگی بلکہ وہ بری ہو جائیں گے، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

اس مسلک میں آپ نے دیکھا کہ اگر اولیاء مقتول قسم کھالیتے ہیں تو اس صورت میں اہل محلہ پر دیت آجاتی ہے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر دعویٰ قتل عمد کا تھا اور اولیاء مقتول قسم کھالیں تو اس صورت میں قصاص واجب ہو جائے گا، دیت نہیں آئے گی، گویا کہ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک "قسامت" جرم کے اثبات کا ایک طریقہ ہے اور اس کے نتیجہ میں مدعیٰ علیہ پر جرم ثابت ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر دعویٰ قتل عمد کا تھا تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قصاص آجائے گا، البتہ شوافعیہ کے نزدیک اس صورت میں جرم تو ثابت ہو جائیگا لیکن قصاص نہیں آئے گا، بلکہ دیت آئے گی۔

دوسرے یہ کہ شافعیہ کے مسلک میں آپ نے دیکھا کہ اگر اہل محلہ قسم کھا لیتے ہیں کہ **"باللہ ماقتلناہ وماعلمنا لہ قاتلا"** تو اس صورت میں وہ بری ہو جاتے ہیں نہ ان پر دیت آئے گی اور نہ قصاص۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک قسم کھانے کے باوجود دیت واجب ہوگی، وجہ اس کی یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک "قسامت" جرم کو ثابت کرنے کا ذریعہ نہیں ہے، اس لئے اس کے ذریعہ اہل محلہ کے خلاف جرم ثابت نہیں ہوتا ہے، لیکن اہل محلہ پر ایک اجتماعی ذمہ داری عائد کر دی جاتی ہے کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ تم نے قتل نہیں کیا لیکن تمہارے محلے میں قتل ہوا ہے، اس لئے تمہارا فرض تھا کہ اگر کوئی شخص تمہارے محلے میں آ کر کسی کو قتل کر رہا ہے تو اس کو روکتے اور اپنے محلہ کا انتظام ایسا کرتے کہ یہاں پر کسی شخص کو قتل کرنے کی جرأت نہ ہو، چونکہ تم نے حفاظت میں کوتاہی کی، لہٰذا تم پر دیت واجب ہوگی۔

(۵)......کیا قسامت کیلئے معین افراد کے خلاف دعویٰ ضروری ہے؟

آپ نے اوپر کی تفصیل میں دیکھ لیا کہ ہر امام کے نزدیک قسامت کی صورت مختلف ہے، اس لئے موضع اختلاف کی تعیین بھی آسان نہیں ہے، البتہ بنیادی طور پر اختلافی مسئلے تین ہیں:

پہلا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ کیا قسامت کی مشروعیت کے لئے معین فرد یا افراد کے خلاف دعویٰ

ضروری ہے یا نہیں؟

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک معین فرد یا افراد کے خلاف دعویٰ ضروری ہے، دعویٰ کے بغیر قسامت نہیں ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معین افراد کے خلاف دعویٰ ضروری نہیں ہے، البتہ صرف اتنا ضروری ہے کہ اولیاء مقتول اہل محلہ کو اجمالا متہم کریں، مثلاً یہ کہیں کہ ہمیں تو شبہ یہ ہے کہ اسی محلے کے افراد میں سے کسی نے مارا ہے۔

ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ قاضی کے پاس کوئی مقدمہ دعویٰ کے بغیر نہیں آسکتا، جب تک مدعی اور مدعا علیہ موجود نہ ہوں، تو دعویٰ نہیں ہوسکتا۔ اور قاضی بھی اس وقت دخل اندازی کرتا ہے جب مدعی اور مدعی علیہ متعین ہوں، اگر مدعی اور مدعا علیہ متعین نہیں ہیں تو پھر مقدمہ کیسے چلے گا؟ اور قاضی کے پاس کیسے آئیگا؟ مثلاً کوئی شخص عدالت میں مقدمہ دائر کرے کہ میری کتاب چوری ہوگئی ہے تو قاضی یہ سوال کرے گا، کہ کس نے چوری کی؟ وہ مدعی کہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ کس نے چوری کی ہے۔ بس آپ مقدمہ چلاؤ، ظاہر ہے کہ قاضی اس طرح مقدمہ نہیں چلاسکتا جب تک کسی معین شخص کے خلاف دعویٰ نہ کرے کہ فلاں نے چوری کی ہے، اس لئے ہمارے نزدیک مدعی علیہ کی تعیین ضروری ہے۔

(۶)......قسامت کے لئے دعویٰ ضروری نہیں ہے

حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ ''قسامت'' کا معاملہ عام مقدمات سے مختلف ہے، اس لئے عام مقدمات پر اس کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہ معاملہ درحقیقت کسی کے خلاف کسی دعوے کے ثابت ہونے یا نہ ہونیکا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد اجتماعی ذمہ داری کا اصول متعین کرنا ہے کہ اہل محلہ پر نصرت اور حفاظت کا جو فریضہ عائد ہوتا تھا وہ انہوں نے پوری طرح ادا کیا یا نہیں کیا؟ اس میں کسی متعین مدعی علیہ کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ اور حدیث باب میں خیبر کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھا کہ تمہارا دعویٰ کس کیخلاف ہے اور نہ ہی دعویٰ کرنے والے نے یہ بتایا کہ فلاں شخص نے قتل کیا ہے،

بلکہ صرف اتنا کہا کہ فلاں جگہ پر ہمارا مقتول پایا گیا ہے۔ لیکن کوئی متعین دعویٰ موجود نہیں تھا، اس کے باوجود آپ نے قسامت جاری فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قسامت کے لئے متعین دعویٰ ضروری نہیں، بلکہ مطلق اتہام پر بھی قسامت ہوسکتی ہے۔ یہ پہلا اختلافی مسئلہ تھا۔ (تکملہ فتح الملہم: ۳۷۶/۲، مغنی المحتاج: ۱۱۱/۴، بدائع الصنائع: ۲۷۷/۷، شرح المہذب: ۳۱۸/۲، الشرح الکبیر: ۲۸۷/۴، کشاف القناع: ۶۸/۶)

(۷)......قسمیں کون کھائے گا؟ فقہاء کا اختلاف

دوسرا مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اہل محلہ کو قسمیں دی جائیں گی، اگر وہ قسمیں کھالیں گے تو ان پر دیت بھی واجب ہوجائے گی، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خیبر والے واقعہ سے استدلال فرماتے ہیں کہ جب ان حضرات نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذکر کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہی فرمایا کہ کیا تم پچاس قسمیں کھا سکتے ہو؟ جس کے نتیجہ میں تم قاتل کے مستحق بن جاؤ، اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اولیاء مقتول پر قسمیں پیش کیں، البتہ جب انہوں نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو پھر آپ نے فرمایا کہ پھر یہودی پچاس قسمیں کھا کر تم کو بری کردیں گے۔

(۸)......حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال اس واقعہ سے ہے جو بیہقی وغیرہ میں منقول ہے، وہ یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مقتول دو بستیوں **"وادعه"** اور **"شاکر"** کے درمیان پایا گیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ مقتول دونوں بستیوں میں سے کس بستی سے زیادہ قریب ہے، پیمائش وغیرہ سے پتہ چلا کہ وہ مقتول "وادعہ" سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے "وادعہ" کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ تم میں سے پچاس آدمی ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائیں: **"باللہ ما قتلناہ و ما علمنا له قاتلا"** جب پچاس آدمی قسم کھا چکے تو آپ نے فرمایا کہ اب اس مقتول کی دیت ادا کرو، اس پر ان لوگوں نے کہا کہ: **"لا ایماننا دفعت عن اموالنا و لا اموالنا دفعت**

عن ایماننا" یعنی نہ تو ہماری قسموں نے ہمارے مال کا دفاع کیا اور نہ ہمارے مال نے ہماری قسموں کا دفاع کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے خلاف مثلاً رقم کا دعویٰ کرے اور مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور اگر وہ قسم کھالے تو دعوی خارج ہو جاتا ہے، ورنہ جس رقم کا دعویٰ کیا ہے مدعیٰ علیہ وہ رقم ادا کرے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مدعی علیہ قسم کھالے تو پیسے واجب نہیں ہوتے اور اگر پیسے دیے دیتا ہے تو قسم واجب نہیں ہوتی، دونوں چیزیں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں، ایمان اموال کو دفع کر دیتے ہیں اور اموال ایمان کو دفع کر دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: "**اما ایمانکم فلدفع القصاص عنکم**" یعنی تم سے جو قسم لی گئی وہ اس لئے کہ تاکہ تم سے قصاص کو دفع کیا جائے، لہٰذا قسم کھانے کا فائدہ یہ ہوا کہ تم پر قصاص نہیں آیا۔ "**و اما اموالکم فلان القتیل وجد بین ظهر انیکم**" اور دیت اس لئے لی جارہی ہے کہ مقتول تمہارے پاس پایا گیا، بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**کذالک قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**" (**او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**) اس طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ مرفوع کے حکم میں ہو گیا، اور یہ حدیث حنفیہ کا مذہب بیان کرنے میں بالکل صریح ہے، اس لئے اس میں ایمان اہل محلہ کو دی گئیں، اور پھر دیت بھی ان پر واجب کی گئی۔

شافعیہ کا استدلال اور اس کا جواب

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں یہ مسئلہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں، لیکن میں دس سے زیادہ مرتبہ "وادعہ" اور "شاکر" کی بستیوں میں گیا اور وہاں کے لوگوں سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا تو ہر شخص نے اس واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا، اس سے پتہ چلا کہ یہ واقعہ مستند معلوم نہیں ہوتا، حنفیہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر

اس واقعہ کی سند صحیح ہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد اس کو رد کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے کم از کم ڈیڑھ سو سال بعد آئے، اور اگر کسی بستی میں جا کر اس واقعہ کی تحقیق کی جائے ڈیڑھ سو سال پہلے پیش آیا تھا، اور اس واقعہ کو جاننے والا کوئی شخص نہ ملے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا، جب کہ اس کی سند بھی اس لئے قابل اعتماد ہے کہ یہ واقعہ متعدد طرق سے منقول ہے۔

خیبر کے واقعہ کا جواب

جہاں تک خیبر کے واقعہ کا تعلق ہے کہ اس میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اولیاء مقتول کو ابتداء قسمیں دی گئیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ خیبر کے واقعہ کے بیان میں روایات اتنی مختلف اور مضطرب ہیں کہ ان میں سے ایک کو ترجیح دینا اور دوسری کو مرجوح قرار دینا مشکل ہے، حدیث باب میں جو روایت آئی ہے اس میں بیشک اولیاء مقتول کو قسمیں دی گئیں، لیکن دوسری روایات میں یہ ہے کہ قسمیں ابتداء ہی یہودیوں کو دی گئیں، اور صحیح بخاری میں بھی ایک روایت ہے کہ ابتداءً قسمیں اہل محلہ ہی کو دی جائیں گی، اور جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جس میں یہ بیان ہے کہ ابتداء اولیاء مقتول کو قسمیں دی گئیں تو ان کے بارے میں میرا غالب گمان یہ ہے ...... **واللہ سبحانہ اعلم**۔ کہ درحقیقت یہ اولیاء مقتول یعنی محیصہ اور حویصہ اور عبد الرحمن بن سہل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس جوش کے ساتھ آئے تھے کہ ہمیں یہودیوں سے قصاص لینے کا حق حاصل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ ان کو یہودیوں نے قتل کیا ہے تو تمہیں چاہئے کہ تم بینہ پیش کرو، گواہ لاؤ، اور اگر گواہ نہیں ہے تو تم خود گواہی دو کہ فلاں نے قتل کیا ہے، یہ مطالبہ آپ نے ان سے اس لئے کیا تا کہ ان کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے، اور اتمام حجت ہو جائے کہ جب تمہارے پاس گواہ نہیں اور تم قسم کھانے کو بھی تیار نہیں تو پھر کسی پر قصاص کا دعوی کیسے درست ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اتمام حجت کے لئے ان سے قسم کا مطالبہ کیا، بطور مشروعیت کے مطالبہ نہیں کیا، چنانچہ انہوں نے جواب میں کہا: **"کیف نحلف و لم نشهد"**؟ ہم کس طرح قسم کھائیں جب کہ

ہم حاضر نہیں تھے۔ بہر حال اصل مطالبہ ان سے یہ کیا گیا تھا کہ تم گواہی دو، لیکن بعض روایوں نے بالمعنی روایت کرتے ہوئے گواہی کے لفظ کو یمین کے لفظ سے تعبیر کر دیا کہ ان سے مطالبہ کیا گیا تم قسم کھاؤ، اور گواہی دینا اور قسم کھانا یہ دونوں معنی کے اعتبار سے اتنے قریب ہیں، کہ ان میں صرف فنی فرق ہے، چنانچہ بعض روایات میں گواہی کا لفظ موجود ہے، اس لئے ہوسکتا ہیکہ ایک راوی شہادت کا لفظ استعمال کر رہا ہو، اور اسی کو بیان کرنے کے لئے کسی راوی نے یمین کا لفظ استعمال کر لیا ہو، ایسے موقع پر لفظ یمین بحیثیت یمین استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ بحیثیت شہادت استعمال ہوا ہے۔

حنفیہ کا دوسرا استدلال

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا استدلال اس معروف حدیث سے ہے کہ **"البینة علی المدعی والیمین علی من انکر"** مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے اور منکر پر یمین ہے۔ **(بیهقی: ۲۵۲/۱۰)** اور قسامت میں مدعی اولیاء مقتول ہوتے ہیں اور اہل محلہ منکر ہوتے ہیں، اس لئے اس قاعدہ کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اہل محلہ کو قسم دی جائے۔ (تکملہ فتح الملہم: ۵۴۸/۲)

شافعیہ کی طرف سے اعتراض اور اس کا جواب

شافعیہ کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب آپ کے نزدیک اولیاء مقتول پر قسم نہیں بلکہ اہل محلہ پر قسم آئے گی، اس لئے کہ وہ منکر دعوی ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب اہل محلہ قسم کھالیں تو ان پر کچھ واجب نہ ہو، نہ قصاص اور نہ دیت، حالانکہ آپ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ اگر اہل محلہ قسم کھالیں تو ان پر دیت واجب ہوگی، حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس اشکال کا جواب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیا ہے، وہ یہ کہ قسم ان سے اس لئے لی گئی تا کہ ان پر سے قصاص ختم ہو جائے، اور دیت اس لئے واجب ہے کہ ان کی طرف سے حفاظت میں تقصیر اور کوتاہی پائی گئی، اس وجہ سے ان پر دیت واجب ہوئی۔

شافعیہ فرماتے ہیں کہ خیبر کے واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیت ادا فرمائی اور اہل محلہ

پر واجب نہیں کی، حنفیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ دیت بیت المال سے اس لئے ادا کی کہ وہ یہودی دیت ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، ورنہ اصل حکم یہی ہے کہ دیت اہل محلہ پر واجب ہوتی ہے، چنانچہ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے یہودیوں پر ہی دیت واجب کی تھی، لیکن بعد میں حضور اقدس ﷺ نے ان کی کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے بیت المال سے دیت دے دی۔ (بدائع الصنائع: ۲۹۴/ ۷، شامی: ۶۲۷/ ۶، الشرح الکبیر: ۹۳/ ۴، تکملہ فتح الملہم: ۲۸۰/ ۲)

قسامت کے نتیجہ میں دیت آئیگی یا قصاص؟ فقہاء کا اختلاف

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قسامت کے نتیجہ میں دیت واجب ہوتی ہے یا قصاص واجب ہوتا ہے؟ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دیت واجب ہوتی ہے، اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قصاص بھی آجاتا ہے مالکیہ اور حنابلہ حدیث باب کے ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں: **"اتحلفون خمسین یمینا فتستحقون صاحبکم"** یعنی تم نے اگر قسمیں کھالیں تو تم قاتل کے مستحق ہو جاؤ گے، اور یہ الفاظ عموماً اس وقت استعمال کئے جاتے ہیں جب قاتل کو قصاص لینے کے لئے اولیاء مقتول کے حوالے کر دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ قسامت کے نتیجہ میں قصاص بھی آسکتا ہے، لیکن حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ دوسری روایات میں اس بات کی صراحت ہے کہ قسامت کے نتیجہ میں دیت واجب ہوتی ہے، اس لئے کہ قسامت اثبات کا ایک ضعیف طریقہ ہے، اس سے قصاص اس وقت تک نہیں آئے گا، جب تک گواہی اور بینہ نہ ہو، شافعیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

"الحمد للہ علی منہ وکرمہ" (درس ترمذی: ۶۰ تا ۷۰/ ۵)

سوال: اصل مدعی اور ولی مقتول تو عبد الرحمن ہی تھے، کیوں کہ مقتول عبد اللہ بن سہل ان ہی کے بھائی تھے، لہٰذا ضابطہ کے مطابق دعوی ان ہی کی طرف سے ہونا چاہئے تھا، پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے بجائے بڑے کو گفتگو کرنے کیلئے کیوں کہا؟

جواب: آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ دعوی بڑے کی جانب سے ہو، دعوی تو اصل ولی ہی کی جانب سے ہوگا، آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ جو واقعہ پیش آیا ہے اس کی صورت حال جو بڑا ہو وہ بیان کرے۔

استحقوا قتیلکم: مدعی حضرات نے یہود خیبر پر بلاتعیین قاتل کا مقدمہ پیش کیا، آنحضرت ﷺ نے ان کے دعویٰ کو صحیح قرار دیا اور معتبر مانا، اسی لئے آگے کی کاروائی کی، معلوم ہوا قسامۃ اسی وقت ہے جب قاتل معلوم نہ ہو اور قاتل کے ورثہ نے اہل محلہ پر دعوی قتل کیا ہو۔

سوال: پہلے مقتول کے ورثاء سے قسم لی جائے گی یا مدعی علیہم سے پہلے قسم لی جائے گی؟

جواب: احناف کے نزدیک صرف اہل محلہ یعنی مدعی علیہم قسم کھائیں گے، مقتول کے ورثاء پر کسی صورت میں قسم نہیں ہے۔

اعتراض: حدیث باب سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے اولیاء مقتول سے قسم کھانے کیلئے کہا، جب انہوں نے معذرت کر لی تب آنحضرت ﷺ نے مدعی علیہم سے قسم کھلانے کی بات فرمائی، احناف حدیث باب کے خلاف کیوں ہیں؟

جواب: احناف کے مذہب کی بنیاد ایک دوسری مشہور حدیث پر ہے، جو کہ ضابطہ شرعی بھی ہے، "**البینة علی المدعی والیمین علی من انکر**" مدعی کے ذمہ بینہ پیش کرنا ہے، جب کہ مدعی علیہ کے ذمہ قسم کھانا ہے، احناف حدیث اصولیہ پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں اور احادیث جزئیہ میں تاویل کرتے ہیں، چنانچہ احناف نے حدیث باب میں تاویل کی ہے۔

سوال: حدیث باب کی حنفیہ کیا تاویل کرتے ہیں؟

جواب: محققین فرماتے ہیں کہ مقتول کے ورثاء پر آنحضرت ﷺ کا قسم پیش کرنا حکم شرعی کے اعتبار سے نہ تھا، بلکہ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اس کے انکشاف و اظہار کیلئے آپ نے ایسا کیا، نیز یہ ایک جزئی واقعہ ہے، لہٰذا احادیث اصولیہ قویہ سے متعارض ہونے کی بناء پر مجروح ہوگا۔

محدثین نے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مقتول کے ورثاء سے بینہ ہی طلب کیا تھا، بعض راویوں نے اس کو تحلیف سے تعبیر کر دیا ہے۔

سوال: کیا قسامۃ میں قاتل کو قصاص لینے کے لئے مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دیا جائیگا؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک صرف دیت ہے، ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ "**فجعلها رسول الله صلی الله علیه وسلم دیة علی یهود لانه وجد بین اظهرهم**" آنحضرت ﷺ نے

اس کی دیت یہود پر لازم فرمائی اس لئے وہ (مقتول) ان کے درمیان پایا گیا۔ یہ حدیث وجوب دیت میں صریح ہے، قصاص یوں بھی نہیں ہوسکتا کہ بہرحال قسامة میں ایک گونہ شبہ رہتا ہے۔

اعتراض: جب صرف دیت ہے تو آنحضرت ﷺ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ تم میں سے پچاس لوگ قسم کھائیں تم قاتل کے مستحق ہو جاؤ گے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء مقتول کے سپرد قاتل کو کیا جائے تا کہ وہ قصاص لے لیں؟

جواب: یہ درحقیقت اس وقت ہے جب کہ اولیاء مقتول کسی متعین قاتل کے سلسلہ میں بینہ پیش کر دیں، نسائی کی روایت میں اس کی صراحت بھی ہے۔ **"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقم شاهدين على من قتله ادفعه اليكم برمته"** اس کے قاتل پر دو گواہ پیش کرو میں اس کو تمہارے حوالہ کر دوں گا۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے قصاص کا حکم اقامت شاہدین پر مرتب کیا تھا نہ کہ ایمان پر، اصل بات یہ ہے کہ قصہ خیبر میں روایات متعارض ہیں، لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ ان سے استدلال نہ کر کے اصول کلیہ کو اختیار کیا جائے، جن کا تقاضہ یہ ہے کہ دیت لی جائے نہ کہ قصاص اور پھر حدیث باب میں استحقاق کا ذکر ہے، یہاں بھی استحقاق دم سے مراد دیت ہی ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۴۰۳/۴)

فائدہ: اس حدیث شریف سے درج ذیل امور معلوم ہوتے ہیں:

(۱) اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بڑا اکرام کے لائق ہے کہ وہ بات میں پہل کرے۔

(۲) حدود میں وکالت درست ہے۔

(۳) متولی کی موجودگی میں وکالت بھی درست ہے کیونکہ مقتول کے ولی عبدالرحمن بن سہل تھے جو کہ مقتول کے بھائی تھے اور حویصہ اور محیصہ اس کے چچازاد تھے۔

(۴) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قسامت میں پہلے قسم مدعی پر آتی ہے اور ہمارے نزدیک قسم کی ابتداء مدعی علیہ سے کی جائے گی۔ (مظاہر حق جدید: ۳۸۴)

"وهذا الباب خال عن الفصل الثاني"

(اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے)

الفصل الثالث

قسم کھانے میں پہل کرنے کا تذکرہ

{۳۳۷۸} عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اَصْبَحَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مَقْتُوْلًا بِخَیْبَرَ فَانْطَلَقَ اَوْلِیَاءُہٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرُوْا ذَالِکَ لَہٗ فَقَالَ اَلَکُمْ شَاھِدَانِ یَشْھَدَانِ عَلٰی قَاتِلِ صَاحِبِکُمْ قَالُوْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَمْ یَکُنْ ثَمَّ اَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّمَا ھُمْ یَھُوْدٌ وَقَدْ یَجْتَرِءُوْنَ عَلٰی اَعْظَمَ مِنْ ھٰذَا قَالَ فَاخْتَارُوْا مِنْھُمْ خَمْسِیْنَ فَاسْتَحْلِفُوْھُمْ فَاَبَوْا فَوَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۲۲۲، باب فی ترک القود بالقسامۃ، حدیث نمبر: ۴۵۲۴۔

حل لغات: اصبح: اس کے معنی صار کے بھی ہیں یعنی ہونا، **انطلق:** رہا ہونا، چلا جانا، گذر جانا، چلنا، **اجترء علیہ:** جرأت کرنا، جسارت کرنا، دلیری کرنا، **اختارہ**، پسند کرنا، منتخب کرنا، چننا۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں کے ایک شخص خیبر میں قتل کر دئے گئے چنانچہ مقتول کے اولیاء حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے ساتھی کے قاتل کی گواہی دیں؟ ان لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ ایک بھی مسلمان موجود نہیں تھا، بے شک وہاں یہود موجود تھے، جو کہ اس سے بھی بڑے کام کی جرأت رکھتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم انمیں سے پچاس آدمی چن لو اور ان سے قسم لے لو، مقتول کے ورثاء نے یہودیوں سے قسم لینے سے انکار کر دیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے ورثاء کو اپنے پاس

سے دیت عطا کی۔(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اگر مقتول کسی قبیلے یا محلہ یا اسکے قریب میں پایا جائے اور مقتول میں ضرب، جراحت، یا گلا گھونٹنے وغیرہ کے آثار بھی موجود ہوں اور قاتل معلوم نہ ہو، نیز اس کے ورثہ اہل محلہ پر قتل کرنے کا دعویٰ کریں تو اہل محلہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے اور وہ اس طرح قسم کھائیں کہ خدا کی قسم نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اسکے قاتل کو جانتا ہوں، اگر قسم کھانے سے انکار کردیں تو اقرار بالقتل یا قسم کھانے تک مقید رکھا جائیگا، اگر مقتول کے ورثاء مدعی علیہم سے قسم لینے سے انکار کردیں تو ان کیلئے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا، اور اگر وہ شخص متعین قاتل کے خلاف گواہ شرعی پیش کردیں تو عام ضابطہ کے اعتبار سے قتل عمد میں قصاص ہوگا اور قتل شبہ عمد وخطا میں دیت واجب ہوگی، کیوں کہ پھر اس کا تعلق قسامۃ سے رہے گا ہی نہیں مقتول کے ورثاء چوں کہ مدعی ہیں اس لئے ان سے قسم کھانے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔(فیض المشکوۃ: ۴۰۴/ ۶)

فوداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عندہ: اس حدیث کا ظاہر ہمارے مسلک کی تائید کر رہا ہے، ہمارے علماء نے فرمایا کہ قسم اس قتل پر لی جائے گی جس قتل میں مقتول پر کوئی زخم ہو یا مار کا کوئی اثر ہو یا گلا گھونٹا گیا ہو یا اس کے آنکھ ناک سے خون نکلا ہو اگر قتل کی یہ علامت نہ پائی جائیں تو ہمارے نزدیک اس قتل پر قسم نہیں ہے اور نہ اس پر دیت واجب ہے اور یہی امام احمد کا قول ہے، اور امام شافعی امام مالک کے نزدیک اس قسم کے اثرات کا پایا جانا شرط نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک لوث شرط ہے لوث کہتے ہیں کسی بات کے غیر واضح ثبوت کو شبہ اور معمولی ثبوت کو مثلا مدعی کے سچا ہونے کا دل گواہی دے یا اس کے کپڑے پر خون کا اثر دیکھا جائے یا دونوں کے درمیان پہلے سے دشمنی چلی آرہی ہو اور اس کی وجہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان اولیاء مقتول سے یہ نہیں پوچھا کہ مقتول پر قتل کا کوئی اثر تھا یا نہیں مزید دلائل بھی لائے گئے ہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ دیت میں قسم کھلانا خون کی تعظیم کی غرض سے ہے اور اسکو رائیگاں جانے سے بچانے کے لئے ہے اور یہ قتل کے اندر ہے نہ کہ خود مر جانے میں قتل کی شناخت نشانات اور اثرات کے ذریعہ ہی ہوتی ہے اور حدیث پاک کے اندر ان کے ذکر نہ ہونے سے آپ کا انکا مطلقاً ذکر نہ کرنا لازم نہیں آتا۔(انوار المصابیح: ۳۹۱/ ۶، مرقاۃ: ۴۵/ ۴)

تعارض: یہاں پر **"من عندہ"** ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس سے دیت ادا کی، جب کہ ایک روایت میں ہے کہ میں **"من ابل الصدقۃ"** یعنی زکوۃ کے اونٹوں سے آنحضرت ﷺ نے دیت ادا کی، تو دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض: وہ اونٹ صدقہ کے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے مال سے خریدا، پھر اپنی طرف سے مقتول کے ورثاء کو دیا یا پھر یہ کہا جائے کہ **"من عندہ"** سے اپنا ذاتی مال مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے بیت المال مراد ہے، جس کا انتظام آنحضرت ﷺ ہی کے ہاتھ میں تھا۔

اعتراض: گذشتہ حدیث میں ہے کہ **"فتبرئکم"** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعی علیہم قسم کھا کر بری الذمہ ہو جائیں گے، پھر حنفیہ قسم کھا لینے کے باوجود دیت کیوں واجب کرتے ہیں؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک اس سے **"ابراء عن القصاص"** مراد ہے، یعنی یہود قسم کھا کر تم کو مطالبۂ قصاص سے بری کر دیں گے، دیت سے برأت مقصود نہیں ہے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۰۵)

باب قتل اهل الردة والسعاة

بالفساد

مرتدین اور فساد برپا کرنے والوں کو قتل کرنے کا بیان

اس باب کے تحت اکیس روایتیں درج کی گئی ہیں جو مرتد کے قتل، آگ کی سزا کی ممانعت، مسلمان پر ہتھیار اٹھانے اور قتل کرنے کی وعید، قزاقوں کی سزا، مثلہ کی ممانعت، خوارج کے خروج کی پیشین گوئی، مسلمان کے قتل کی جائز صورتیں، اور باغی و ساحر کے قتل جیسے احکام پر مشتمل ہیں۔

اس باب کے تحت ہم ارتداد اور اس کے متعلقات کو بیان کریں گے، اولاً ان مباحث کا اجمال اور ثانیاً ان کی تفصیل۔ **وھی ثلث وثلاثون۔**

(۱)......رکن الردۃ۔
(۲)......صحت ردۃ کے شرائط۔
(۳)......مرتد کی تعریف۔
(۴)......مرتد کا حکم۔
(۵)......مرتد کے واپس لوٹنے کی شرط۔
(۶)......ملک مرتد کا حکم۔
(۷)......تصرف مرتد۔
(۸)......کلمات کفر۔
(۹)......وہ کلمات کفر جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات سے ہے۔
(۱۰)......انبیاء علیہم السلام سے متعلق چند کلمات کفر۔
(۱۱)......صحابہ کرام سے متعلق کلمات کفر۔
(۱۲)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کلمات کفر۔
(۱۳)......فرشتوں کے متعلق کلمات کفر۔
(۱۴) قرآن مجید سے متعلق کلمات کفر۔
(۱۵)......نماز سے متعلق کلمات کفر۔
(۱۶)......زکوۃ سے متعلق کلمات کفر۔
(۱۷)......رمضان سے متعلق کلمات کفر۔

(۱۸)......علم وعلماء سے متعلق کلمات کفر۔ (۱۹)......حلال وحرام سے متعلق کلمات کفر۔
(۲۰)......قیامت کے دن سے متعلق امور میں کلمات کفر۔
(۲۱)......تلقین کفر سے متعلق کلمات کفر۔ (۲۲)......ایک اہم فائدہ۔
(۳۲)......ارتداد کی سزاء کی بنیاد۔ (۲۴)......ارتداد کے تحقق کی صورتیں۔
(۲۵)......بغاوت کی سزاء کی بنیاد۔ (۲۶)......بغاوت کی دوصورتیں۔
(۲۷)......پہلے قسم کے باغیوں کا حکم۔ (۲۸)......تکفیر مسلم میں احتیاط۔
(۲۹)......یہ کوئی مذاق نہیں؟
(۳۰)......تکفیر میں احتیاط کی چند مثالیں......کہا میں شریعت کو نہیں مانتا۔
(۳۱)......مسلمان سے کہا تیرا دین بہت خراب ہے۔ (۳۲)......کہا کہ نماز نہیں پڑھوں گا۔
(۳۳)......ضروری تنبیہ۔

{۱}......رکن الردة

ایمان کے ہوتے ہوئے کلمہ کفر کا زبان پر جاری ہونا ہے۔

{۲}......صحت ردة کے شرائط

عقل کا ہونا، مجنون کی ردت صحیح نہ ہوگی اور نہ اس بچہ کی جو نادان ہو، مزید شرائط آگے آرہی ہیں۔

{۳}......مرتد کی تعریف

مرتد کے لغوی معنی لوٹنے اور پھرنے والا ہے جب کوئی مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اس کو مرتد کہتے ہیں۔

{۴}......مرتد کا حکم

ارتداد کے بعد اس پر اسلام کو پیش کیا جائے گا اور اگر اس کو کوئی اشتباہ ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے گا، لیکن یہ اسلام کا پیش کرنا اور اشتباہ کو دور کرنا یہ درجہ استحباب ہے۔ دعوت اسلام تو ہر جگہ پہنچ چکی ہے نئی دعوت کی ضرورت نہیں۔

یہ بھی مستحب ہے کہ اس کو تین دن قید کیا جائے پھر اگر وہ مسلمان ہو جائے تو بہت مناسب ورنہ قتل کر دیا جائے۔

بعضوں نے کہا کہ اگر وہ مہلت طلب کرے تو اس کو مہلت دی جائے، ورنہ ضرورت نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اس کو تین دن تک خلیفہ مہلت دے۔

ظاہری طور پر آیت **"اقتلو المشرکین"** 'مشرکوں کو قتل کردو' اور روایت: **"من بدل دینه فاقتلوه"** 'جس نے اپنا دین (اسلام) بدلا اس کو قتل کردو۔ ان دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مہلت دینا ضروری نہیں ہے۔

باب کا دوسرا جزء سعاۃ ہے اور یہ ساعی کی جمع ہے ساعی کا معنی کوشش کرنے والا' یہاں اس سے مراد ڈاکو ہیں، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا: **"انما جزآء الذین یحاربون اللہ ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا"** جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

فتاوی عالمگیری میں مسائل مرتد کے بارے میں خوب تفصیل لکھی ہے چنانچہ ہم اس کا ترجمہ ذکر کئے دیتے ہیں تاکہ مسلمان اس سے آگاہ ہو جائیں۔

ہم ہر عنوان کے آخر میں فتاوی عالمگیری کا حوالہ دیں گے تاکہ قارئین حضرات کو مراجعت کے وقت زیادہ ورق گردانی کی زحمت نہ ہو۔

مزید وضاحت: مرتد کا لفظ اصل فاعل ہے، جس کے معنی پھر جانے والا یعنی دین اسلام سے پھر جانے والا، ارتداد کا بڑا رکن یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کلمہ کفر اپنی زبان پر لے آئے اور اس کے صحیح

ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ آدمی عقلمند ہو پس مجنون اور نادان لڑکے کا ارتداد قابل اعتبار نہیں۔
جس شخص کا جنون ختم ہو جاتا ہے اگر وہ حالت جنون میں مرتد ہو تو وہ مرتد شمار نہیں ہوگا اور اگر وہ افاقہ کی حالت میں مرتد ہو تب اس کا ارتداد درست شمار ہوگا۔
اسی طرح وہ آدمی جو حالت نشہ میں مرتد ہو جس نشہ میں عقل جاتی رہی ہو تو اس کے ارتداد کا شرعاً اعتبار نہ ہوگا۔
ارتداد کے درست ہونے کے لئے بلوغ شرط نہیں اسی طرح مرد ہونا بھی شرط نہیں۔
اس کے صحیح ہونے کے لئے کفر کی طرف اس کی رغبت کا ہونا شرط ہے اس لئے اگر کسی کو زبردستی مرتد کیا جائے گا تو وہ قابل اعتبار نہ ہوگا۔
لڑکے کے عقلمند ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس بات کو پہچانے کہ اسلام نجات کا سبب ہے اور اچھے برے میٹھے کڑوے میں فرق کرے۔
بعضوں نے اس کے لئے عمر کی مقدار مقرر کی ہے کہ وہ سات برس کا ہو۔
جس آدمی کو برسام کی دماغی بیماری لاحق ہو جائے یا اس کو کوئی ایسی چیز کھلائی جائے جس سے اس کی عقل جاتی رہے اور وہ ہذیان بکنے لگے اور اسی کیفیت میں مرتد ہو جائے یہ ارتداد معتبر نہیں ہوگا۔
اگر کوئی شخص مجنون یا وسوسے میں مبتلا یا کسی لحاظ سے مغلوب العقل ہو اور اسی کیفیت میں وہ مرتد ہو جائے تو وہ بھی مرتد شمار نہیں ہوگا۔ (فتاوی عالمگیریہ: ۲/۲۵۳)

{۵}......مرتد کے واپس لوٹنے کی شرط

اس پر اسلام پیش کر کے شبہ کو دور کریں پھر وہ شہادتین کا اقرار کرے اور اسلام کے علاوہ تمام ادیان سے بیزاری کا اعلان کرے اور اگر وہ فقط اسی دین سے جس کی طرف وہ مڑ گیا تھا بیزاری کا اظہار کردے تو یہ بھی کافی ہے۔
اگر مرتد نے توبہ کر لی اور اسلام کی طرف لوٹ کر پھر کفر کی طرف رجوع کیا اور یہ تین بار کیا اور ہر بار

امام سے تین دن کی مہلت طلب کی پھر اگر چوتھی دفعہ کفر کی طرف لوٹ کر مہلت طلب کرے تو امام اس کو مہلت نہ دے اگر وہ اسلام قبول کر لے تو مناسب ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

جب عقل والا لڑکا مرتد ہو تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا ارتداد معتبر ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اسلام لانے کے بارے میں اس کو خبردار کیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے۔

قریب البلوغ لڑکا اگر مرتد ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مرتد ہونے والی عورت کو قتل نہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائے اور تین دن کے بعد اس کی پٹائی کی جائے تا کہ وہ اسلام لے آئے اور اگر اسی دوران اس کو کوئی قتل کر دے تو اس پر شبہ ہونے کی وجہ سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔

اور اگر لونڈی مرتد ہو جائے تو اس کا مالک اس کو گھر میں قید کر لے اور خدمت لینے کے باوجود اس کو سزا دی جاتی رہے البتہ اس کا مالک اس سے صحبت نہ کرے۔

عقل والی لڑکی جو بلوغ کے قریب ہے اور خنثیٰ مشکل ان دونوں کا حکم عورت جیسا ہے۔

آزاد عورت اگر مرتد ہو جائے تو اس کو باندی نہ بنایا جائیگا، جب تک کہ وہ دارالاسلام میں ہے پھر اگر وہ دارالحرب میں بھاگ جائے تو دوبارہ پکڑے جانے کی صورت میں اس کو لونڈی بنایا جا سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول صاحب نوادر نے اس طرح نقل کیا ہے کہ اس کو دارالاسلام میں بھی بطور باندی گرفتار کیا جا سکتا ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس روایت کے مطابق فتویٰ دیا جائے تو کچھ حرج نہیں اس عورت کے سلسلے میں جس کا خاوند موجود ہو، خاوند کو چاہئے کہ وہ درخواست کرے کہ اس عورت کو لونڈی نہ بنا دیا جائے یا امام اس کو خاوند ہی کو ہبہ کر دے بشرطیکہ خاوند اس کا مصرف ہو تو خاوند مالک بن جائے گا اس صورت میں خاوند کو جبکہ وہ اسلام کا انکار کرتی رہے یہ اختیار رہے کہ وہ اس کو مارنے یا قید اور اس کی توبہ کے لئے توحید کا اقرار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور دین اسلام کی حقانیت کا اقرار ضروری ہے۔

(فتاوی عالمگیری: ۲/۲۵۳)

{٦}......ملک مرتد کا حکم

مرتد کا مال ارتداد کی وجہ سے اس کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور یہ ملک کا زوال موقوف ہے اگر دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کی ملک بحال ہو جائے گی اور اگر ارتداد کی حالت میں قتل ہو جائے یا ہلاک ہو جائے تو اس کی وہ کمائی جو اسلام کی حالت میں کی ہے اس کے وارث اس کے مسلمان ورثاء ہوں گے جبکہ وہ اسلام کے بعد والے قرضے کو ادا کر دیں اور جو ارتداد کے زمانہ میں اس نے کمائی کی ہے تو اس میں فقط قرضے کی ادائیگی ہی کافی ہے جو قرضہ ارتداد کی حالت میں اس کے ذمہ ہوا ہے۔ باقی مال مال فیئ ہوگا اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک ارتداد سے مرتد کی ملک زائل نہیں ہوتی اب اس کے بعد اس کی میراث تقسیم کرنے کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایات مختلف ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کی وراثت مرتد کی موت یا اس کے قتل ہونے یا اس کے متعلق دارالحرب میں چلے جانے کا حکم ہو جانے کے بعد اس کے مسلمان وارثوں میں تقسیم ہوگی اور یہ زیادہ صحیح قول ہے۔

مرتد کی مسلمان بیوی اس کی وارث اس وقت ہوگی جبکہ وہ مرجائے یا قتل کیا جائے یا اس پر دار الحرب میں بھاگ جانے کا حکم لگ جائے اور وہ عورت حالت عدت میں ہو جیسا کہ کوئی شخص مرض الوفات میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو اگر عدت کے دوران اس کا خاوند فوت ہو جائے تو بھی اس کی بیوی کو اس کی میراث میں سے حصہ ملتا ہے، مرض الوفات میں طلاق دینے والے شخص کو فقہ کی اصطلاح میں ''فار'' یعنی بیوی کے حصہ میراث سے بھاگنے والا کہا جاتا ہے تو مرتد ہونے والا شخص بھی گویا مرتد ہو کر اپنی بیوی کو میراث سے محروم کرنا چاہتا ہے اس لئے ارتداد کو مرض الوفات کی طرح شمار کرکے اس کی بیوی کو بھی میراث میں سے حصہ دیں گے بشرطیکہ وہ عدت میں ہو۔

مسلمان خاوند مرتدہ کا وارث نہیں ہوتا مگر صرف اس صورت میں کہ جب بیماری کی حالت میں

مرتد ہوئی اور اسی حالت میں مر جائے تو اس وقت اس کا خاوند اور دیگر اقرباء بھی وارث ہوں گے، یہاں تک کہ وہ مال جو حالت ردت میں کمایا وہ بھی اس کے ساتھ شامل ہوگا۔

اگر کوئی مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا گیا یا حاکم نے اس کے بارے میں دار الحرب میں چلے جانے کا فیصلہ کر دیا تو اس کا مدبر غلام اور اس کی ام الولد آزاد ہو جائیں گے اور اس کے معجل قرضہ جات فی الحال دیئے جائیں گے، اور وہ مال جو کہ حالت اسلام میں کمایا گیا ہے، وہ تینوں علماء کے نزدیک باتفاق مسلمان ورثاء کو ملے گا مرتد نے حالت اسلام میں جو وصیت کی تو ظاہر روایت یعنی مبسوط وغیرہ کی روایت کے مطابق وہ مطلقاً باطل ہو جائے گی قطع نظر اس کے کہ وہ قریبی رشتہ دار کے حق میں ہے یا غیر قریبی کے حق میں اور جب تک مرتد دار اسلام میں چلتا پھرتا ہے اس وقت تک قاضی ان احکام میں سے کسی کو بھی نافذ نہ کرے۔ (عالمگیری: ۲/۲۵۴)

{۷}......تصرف مرتد

مرتد کا تصرف اس کے ارتداد میں چار اقسام پر مشتمل ہے:

(۱)...... وہ تصرف جو سب کے نزدیک نافذ ہو جاتا ہے مثلاً ہبہ کا قبول کرنا، ام الولد بنانا، اسی طرح جب اس کی لونڈی بچہ جنے اور وہ اس کے نسب کا دعویدار ہو تو لڑکے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا، اور دیگر ورثاء کے ساتھ وہ بھی وارث شمار ہوگا اور اس کی لونڈی ام ولد بن جائے گی، اسی طرح اس کا شفعہ اور غلام ماذون پر حجر بھی نافذ ہوگا۔

(۲)...... دوسرا وہ تصرف ہے جو سب کے نزدیک باطل ہو جاتا ہے مثلاً نکاح، اسے کسی مسلمان عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ نہ مرتدہ سے نہ ذمیہ اور نہ حرہ سے اور نہ مملوکہ سے اس کا ذبیحہ حرام ہے۔ اسی طرح کتے، باز اور تیر کے ساتھ کیا گیا اس کا شکار بھی حرام ہے۔

(۳)...... تیسرا تصرف وہ ہے جو سب کے نزدیک موقوف ہوتا ہے اور یہ شرکت مفاوضہ ہے یعنی جب کوئی مرتد کسی مسلمان سے شرکت مفاوضہ کرلے تو وہ موقوف رہتی ہے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو وہ

نافذ ہو جاتی ہے اور اگر وہ مر جائے یا قتل کیا جائے یا دارالحرب میں بھاگ جائے یا قاضی اس کے دارالحرب میں جانے کی تصدیق کر دے تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جاتی ہے اور شرکت مفاوضہ شرکت عنان بن جاتی ہے۔ یہ صاحبین کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرکت مفاوضہ قطعاً باطل نہیں ہوتی۔

(۴)...... چوتھا تصرف جس کے موقوف ہونے کے بارے میں اختلاف ہے وہ بیع اور شرائی، اجارہ، آزاد کرنا، مدبر بنانا، مکاتب بنانا، وصیت کرنا اور قرضوں کا وصول کرنا ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصرفات موقوف ہوتے ہیں اگر اسلام لے آئے تو نافذ ہو جاتے ہیں اور اگر ارتداد کی حالت میں مر جائے یا قتل کیا جائے یا دارالحرب کی طرف بھاگ جانے کی قاضی تصدیق کر دے تو باطل ہو جاتے ہیں۔

مکاتب کا تصرف اس کے مرتد ہونے کی صورت میں سب کے نزدیک نافذ ہے اگر کوئی شخص اپنے مرتد غلام کو فروخت کر دے یا مرتد لونڈی کو بیچ ڈالے تو بیع جائز ہے۔

یا مرتد تائب ہو کر لوٹ آئے اگر وہ قاضی کے حکم سے پہلے مسلمان ہو گیا تو اس کے مال کے متعلق مرتد ہونے کا حکم باطل ہو جائے گا اور گویا وہ کبھی مرتد ہوا ہی نہیں اور اسکی ام ولد اور مدبر بھی آزاد نہیں ہوں گے اور اگر قاضی کے حکم کے بعد وہ لوٹا تو ورثاء کے ہاتھوں میں جو چیز موجود ہو اسکو واپس لے سکتے ہیں، اور اگر انہوں نے وہ چیز اپنی ملک سے بیع کر کے یا ہبہ کر کے یا آزاد کر کے نکال ڈالیں تو اسے دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی بدلہ لینا درست ہے۔

جو آدمی ماں باپ کے تابع ہونے کی وجہ سے مسلمان تھا جب مرتد ہو کر وہ بالغ ہوا تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ارتداد میں اسے قتل کیا جائے لیکن از راہ استحسان اس کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ اس کا اسلام ماں باپ کی تبعیت میں تھا یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو نوعمری میں مسلمان ہوا اور بلوغت کی عمر میں وہ مرتد ہو گیا تو اسکا حکم اسی طرح ہے۔

جو آدمی زبردستی اسلام لایا تھا وہ مرتد ہو گیا تو بطور استحسان اس کو بھی قتل نہ کیا جائے گا اور ان تمام صورتوں میں اس کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر کسی شخص نے اس کے مسلمان ہونے سے پہلے ہی

اس کو مار دیا تو اس پر دیت وقصاص میں سے کوئی چیز لازم نہ آئیگی۔

لقیط: یعنی راستہ میں پڑا ہوا اٹھایا جانے والا بچہ دارالاسلام میں مسلمان شمار ہوگا اگر بالغ ہونے کے بعد وہ مرتد ہو جائے تو اسلام لانے پر اس کو مجبور کیا جائے گا مگر قتل نہ کیا جائے گا۔

(عالمگیری:۲/۲۵۵)

{۸}......موجبات کفر

یعنی جن باتوں سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، اس کے کئی اقسام ہیں:

ایسی چیزیں جن کا تعلق ایمان واسلام کے ساتھ ہے

(۱)......مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرا ایمان ہے یا نہیں، تو یہ بہت بڑی غلطی ہے مگر جب اس بات کا مقصد اپنے شک کی نفی ہو تو پھر خطائے عظیم بھی نہ بنے گی۔

(۲)......جس آدمی نے اپنے ایمان کے بارے میں شک کیا اور کہا کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ مؤمن ہوں تو وہ کافر ہے، البتہ اگر وہ اس کی یہ تاویل کرے کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں اس دنیا سے ایمان کے ساتھ جاؤں گا یا نہیں، تو اس صورت میں وہ کافر نہ ہوگا۔

(۳)......جس آدمی نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے یا ایمان مخلوق ہے تو وہ کافر ہو گیا۔

(۴)......جس شخص نے یہ عقیدہ بنایا کہ ایمان وکفر ایک چیز ہے تو وہ کافر ہے۔

(۵)......جو آدمی ایمان پر راضی اور مطمئن نہ ہو اوہ کافر ہے۔

(۶)......جو آدمی اپنے نفس کے کفر پر راضی ہو اوہ کافر ہے۔

(۷)......اور جو غیر کے کفر پر راضی ہوا اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے اور فتویٰ اس قول پر ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے کفر پر اس لئے راضی ہوا تھا کہ وہ کافر ہمیشہ عذاب میں مبتلا ہوگا تو وہ کافر نہ ہوگا اور اگر وہ اس کے کفر پر اس بنا پر راضی ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس چیز کو ظاہر

کرے جو اس کی صفات کے لائق نہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۸)......جس آدمی نے یہ کہا کہ میں اسلام کی صفات نہیں جانتا تو وہ کافر ہو گیا۔

علامہ شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بڑے مبالغہ کے انداز میں ذکر کیا ہے اور یہ فرمایا کہ ایسے کہنے والے کی نہ نماز ہے اور نہ دین اور نہ روزہ نہ طاعت وعبادت اور نہ اس کا نکاح ہے، اس کی اولاد زنا سے پیدا ہونے والی اولاد ہے۔

(۹)......اگر کسی مسلمان نے کسی نصرانیہ سے نکاح جس کے ماں باپ عیسائی ہیں اور وہ لڑکی اس حالت میں بڑی ہوئی کہ وہ کسی مذہب ودین کو نہیں جانتی یعنی نہ وہ دین کو دل سے پہچانتی ہے اور نہ زبان سے اس کو بیان کر سکتی ہے اور وہ مجنونہ بھی نہیں ہے تو اس صورت میں اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔

(۱۰)......اگر کسی طرح کسی آدمی نے مسلمہ صغیرہ سے نکاح کیا جب وہ عقل کی حالت میں پہنچی اور بالغہ ہوئی تو اس حالت میں نہ وہ اسلام کو دل سے پہچانتی ہے اور نہ بیان کر سکتی ہے اور وہ دیوانی اور پاگل بھی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اسکے اور اس کے خاوند کے مابین جدائی ہو جائے گی۔

(۱۱)......اگر خاوند نے اپنی عورت سے پوچھا کیا تو توحید جانتی ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ نہیں جانتی ہوں۔ پس اگر اس کے جواب کی مراد یہ ہو کہ مجھے وہ توحید یعنی کلمہ توحید یاد نہیں جو بچے مدرسہ میں پڑھتے ہیں تو اس بات میں اس کا نقصان نہیں اور اگر اس جواب سے اس کی مراد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں پہچانتی تو اس صورت میں وہ مؤمنہ نہ رہے گی اور اس کا نکاح اپنے خاوند سے ٹوٹ جائے گا۔

(۱۲)......جو شخص اس حالت میں مرا کہ وہ یہ نہیں پہچانتا کہ میرا کوئی خالق ہے اور اس دنیا کے گھر کے علاوہ اس کے لئے ایک اور گھر بھی ہے اور ظلم حرام ہے تو یہ شخص مؤمن نہ تھا۔

(۱۳)......ایک آدمی گناہ میں مبتلا ہے، یہ کہتا ہے اپنے کو گناہ سے ظاہر کرنا چاہئے تو یہ کافر ہو جائے گا۔

(۱۴)......اگر ایک آدمی نے کہا کہ میں مسلمان ہوں، سننے والے نے اس کے جواب میں کہا تجھ پر اور تیری مسلمانی پر لعنت ہو تو اس طرح کہنے سے وہ کافر ہو جائیگا۔

(۱۵)......اگرکسی عیسائی نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد اس کا عیسائی باپ مرگیا تو یہ کہنے لگا کاش میں اس وقت مسلمان نہ ہوتا تو اپنے باپ کی وارثت کو پالیتا تو یہ نومسلم کافر ہوگیا۔

(۱۶)......اگر کوئی عیسائی کسی مسلمان کے پاس آیا اور اس کو کہنے لگا میرے سامنے دعوت اسلام پیش کرو تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر اسلام قبول کرلوں، اس مسلمان نے کہا کہ تم فلاں عالم کے وہاں چلے جاؤ تاکہ وہ تمہارے سامنے اسلام کو پیش کرے اور تم اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرو، علماء کے اسکے متعلق اختلافی اقوال ہیں۔ علامہ ابوجعفر کہتے ہیں کہ اس طرح کہنے والا کافر نہ ہوگا۔

(۱۷)......اگر کسی آدمی نے اسلام قبول کیا ایک مسلمان اس سے کہنے لگا تمہیں اپنے گذشتہ دین میں کون سی برائی نظر آئی یعنی جس کی وجہ سے تم نے اسلام کو پسند کیا تو یہ کہنے والا کافر ہوجائے گا۔

(فتاویٰ عالمگیری: ۲/۲۵۷)

{۹} وہ کلمات کفر جن کا تعلق اللہ کی ذات یا صفات سے ہے

(۱)......وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے وصف وصفت کی نسبت کرے، جو اس کے شایان شان نہیں یا کسی کو اس کا شریک یا اس کا بیٹا یا بیوی بنائے تو وہ شخص کافر ہوجاتا ہے۔

(۲)......اللہ کے اسماء میں سے یا اس کے اوامر میں سے کسی امر کا مذاق اڑائے یا اللہ کے وعدہ اور وعید کا انکار کرے تو وہ کافر ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر اللہ کی طرف جہالت یا عاجزی یا نقص کی نسبت کرے تو یہ کہنے والا کافر ہوجائے گا، مثلاً یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے کہ وہ ایسا فعل کرے جس میں کوئی حکمت نہ ہو یہ اللہ کی طرف نقص کی نسبت کرنے کی وجہ سے کافر ہوجائے گا۔

(۳)......جو آدمی یہ کہے یا اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کفر پر راضی ہوتا ہے تو وہ کافر ہوجاتا ہے۔

(۴)......اگر کوئی یہ کہے کہ اگر اللہ بھی مجھے یہ کام کرنے کا حکم دیں تب بھی میں یہ کام نہ کروں تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۵)......قرآن کریم میں "ید" یا "وجه" وغیرہ کے الفاظ اللہ کے لئے استعمال ہوئے ہیں اس

حالت میں کہ وہ اعضاء جارحہ نہیں ہیں تو کیا کسی دوسرے زبان میں ان چیزوں کا اطلاق جائز ہے کہ نہیں؟ بعض علماء نے کہا کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ ان چیزوں سے ان کا ظاہر مفہوم یعنی اعضاء وغیرہ کا اعتقاد نہ ہو۔ (اس کا مطلب ہے کہ اس سے یہ اعضاء منہ اور ہاتھ ظاہری مراد نہیں اللہ تعالیٰ ان اعضاء سے منزہ ہے بلکہ یہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن کی حقیقت اللہ ہی جانتے ہیں) اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں اور اسی قول پر اعتماد ہے۔

(۶)...... اگر کسی شخص نے اس طرح کہا کہ فلاں میری نگاہ میں اس طرح کا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہودی تو جمہور علماء کے نزدیک یہ شخص کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے نگاہ کو نگاہ انسانی قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں اگر اس جملہ کے کہنے والے کی مراد اس آدمی کے افعال و کردار کی برائی ظاہر کرنا ہو تو پھر وہ کافر نہیں ہوگا۔

(۷)...... اگر ایک شخص مر گیا دوسرے آدمی نے کہا اللہ تعالیٰ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

(۸)...... اگر کسی آدمی نے اپنے دشمن کو کہا کہ میں تیرے ساتھ یہ معاملہ اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں، دشمن کہنے لگا میں حکم خدا کو نہیں جانتا یا اس طرح کہا کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں چلتا یا یوں کہا کہ اس جگہ کوئی حکم نہیں یا اس طرح کہا کہ خدا حکم کے لائق نہیں یا اس طرح کہا کہ اس جگہ دیوتا کا ہی حکم چلتا ہے یہ تمام جملے کفر کو لازم کرنے والے ہیں۔

(۹)...... حاکم عبد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ جو یہ کہے کہ میں فلاں کام رسم و رواج کے مطابق کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہیں کرتا تو کیا ایسا شخص کافر ہو جائے گا؟

انہوں نے فرمایا اس جملہ سے اگر اس کی مراد حق بات کو بگاڑنا اور شریعت کو ترک کرنا اور رسم و رواج کی اتباع ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کرنا مقصود نہیں تو وہ کافر نہ ہوگا۔

(۱۰)...... اگر کوئی آدمی کسی ایسے شخص کو جو کہ کبھی بیمار نہیں ہوتا اس طرح کہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھول گیا ہے یا یوں کہے کہ یہ آدمی ان لوگوں میں سے ہے، جن کو اللہ تعالیٰ بھول گیا ہے تو یہ کفریہ کلمہ ہے۔

(۱۱)......اگر کسی آدمی نے دوسرے شخص کو اس طرح کہا تیری زبان سے تو خدا بھی بچ نہیں سکتا۔ میں تیسرا کس طرح مقابلہ کروں گا تو وہ شخص کافر ہو جائے گا۔

(۱۲)......اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہا **"نعوذ باللہ"** تم مجھے خدا سے زیادہ محبوب ہو تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۱۳)......اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں آدمی کو بری تقدیر پہنچی یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

(۱۴)......اللہ تعالیٰ کے لئے مکان کو ثابت کرنا کفر ہے چنانچہ اگر کوئی شخص اس طرح کہے اللہ تعالیٰ سے کوئی مکان خالی نہیں تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۱۵)......اگر کسی نے اس طرح کہا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے اب دیکھیں گے کہ یہ بات اس نے کس ارادے سے کہی ہے؟ اگر اس کا مقصد اس چیز کو بطور حکایت بیان کرنا ہے، جو ظاہری طور پر قرآن وسنت میں منقول ہے تو کافر نہ ہوگا اور اگر اس کا مقصد اللہ کی طرف مکانیت کی نسبت کرنا ہے تو پھر کافر ہو جائے گا اور اکثر علماء کے یہاں اگر ایسا کہنے سے اس کی کچھ بھی نیت نہ ہو تب بھی کافر ہو جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(۱۶)......یہ کہنے والا بھی کافر ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ انصاف کے لئے بیٹھا ہے یا کھڑا ہے چونکہ اس جملے میں اس نے فوق اور تحت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے حالانکہ وہ اس سے پاک ہے۔

(۱۷)......یہ کہنا بھی کفر ہے کہ میرا آسمان پر مددگار خدا ہے اور زمین پر فلاں آدمی۔

(۱۸)......اکثر علماء کے نزدیک اس طرح کہنا بھی کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے نیچے دیکھ رہا ہے، یا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر سے دیکھ رہا ہے، اور یہ کہنا کہ خدا عرش کے اوپر سے دیکھ رہا ہے مگر عربی کے اندر یطلع کہا یا اس طرح کہا کہ خدا عرض کے اوپر سے جانتا ہے تو یہ کفر نہیں اور اگر یہ کہا عرش کے نیچے سے جانتا ہے تو یہ کفر ہے۔

(۱۹)......جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کی وہ کافر ہوگا۔

(۲۰)......اگر کسی نے اس طرح کہا اے میرے رب! یہ ظلم مت کر تو بعض علماء کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۲۱)......اگر کسی شخص نے اس طرح کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن انصاف کیا تو مجھے تجھ سے انصاف ملے گا یہ شخص کافر ہو جائیگا، البتہ اگر اس نے اگر کے لفظ کے بجائے جس وقت کا لفظ بولا تو کافر نہیں ہوگا۔ (یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انصاف کرے گا تو مجھے تجھ سے انصاف ملے گا۔

(۲۲)......اگر کوئی اس طرح کہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حق وعدل سے فیصلہ کرے گا تو میں تجھ سے اپنا حق لوں گا تو یہ کفر ہے۔

(۲۳)......اگر ایک ظلم کر رہا تھا اور اس سے کہا یہ ظلم مت قبول کر اور اگر تو قبول کرے گا تو میں قبول نہیں کروں گا، تو یہ کفر ہے گویا اس بات کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو راضی ہوا تو میں راضی نہ ہوگا۔

(۲۴)......اگر کسی شخص نے اس طرح کہا اے میرے رب! تو مجھ پر روزی فراخ کر یا میری تجارت کو جاری کر مجھ پر ظلم نہ کر۔ ابونصر دبوسی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول وہ کافر ہو گیا۔

(۲۵)......اگر کسی نے دوسرے شخص کو کہا جھوٹ مت بول، اس نے کہا جھوٹ کس لئے ہے وہ بولنے ہی کیلئے ہے تو اسی وقت کافر ہو گیا۔

(۲۶)......اگر کسی آدمی کو کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کر و اس نے جواب میں کہا مجھے نہیں چاہئے تو وہ شخص کافر ہو جائے گا۔

(۲۷)......کسی نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بہشت میں داخل کرے غارتگری یعنی لوٹ مار کرنے کے لئے تو وہ شخص کافر ہو جائے گا۔

(۲۸)......کسی سے دوسرے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی مت کر کیونکہ اگر نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوزخ میں ڈال دے گا، اس نے کہا میں دوزخ سے نہیں ڈرتا تو وہ شخص کافر ہو جائے گا۔

(۲۹)......اگر کسی نے کہا زیادہ مت کھاؤ اس لئے کہ زیادہ کھانے سے اللہ تعالیٰ تجھے اپنا دوست نہ بنائیگا۔ تو اس نے جواباً کہا میں ضرور کھاؤں گا، خواہ اللہ تعالیٰ دوست رکھے یا دشمن تو وہ شخص اس کہنے سے مسلمان نہ رہے گا۔

(۳۰)......اگر کسی کو یہ کہا گیا کہ بہت زیادہ نہ ہنسو یا بہت زیادہ مت سوؤ، تو اس نے اس کے جواب میں کہا کہ میں اتنا سوؤں گا اور اتنا ہنسوں گا جتنا کہ میں چاہوں گا تو یہ کہنے سے کافر ہو جاتا ہے۔

(۳۱)......اگر کسی آدمی نے دوسرے کو کہا کہ گناہ مت کرو، اس لئے کہ اللہ کا عذاب بہت شدید ہے تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو ایک ہاتھ سے اٹھا لوں گا تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۳۲)......اگر کسی کو یہ کہا گیا کہ اپنے ماں باپ کو مت ستاؤ، وہ کہنے لگا ان کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے کافر تو نہیں ہوتا مگر گناہ کبیرہ میں سے "**اکبر الکبائر**" کو کرنے والا ہے۔

(۳۳)......اگر کسی شخص نے ابلیس کو کہا اے ابلیس! تو میرا یہ کام بنا دے تو جو کچھ کہے گا میں کروں گا، اپنے ماں باپ کو ستاؤں گا اور جو کچھ تو نہ کہے وہ میں نہ کروں گا تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۳۴)......اگر کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دونوں جہان نہ بناتا تو میں اپنا حق تجھ سے وصول کر لیتا، یہ کہنے سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۳۵)......اگر کسی شخص نے کوئی جھوٹی بات کہی تو ایک سننے والے نے کہا کہ میرا اللہ تیرے اس جھوٹ کو سچ کر دے یا اس طرح کہا کہ اللہ تعالیٰ تیرے اس جھوٹ میں برکت کرے، بعض علماء نے اس کو کفر کے قریب مانا ہے۔

(۳۶)......اسی طرح اگر کسی شخص نے جھوٹ بولا اور سننے والے نے کہا اللہ تعالیٰ تیرے جھوٹ میں برکت دے تو اس سے کافر ہو جاتا ہے۔

(۳۷)......ایک شخص کہنے لگا کہ فلاں تیرے ساتھ سیدھا نہیں چلتا، اس نے جواب میں کہا کہ اس کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ بھی سیدھا نہ چلے گا تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

(۳۸)......اگر کسی نے کہا اللہ تعالیٰ سونے کو پسند کرتا ہے اس نے مجھ کو سونا نہیں دیا اگر اس کلام سے مقصود اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت کرنا ہو تو کافر ہو جاتا ہے اور محض اس طرح کہنے سے کافر نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سونے (زر) کو پسند کرتا ہے۔

(۳۹)......اگر کسی نے کہا دوسرے شخص سے کہ تم انشاء اللہ تعالیٰ یہ کام کرو گے، تو وہ کہنے لگا کہ میں انشاء اللہ کے بغیر یہ کام کروں گا تو یہ کافر ہو جائے گا۔

(۴۰)......اگر کسی مظلوم نے کہا کہ میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ تقدیر الٰہی سے ہے، ظالم نے یہ سن کر کہا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ تقدیر کے بغیر کر رہا ہوں تو یہ کافر ہو گیا۔

(۴۱)......اگر کسی نے کہا اے میرے اللہ! مجھ پر رحمت کرنے میں دریغ نہ کر تو یہ کفریہ کلمہ ہے۔

(۴۲)......میاں بیوی کی باہم لمبی چوڑی گفتگو ہوئی، جب بیوی کی طرف سے بات لمبی ہوئی تو خاوند نے کہا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو، کہنے لگی میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتی پس اب دیکھا جائے گا کہ اگر خاوند نے عتاب کیا تھا اور بیوی کو ظاہری گناہ پر اور معصیت پر اللہ تعالیٰ سے ڈرا رہا تھا اور یہ جواب بیوی نے اس ڈرانے پر دیا تو بیوی یہ کہنے سے مرتدہ ہوگئی خاوند سے اس کا نکاح ختم ہو گیا اور اگر وہ چیز جس پر خاوند نے عتاب کیا تھا وہ ایسا امر تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت نہیں تھی تو وہ عورت کافر نہ ہوگی، البتہ اگر اس کی نیت تقویٰ اور خوف الٰہی کا استخفاف اور توہین کرنے کی تھی تو عورت کا نکاح ختم ہو جائے گا۔

(۴۳)......اگر کسی شخص نے کسی کو مارنے کا ارادہ کیا، اس نے مارنے والے سے کہا کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا؟ تو اس نے کہا نہیں تو اس سے کافر نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس طرح کہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا سوال تو اس چیز میں ہوتا ہے کہ جس کو میں کرتا ہوں۔

(۴۴)......اگر کسی کو گناہ میں پایا اس نے اس کو منع کیا اور کہا کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ اس نے کہا نہیں تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

(۴۵)......اسی طرح اگر کسی نے کہا کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ اس نے غصہ کی حالت میں جواب دیا کہ نہیں! تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۴۶)......اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو پسند نہ کرے جیسے کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار بیویاں حلال کی ہیں تو وہ اس کے جواب میں کہے میں اس حکم کو پسند نہیں کرتا تو یہ کفر ہے۔

(۴۷)......جو شخص یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہونے چاہئیں اور کسی چیز کو نہ ہونا چاہئے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۴۸)......اگر کسی شخص نے اس طرح کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے حق میں تمام چیزیں بھلی بنائیں ہیں

اور بدی مجھ سے ہے یعنی میں نے بنائی ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۴۹)......اگر کسی کو کہا گیا کہ تو بیوی کے ساتھ پورا نہیں اتر سکتا تو وہ کہنے لگا اللہ تعالیٰ ان عورتوں سے پورا نہیں اتر سکتا تو میں کس طرح پورا اتر سکتا ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۵۰)......اگر کسی نے دوسرے کو کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھتا ہوں اور تجھ سے دیکھتا ہوں یا اس طرح کہا میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں اور تجھ سے امید رکھتا ہوں تو یہ قبیح کلمات ہیں۔

(۵۱)......اگر اس طرح کہا کہ خدا تعالیٰ سے دیکھتا ہوں اور اس کا سبب تجھے جانتا ہوں تو یہ اچھا کلمہ ہے۔

(۵۲)......اگر کسی نے اپنے دشمن سے قسم کا مطالبہ کیا دشمن نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں اس پر قسم طلب کرنے والے نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں چاہتا بلکہ میں طلاق یا عتاق کی قسم چاہتا ہوں تو اس سے کافر ہو گیا بعض علماء کے نزدیک اور بعض علماء کے نزدیک کافر نہ ہو گا اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

(۵۳)......اگر کسی نے دوسرے کو کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں ہمیشہ تمہیں دعا سے یاد رکھتا ہوں تو اس کے کفر سے متعلق مشائخ کے اقوال مختلف ہیں۔

(۵۴)......اگر کسی نے فارسی زبان میں بطور ہنسی کہا من خدا یم مطلب اس کا یہ تھا من خود آیم۔ پس کافر ہوا۔

(۵۵)......اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے ہمسایہ کے حق کی پروا نہیں، بیوی نے جواب دیا نہیں! تو خاوند نے کہا تمہیں خاوند کے حق کی پرواہ نہیں تو بیوی نے کہا نہیں! پھر خاوند نے کہا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے حق کی پرواہ نہیں تو بیوی نے اس کے جواب میں بھی کہا کہ نہیں تو وہ کافر ہو جائے گی۔

(۵۶)......اگر ایک شخص نے اپنی بیماری اور تنگی معاش سے پریشان ہو کر کہا کہ نہ معلوم مجھے اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا جبکہ دنیا کی لذتوں اور راحتوں سے میں محروم ہوں، بعض نے کہا کہ وہ کافر نہ ہو گا لیکن اس کی یہ بات شدید قسم کی غلطی ہے۔

(۵۷)......اگر کسی ایک شخص نے کہا کہ تمہاری برائیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا اس نے جواب میں کہا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو مقرر کر رکھا ہے کہ خدا وہی کرے گا جو تم کہو گے

تو اس طرح وہ کافر ہو جائے گا۔

(۵۸)......اگر کسی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ دوزخ بنانے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے تو وہ کافر ہو جائیگا۔

(۵۹)......اسی طرح اگر کسی نے کسی بدنما جانور کو دیکھا یا کسی بدنما انسان کو دیکھ کر کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا کوئی کارپرداز نہیں کہ اس کو اس طرح پیدا کیا تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

(۶۰)......اگر کسی فقیر نے شدت فقر میں کہا کہ فلاں شخص بھی تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے کہ جس کو اس قدر انعامات حاصل ہیں اور میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں کہ اتنے رنج و دکھ میں مبتلا ہوں کیا یہ انصاف ہے؟ یہ کہنے سے وہ کافر ہو گیا۔

(۶۱)......اگر کسی نے یہ کہا کہ اللہ سے ڈرو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو وہ کافر ہو گیا

(۶۲)......اگر کسی نے یہ کہا کہ پیغمبر اپنی قبر میں نہیں ہے یا یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم نہیں یا اس طرح کہا کہ معدوم کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے تو وہ کافر ہو گیا۔

(۶۳)......اگر کسی شخص کا نام عبداللہ ہو اور دوسرا شخص اس کو آواز دیتے وقت لفظ عبد کے بعد (ک) کا اضافہ کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا بشرطیکہ وہ بولنے والا عالم ہو۔

(۶۴)......اسی طرح اگر کوئی لفظ خالق جان بوجھ کر تصغیر بنائے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۶۵)......اگر کسی نے دوسرے کو کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل پر رحمت کرے میرے دل پر نہیں اگر اس نے یہ بات رحمت الٰہی سے استغناء کے طور پر کہی تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ میرا دل اللہ تعالیٰ کے اثبات کے ساتھ ہے مضطرب نہیں ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

(۶۶)......اگر کسی نے اس طرح قسم کھائی کہ اللہ کی قسم اور تیرے خاک پا کی قسم تو وہ کافر ہو جائے گا، البتہ اگر کسی نے اس طرح قسم کھائی اللہ کی قسم اور تیرے سر اور تیری جان کی قسم تو اس سے متعلق علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ (فتاویٰ عالم گیری: ۲/۲۵۸)

{۱۰}......انبیاء علیہم السلام سے متعلق چند کلمات کفر

(۱)......جس شخص نے بعض انبیاء علیہم السلام کو نہ مانا یا ان کے کسی طریقہ پر وہ راضی نہ ہوا تو کافر ہوگیا۔

(۲)......ابن مقاتل سے دریافت کیا گیا اگر کوئی شخص حضرت خضر علیہ السلام اور ذوالکفل کی نبوت کا انکار کرے تو انہوں نے فرمایا جو شخص اس طرح ہو کہ اس کی نبوت پر اجماع امت نہ ہو تو اس کی نبوت کے انکار میں کچھ نقصان نہیں۔

(۳)......اگر کسی شخص نے اس طرح کہا کہ اگر فلاں پیغمبر ہوتا تو میں اس پر ایمان لاتا تو یہ کہنے سے وہ کافر ہوگیا۔

(۴)......امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس طرح کہے کہ میں تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتا ہوں مگر میں نہیں جانتا کہ آدم علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں؟ تو اس سے کافر ہوجاتا ہے۔

(۵)......اگر کوئی شخص انبیاء علیہم السلام کی طرف فواحش کی نسبت کرے مثلاً انہوں نے عزم زنا کیا جیسا کہ حشویہ فرقہ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق کہتا ہے، حضرت امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہے، کیونکہ اس میں انبیاء علیہم السلام کی مذمت اور ان کی توہین ہے۔

(۶)......ابو ذر کہتے ہیں کہ جس آدمی نے یہ کہا کہ ہر معصیت کفر ہے اور کہنے لگا کہ اس کے باوجود انبیاء علیہم السلام نے نافرمانی کی ہے تو وہ آدمی کافر ہوگیا اس لئے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی برائی کی ہے اور اگر اس نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام نے نافرمانی نہیں کی نہ نبوت سے پہلے اور نہ نبوت کے بعد تب بھی کافر ہوجائے گا اس لئے کہ اس نے نصوص یعنی قرآن پاک کی آیات **"وعصی آدم ربه"** وغیرہ کی تردید کی۔

(۷)......بعض علماء سے میں نے خود سنا جب کوئی آدمی یہ نہ پہچانے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں پس وہ مسلمان نہیں۔

(۸)......جس آدمی نے اپنے دل میں کسی پیغمبر کے ساتھ بغض کا ارادہ کیا تو وہ کافر ہوا اسی طرح اس

آدمی کا بھی حکم ہے جس نے اس طرح کہا کہ اگر فلاں نبی ہوتا تو میں اس پر راضی نہ ہوتا اور اگر اس طرح کہا کہ اگر فلاں پیغمبر ہوتا تو میں اس کا گرویدہ نہ بنتا اگر اس کی مراد یہ ہے کہ اگر فلاں اللہ کا رسول ہوتا تو میں ایمان نہ لاتا تو یہ کافر ہوا جس طرح سے یہ بات کہنے سے کافر ہو جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو ایک بات کا حکم کرتے تو میں اسے نہ کرتا۔

(۹)......اگر اس نے اس طرح کہا کہ اگر انبیاء کی بات صحیح ہوتی تو ہم نجات پاتے ،تو کافر ہو گیا۔

(۱۰)......اگر یہ کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں یا فارسی میں کہا من پیغمبرم اور اس کی مراد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا ہوں تو کافر ہو جائے گا، جس وقت اس نے یہ بات کہی تو کسی نے اس سے معجزہ کا مطالبہ کر دیا تو بعضوں نے کہا ہے کہ معجزہ کا مطالبہ کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ متاخرین علماء فرماتے ہیں کہ اگر طالب کی غرض اس کو عاجز کرنا اور اس کو ذلیل کرنا ہے پھر کافر نہیں ہوگا۔

(۱۱)......اور اگر اس نے آنحضرت ﷺ کے بال مبارک کو چھوٹا سا بال مبارک کہا تو بعضوں نے کہا کہ کافر ہو گیا۔ دوسرے حضرات نے کہا نہیں سوائے اس صورت کے کہ جب بطور توہین کہے۔

(۱۲)......اگر کسی شخص نے کہا میں نہیں جانتا کہ وہ محمد ﷺ انسان تھے یا جن، تو وہ کافر ہو گیا۔

(۱۳)......اور اگر کہا کہ فلاں آدمی پیغمبر ہے میں اپنا حق اس سے نہیں لوں گا تو کافر ہو جاتا ہے۔

(۱۴)......اور اگر یہ کہا کہ محمد ﷺ درویشک بود یعنی محمد ﷺ چھوٹے سے درویش تھے یا یہ کہا کہ پیغمبر کا کپڑا بدبو دار اور میلا کچیلا تھا یا یہ کہا کہ ناخن بڑے رہتے تھے تو بعضوں نے کہا کہ وہ کافر ہو جاتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ تب کافر ہوتا جبکہ توہین کے طور پر کہے۔

(۱۵)......اگر کسی ایسے شخص کو کہ جس کا نام محمد یا احمد ہے یا اس کی کنیت ابوالقاسم ہے اس کو برا کہا یا اس کو ابن الزانیہ کہا پس اگر وہ اس دوران میں محمد ﷺ کا تذکرہ کرنے والا تھا تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۱۶)......اگر اس نے کہا کہ جو گناہ بھی ہے وہ کبیرہ ہے مگر انبیاء کے گناہ صغیرہ ہیں تو کافر نہیں ہوتا۔

(۱۷)......جس نے یہ کہا کہ ہر کام قصداً کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اس کا کرنے والا فاسق ہے اور کہنے لگا کہ انبیاء کے معاصی قصداً تھے تو وہ کافر ہو گیا اس لئے کہ انبیاء کو برا کہا اور اگر یہ کہا کہ انبیاء علیہم السلام کے معاصی قصداً نہیں تھے تو یہ کفر نہیں۔ (فتاوی عالمگیری:۲۶۳/۲)

{۱۱}......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق کلمات کفر

(۱)......جوشخص شیخین کو برا کہے اور ان پر (نعوذ باللہ) لعنت کرے تو وہ کافر ہے۔

(۲)......اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے وہ کافر نہیں بلکہ مبتدع ہے معتزلہ بھی بدعتی ہیں مگر اس وقت کافر ہیں جب وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار محال ہے۔

(۳)......اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کا بہتان لگاتا ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ کی بات کا انکار کیا اور اگر دیگر ازواج پر بہتان لگایا تو کافر نہیں مگر لعنت کا حقدار ہے۔

(۴)......اگر اس نے یہ کہا کہ عمر، عثمان علی رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نہیں تھے تو کافر نہیں ہوتا مگر لعنت کا حقدار بن جاتا ہے۔

(۵)......جوشخص امام ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انکار کرے تو بعض علماء کے نزدیک وہ کافر ہے اور بعض کے نزدیک وہ کافر نہیں صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔

(۶)......جس نے خلافت عمر کا انکار کیا وہ بھی صحیح قول کے مطابق کافر ہے اور ان لوگوں کو کافر کہنا ضروری ہے جو کہ حضرت عثمان، علی، طلحہ، زبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتا ہے۔

(۷)......زیدیہ فرقہ کے لوگ کافر ہیں اس لئے کہ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ عجم میں سے پیغمبر آئے گا اور وہ اس آخری پیغمبر کے دین کو منسوخ کرے گا۔

(۸)......ان رافضیوں کو کافر کہنا بھی ضروری ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مردے دنیا کی طرف لوٹیں گے اور وہ تناسخ ارواح اور انتقال ارواح کے قائل ہیں اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ باطنی امام نکلیں گے اور امر ونہی اس وقت تک معطل رہے گی یہاں تک کہ امام باطن نکلے۔

(۹)......اور جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وحی آنی تھی یہ لوگ ملت اسلام سے خارج ہیں ان کے احکام مرتدین کے ہیں۔

(فتاویٰ ہندیہ: ۲/۲۶۴)

{۱۲}......آنحضرت محمد ﷺ سے متعلق کلمات کفر

(۱)......اگر کسی آدمی کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو برا کہے یہ تین قسم پر ہے:

(الف) ایک تو یہ ہے کہ وہ آدمی یہ کہے کہ میرے دل میں کچھ خیال نہیں گذرا سوائے اس کے کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کو صرف زبان سے برا کہا جیسا کہ انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا اور میں اس پر راضی نہیں تھا تو اس طرح کہنے سے وہ کافر نہیں ہوگا، اسی طرح سے اس پر جبر کیا جائے کہ وہ کلمہ کفر منہ سے نکالے اس نے کلمہ کفر کو زبان سے بولا اور دل ایمان سے مطمئن تھا تو یہ شخص بھی کافر نہیں ہوتا۔

(ب) دوسرا اس طرح کہ اگر وہ شخص کہے کہ میرے دل میں ایک شخص کا خیال گذرا جو نصرانی ہے اور اس کا نام محمد ﷺ ہے اور میں نے اس کو برا کہنے کا ارادہ کیا اس میں بھی کافر نہیں ہوتا۔

(ج) وہ اس طرح کہے کہ میرے دل میں ایک شخص کا خیال گذرا جو نصاریٰ میں سے ہے، اور اس کا نام محمد ﷺ ہے پس میں نے اس نصرانی کو برا نہیں کہا بلکہ محمد ﷺ کو برا کہا تو اس طرح کافر ہو جاتا ہے یہ قضاءً بھی کافر ہے اور عند اللہ بھی کافر ہے۔

(۲)......جس نے یہ کہا کہ محمد ﷺ مجنون تھے وہ کافر ہو جائے گا اور اگر یہ کہا کہ جناب آنحضرت ﷺ بے ہوش ہو گئے تھے تو کافر نہ ہوگا۔

(۳)......اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر آدم گندم نہ کھاتے تو ہم بد بخت نہ ہوتے تو یہ کافر ہو جائے گا۔

(۴)......جس نے متواتر روایت کا انکار کیا وہ بھی کافر ہے اور جس نے مشہور روایت کا انکار کیا تو بعض نے کہا وہ کافر ہو جاتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ گمراہ ہے کافر نہیں ہے جس نے خبر واحد کا انکار کیا وہ کافر نہیں مگر گناہ گار ہے۔

(۵)......اگر کوئی یہ تمنا کرے کہ فلاں شخص پیغمبر نہ ہوتا، علماء نے کہا کہ اگر اسکی مراد یہ ہے کہ اگر اسکا نبی ہونا خارج از حکمت نہ ہوتا کافر نہیں ہوگا اور اگر اس سے عداوت او رتوہین کا ارادہ کیا تو کافر ہو جائے گا۔

(۶)......اگر ایک شخص نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کدو کو پسند کرتے تھے سننے والے نے یہ کہا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا تو وہ کافر ہو جاتا ہے اس کو اسی طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے، بعض متاخرین کا قول یہ ہے کہ اگر بطریق اہانت کہا تو کافر ہوگا ورنہ نہیں۔

(۷)......اگر کسی نے یہ کہا کہ آدم نے کپڑا بنا تھا تو ہم سب جولاہے کی اولاد ہوئے تو یہ کفر ہے۔

(۸)......اگر کسی نے کہا کہ حضور ﷺ جب کھانا کھاتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے سننے والے نے کہا کہ انگلیاں چاٹنا بے ادبی ہے تو یہ کفر ہے۔

(۹)......اگر کسی نے یہ کہا کہ کسانوں کی رسم بڑی عجیب ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور ہاتھ نہیں دھوتے، اگر تحقیر سنت کے طور پر کہا تو کافر ہو گیا۔

(۱۰)......اگر یہ کہا کہ یہ کیا طریقہ ہے کہ مونچھیں پست کرتے ہیں اور پگڑی کلے کے نیچے لاتے ہیں اگر اس شخص نے سنت پر طعن کرتے ہوئے کہا تو کافر ہو گیا۔

(۱۱)......اگر کسی نے کچھ بات کی اس کو دوسرے نے کہا جھوٹ کہتا ہے اگر چہ سب بات پیغمبرانہ ہو تو اس سے کفر لازم آتا ہے۔

(۱۲)......اگر اس نے کہا کہ میں اس کی بات نہیں مانوں گا اگر یہ سب پیغمبرانہ ہے یا اس طرح کہا کہ سب رسولوں کی بات ہے یا فرشتے مقربین کی ہے اور اگر وہ انجان ہے تو فی الحال کافر ہو جائے گا۔

(۱۳)......ایک شخص نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے غلام کو مارے تو دوسرے شخص نے کہا اس کو نہ مارو تو یہ کہنے لگا کہ محمد بھی کہیں مت مارو! تو بھی اس کو نہ چھوڑوں گا یا اس طرح کہ اگر آسمان سے آواز آئے کہ مت مارو تو بھی میں ماروں گا تو اس سے کفر لازم آتا ہے۔

(۱۴)......ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث پڑھی دوسرے نے فارسی میں اس طرح کہا ہمہ روز خلشہا ءخواند (کہ ہر روز خلش کی باتیں پڑھتے ہو) اگر اس نے پڑھنے والے کی طرف نسبت کی حضور ﷺ کی طرف نسبت نہیں کی تو پھر دیکھیں گے کہ وہ روایت جو پڑھی گئی اگر اس کا تعلق احکام شریعت سے تھا تو یہ شخص کافر ہوگا اور اگر روایت ایسی ہے جس کا تعلق دین کے احکام یا عقائد سے نہیں تو پھر اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے قول سے یہ مراد لیا جائے

گا کہ اس کے علاوہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

(۱۵)......اگر ایک شخص نے کہا بحرمت جوانک عربی اور اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۱۶)......اگر ایک شخص نے حضور ﷺ ایک وقت میں پیغمبر ہوتے تھے اور ایک وقت میں پیغمبر نہ ہوتے تھے، یا یہ کہا کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت نبی اکرام ﷺ قبر میں مؤمن ہیں یا کافر تو یہ کہنے والا کافر ہے۔

(۱۷)......اگر ایک شخص نے بیوی کو یہ کہا کہ اس بات کے خلاف مت کہو تو وہ عورت کہنے لگی پیغمبروں نے بھی خلاف کہا ہے تو یہ کلمہ کفر کا ہے یہ شخص توبہ کرے اور تجدید نکاح کرے۔

(فتاویٰ عالم گیری: ۲/۲۶۴)

{۱۳}......فرشتوں کے متعلق کلمات کفر

(۱)......اگر کسی نے کہا کہ مجھے تیرا دیکھنا ملک الموت کی طرح ہے تو یہ بڑی عظیم غلطی ہے بعضوں نے اسے کافر قرار دیا ہے اور اکثر نے کہا کہ یہ کافر نہیں اور فتاویٰ خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر ملک الموت کی عداوت کی بنیاد پر یہ جملہ کہا تو کافر ہو گیا اور اگر موت کی طبعی کراہت کی وجہ سے کہا تو پھر کافر نہیں ہوا۔

(۲)......اگر کسی نے کہا کہ میں فلاں کے منہ کو اسی طرح دشمن رکھتا ہوں جیسا کہ ملک الموت کے منہ کو تو اکثر مشائخ اس کی تکفیر کے قائل ہیں۔

(۳)......اگر اس طرح کہے کہ میں فلاں کی گواہی نہیں سنتا اگر چہ وہ جبرائیل ومیکائیل ہی کیوں نہ ہوں تو کافر ہو جاتا ہے۔

(۴)......اگر ایک شخص نے فرشتوں مین سے ایک کو عیب لگایا تو وہ کافر ہو گیا۔

(۵)......اگر اپنے متعلق کہا کہ میں فرشتہ ہوں تو کافر نہیں ہوتا۔

(۶)......اگراس طرح کہا کہ میں نبی ہوں تو کافر ہو جائے گا۔

(۷)......اگر ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا کہ گواہ موجود نہ تھے تو اس نے کہا میں خدا اور حضرت رسول ﷺ کو گواہ بناتا ہوں یا اس طرح کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو وہ کافر ہو گیا۔

(۸)......اگراس طرح کہا کہ دائیں طرف والے فرشتے اور بائیں طرف والے فرشتہ کو گواہ بناتا ہوں تو کافر نہ ہو گا۔ (فتاویٰ عالم گیری: ۲۶۶/۲)

{۱۴}......قرآن کریم سے متعلق کلمات کفر

(۱)......جس نے قرآن کریم کو مخلوق کہا وہ کافر ہے۔

(۲)......اگر کسی نے قرآن کریم کی کسی ایک آیت کا انکار کیا یا مذاق اڑایا یا قرآن پر عیب لگایا وہ کافر ہو گیا۔

(۳)......جو کوئی قرآن کریم کی تلاوت دف بجا کر اور بانسری (ڈھولک کی) تھاپ پر کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۴)......اگر ایک آدمی قرآن کریم پڑھتا تھا دوسرے نے کہا یہ کیا طوفانی آواز ہے تو یہ کلمہ کفر ہے۔

(۵)......اگر کوئی شخص کہے میں نے بہت قرآن کریم پڑھا مگر ہمارے گناہ نہ بخشے گئے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۶)......اگر کسی نے کہا **"قل ھو اللہ"** را پوست باز کردی۔ **"قل ھو اللہ"** کا تو چمڑہ ادھیڑ دیا، یا اس طرح کہا **"الم نشرح"** را گریبان گرفتہ کہ تو نے **"الم نشرح"** کا گریبان پکڑ لیا یا اس شخص کو جو کسی بیمار کے پاس سورہ یٰسین پڑھتا ہے، کہا یٰسین را در دہان مردہ منہ، یٰسین کو مردہ کے منہ میں مت رکھو، یا کہا اے! کوتاہ تر از **"اعطیناک الکوثر"** کہ اے **"انا اعطیناک"** سے زیادہ کوتاہ اس قرآن کریم پڑھنے والے کو کہا جس کو ایک کلمہ بھی یاد نہیں تھا۔ **"والتفت الساق بالساق"**

کہ تیری تو پنڈلی پنڈلی سے لپٹ گئی، یا پیالہ بھر کر لایا اور کہنے لگا: **"کاساًدهاقا"** اور چھلکتے ہوئے پیمانے (سورۃ انبیاء) یا **"فکانت سرابا"** بطور مزاح غلہ ماپنے اور تولنے کے وقت کہنے لگا: **"واذا کالوهم اووزنوهم یخسرون"** جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پوری پوری لیتے ہیں اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ بطریق مزاح کے کہا یا کسی سے اس نے اس طرح کہا کہ تو نے **"الم نشرح"** اے پیغمبر! کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا۔ (سورۃ الم نشرح) کی پگڑی باندھ لی ہے اور اس کی مراد یہ تھی کہ تو نے علم کا اظہار کیا ہے یا ایک جگہ کے لوگ جمع ہوئے تو اس نے کہا **"فجمعناهم جمعا"** تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کریں گے۔ (سورۃ الکھف) یا یہ کہا: **"وحشرناهم فلم نغادر منهم احداً"** اور ہم ان سب کو گھیر کر اکھٹا کریں گے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ (سورۃ الکھف) یا کسی سے کہا کہ تو **"والنازعات غرقاً"** قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی روح) سختی سے کھینچتے ہیں۔ (سورۃ النازعات) تو نون کے زبر یا پیش کیساتھ کیوں پڑھتا ہے اور اس کا مقصد طنز کرنا تھا یا کسی گنجے آدمی سے کہا کہ میں تو تجھے اس لئے برا کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **"کلا بل ران"** یا کسی کو نماز باجماعت کیلئے بلایا گیا تو اس نے کہا کہ میں اکیلا اور تنہا نماز پڑھتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"ان الصلاة تنهی..."**

تو ان تمام صورتوں میں کافر ہو جاتا ہے۔

(۷)......اگر کسی نے کہا کہ تو نے گھر ایسا صاف کیا ہے جیسا **"والسماء والطارق"** قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والی کی۔ (سورۃ الطارق) بعض نے کہا کہ وہ کافر ہو گیا مگر امام ابوبکر بن اسحٰق نے کہا کہ اگر یہ کہنے والا جاہل ہے تو کافر نہ ہوا اور اگر عالم ہے تو کافر ہو گیا۔

(۸)......اور اگر کسی نے کہا تو نے گھر صاف کیا جیسا کہ **"قاعاً صفصفاً"** ہموار چٹیل میدان۔ (سورۃ طٰہ) تو کافر ہو گیا۔ یہ بڑا پرخطر جملہ ہے۔

(۹)......اگر دیگ میں کچھ لگا رہ گیا اس وقت کہنے لگا: **"والباقیات الصالحات"** اور جو نیکیاں پائیدار

رہنے والی ہیں ۔(سورۃ الکہف) تو یہ بھی بڑا خطرناک جملہ ہے۔

(۱۰)......اگر کسی نے کہا کہ قرآن کریم عجمی ہے تو وہ کافر ہو گیا۔

(۱۱)......اگر اس نے یہ کہا قرآن کریم میں ایک کلمہ عجمی ہے تو یہ قابل غور بات ہے۔

(۱۲)......اگر یہ کہا کہ تو قرآن کریم نہیں پڑھتا اس نے جواب میں کہا کہ میں قرآن کریم سے بیزار ہو چکا ہوں تو اس کی تکفیر کی جائے۔

(۱۳)......اگر کسی آدمی کو قرآن کریم کی کئی ایسی سورتیں یاد ہیں جس کو وہ بکثرت پڑھتا رہتا ہے، کسی دوسرے نے اس کو کہا تو نے اس سورت کو بہت برا پکڑا ہے تو وہ اس کہنے سے کافر ہو گیا۔

(۱۴)......اگر کسی شخص نے قرآن کریم کو فارسی میں نظم کیا تو اس کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ وہ کافر ہو گیا۔

(فتاویٰ عالمگیری: ۲/۲۶۶)

{۱۵......نماز سے متعلق کلمات کفر

(۱)......اگر کسی نے کسی بیمار مسلمان سے کہا کہ تو نماز پڑھ لے اس نے اس کے جواب میں کہا واللہ میں نماز کبھی نہ پڑھوں گا اور موت تک اس نے نماز نہ پڑھی تو وہ کافر ہو گیا اور اگر اس نے یہ کہا میں نماز نہیں پڑھتا تو اس میں چار احتمال ہیں:

(الف)......ایک یہ ہے کہ میں نماز نہیں پڑھتا کیونکہ میں پڑھ چکا ہوں۔

(ب)......میں اس لئے تیرے حکم سے نہیں پڑھتا کیونکہ تجھ سے بہتر ہے وہ حکم کر چکا۔

(ج)......میں نماز نہیں پڑھتا یہ فسق میں بے باکی کی وجہ سے کہا تو ان تینوں صورتوں میں وہ کافر نہ ہوگا۔

(د)......میں نماز نہیں پڑھتا اس لئے کہ نماز مجھ پر واجب نہیں ہے اور نہ مجھے اسکا حکم دیا گیا ہے پس اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے مطلق طور پر کہا کہ میں نماز نہیں پڑھتا تو ان وجوہ کی بناء پر کافر نہ ہوگا۔

(۲)......اگر کسی کو کہا گیا کہ نماز پڑھ لے، اس نے جواب میں کہا کیا میں پاگل ہوں جو نماز پڑھوں اور اپنے اوپر کام کو بڑھاؤں یا اس نے کہا بہت عرصہ گذرا کہ میں نے بے کار کام نہیں کیا یا اس طرح

کہا کہ یہ کام پورا کرنا کس کی طاقت ہے، یا اس طرح کہا کہ عقل مند کو تو ایسے کام میں نہ پڑنا چاہئے، جس کو آخر تک نبھانہ سکے یا یہ کہا کہ میرے لئے اورلوگ کر لیتے ہیں (یعنی نماز پڑھ لیتے ہیں) یا کہنے لگا نماز پڑھنے سے کچھ ذمہ نہیں آتا یا کہا کہ تو نے نماز پڑھ لی کیا سر بلندی پالی یا کہا کہ میں نماز کس لئے پڑھوں میرے ماں باپ تو مر چکے ہیں یا کہنے لگا نماز پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے۔ یا کہنے لگا کہ نماز اس قدر پڑھ چکا ہوں کہ دل اکتا گیا ہے، یا کہنے لگا کہ نماز چیزے نیست کہ اگر نماز نماند گندہ شود، کہ نماز ایسی چیز نہیں کہ پڑی رہے تو خراب ہو جائے گی، یہ تمام کلمات کفر ہیں۔

(۳)......اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ آؤ فلاں حاجت کے لئے ہم نماز پڑھیں، اس نے کہا میں نے بہت نماز پڑھی میری کوئی حاجت پوری نہیں ہوئی، اگر اس نے یہ بات بطور طنز و استخفاف کے کہی تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۴)......اگر ایک فاسق آدمی نمازیوں کو خطاب کر کے کہے آؤ مسلمانی دیکھو اور فسق کی مجلس کی طرف اشارہ کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۵)......اگر کوئی یہ کہے کہ بے نمازی ہونا بہت اچھا کام ہے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

(۶)......اگر کسی نے دوسرے کو کہا کہ نماز پڑھو تا کہ تمہیں طاعت کی مٹھاس میسر ہو یا فارسی میں کہے کہ نماز بخواں تا حلاوۃ نماز یابی، اس کے جواب میں اس نے کہا تو ممکن کہ حلاوت بے نمازی بہ بینی، تو بھی تم نماز نہ پڑھ تا کہ بے نمازی ہونے کی تو لذت دیکھے، تو اس طرح کہنے سے کافر ہو جائے گا۔

(۷)......اگر کسی نے غلام کو کہا کہ نماز پڑھ اس نے کہا میں نہیں پڑھتا اس لئے کہ اس کا ثواب میرے آقا کو ملے گا تو وہ اس طرح کہنے سے کافر ہو جائے گا۔

(۸)......اگر ایک شخص سے کسی نے کہا کہ نماز پڑھ لے، اس نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مال کا نقصان کیا، پس میں اس کے حق میں کمی کروں گا تو یہ کلمہ کفر ہے۔

(۹)......اگر ایک شخص صرف رمضان میں نماز پڑھتا ہے پھر بعد میں نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ یہی بہت ہے یا کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہو جائے گی، اس لئے کہ رمضان کی ہر نماز ستر نمازوں کے برابر

ہے تو وہ اس طرح کہنے سے کافر ہو جائے گا۔

(۱۰)......اگر کوئی جان بوجھ کر قبلہ کے علاوہ اور کسی طرف رخ کر کے نماز پڑھے مگر اتفاقاً وہ قبلہ تھا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ کافر ہوگیا۔فقیہ ابو اللیث کا عمل اسی پر ہے۔

(۱۱)......اسی طرح اگر کوئی بلا وضو نماز پڑھے یا نجس و پلید کپڑوں میں قصداً نماز پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے۔

(۱۲)......اگر کسی نے تحری کی یعنی غور وفکر کیا کہ قبلہ کس طرف ہے؟ دل نے مان لیا کہ قبلہ اس طرف ہے پھر اس نے اس طرف کو چھوڑ کر دوسری طرف منہ کر کے نماز پڑھی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے متعلق کفر کا خوف رکھتا ہوں اس لئے کہ اس نے قبلہ سے اعراض کیا، دوسرے مشائخ کا اس کے کفر میں اختلاف ہے، شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے قبلہ چھوڑ کر بطور استہزا اور اہانت دوسری طرف نماز پڑھی تو ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر ایسی صورت میں کسی وجہ سے مبتلا ہوگیا مثلاً کچھ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتا تھا کہ اسے بے وضو کی حالت پیش آگئی اور شرم کے مارے اس نے سوچا کہ ظاہر نہ ہو، چنانچہ چھپانے کے لئے بلا وضو نماز پڑھتا رہا یا دشمن کے پاس تھا اور اس نے کھڑے ہو کر اس حالت میں نماز ادا کی کہ وہ پاک نہ تھا بعض مشائخ نے یہ کہا یہ اس صورت میں وہ کافر نہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے ایسا بطور استہزاء نہیں کیا، اگر کوئی شخص ضرورت یا حیاء کی وجہ سے ایسی صورت میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے اس قیام سے نماز کے قیام کا ارادہ نہ کرے اور نہ کچھ پڑھے جب ان کے ساتھ رکوع میں جھکے تو وہ رکوع کا ارادہ نہ کرے اور نہ اس میں تسبیح پڑھے تا کہ بالاجماع وہ کافر نہ ہو۔

(۱۳)......نجس کپڑوں میں نماز ادا کرنے سے بعض علماء کہتے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا۔

(۱۴)......اگر کسی شخص نے کہا کہ نماز تو فرض ہے مگر رکوع اور سجدہ فرض نہیں تو اس طرح کہنے سے کافر نہ ہوگا، اس لئے کہ اس میں تاویل کی گنجائش ہے کہ نماز سے میری مراد نماز جنازہ تھی، جس میں رکوع اور سجدے فرض نہیں ہیں لیکن اگر کوئی رکوع اور سجدوں کی فرضیت کا بالکل ہی انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ اگر صرف دوسرے سجدے کی فرضیت کا بھی انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اس لئے کہ اس نے اجماع اور تواتر کو رد کیا۔

(۱۵)......اگرکسی نے کہا کہ اگرکعبہ مکہ مکرمہ قبلہ نہ ہوتااوراس جگہ بیت المقدس قبلہ ہوتا تو بھی میں کعبہ ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتااوربیت المقدس کی طرف منھ کر کے نہ پڑھتایااس طرح کہ کہ اگر فلاں قبلہ ہوتا تو میں اس کی طرف منھ نہ کرتایااس طرح کہا اگرفلاں جانب کعبہ ہوتا تو میں اس طرف منہ نہ کرتایااس طرح کہا کہ قبلے دو ہیں ایک کعبہ دوسرا بیت المقدس توان تمام صورتوں میں وہ کافر ہو جائے گا،ابراہیم بن یوسف نے کہا اگر ریا کاری کے لئے نماز پڑھے تو اسکو ثواب نہ ملے گابلکہ اس کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جائے گا،بعضوں نے کافر کہااوربعض نے کہا کہ اس صورت میں اس پر نہ گناہ ہے اور نہ اس کے لئے ثواب بلکہ وہ اس شخص کی طرح ہے کہ جس نے نماز نہ پڑھی ہو۔

(۱۶)......اگرکوئی شخص کسی کافر کے پاس آیااورایک دووقت کی نماز نہیں پڑھی اگراس نے یہ سب کافر کی تعظیم کی وجہ سے کیا تو کافر ہو گیا،اوراس پران نمازوں کی قضا نہیں ہے۔

(۱۷)......اگرایک شخص نے دارالاسلام میں اسلام قبول کیاایک ماہ بعداس سے پنج وقتہ نماز کے متعلق سوال کیا گیااس نے جواب میں کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ پرفرض ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، البتہ اگروہ نومسلموں میں رہتا ہے تو وہ کافر نہ ہوگا۔

(۱۸)......اگرکوئی مؤذن سے اذان کے وقت کہے تو نے جھوٹ کہا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۱۹)......اگرمؤذن کی اذان سن کراس نے کہا کہ یہ شور غل ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۲۰)......اگراذان سن کر کہے کہ یہ گھنٹی بجنے کی آواز ہے تو وہ کافر ہے۔(فتاویٰ عالم گیریہ:۲۶۷/۲)

{۱۶}......زکوۃ سے متعلق کلمات کفر

(۱)......اگرکوئی شخص کہے کہ تم زکوۃ ادا کروو ہ یہ سن کر کہے کہ میں ادا نہیں کرتا تو وہ اس کے کہنے سے کافر ہو جائے گا،بعض علماء نے کہا کہ اس جواب سے مطلقاً کافر ہو جائے گا،بعض نے کہا کہ اموال ظاہرہ میں اس طرح کہنے سے کافر ہو جائے گا،مگر اموال باطنہ میں اس کے اس جواب سے وہ

کافر نہیں ہوگا۔ (عالمگیریہ: ۲/۲۶۹)

{۱۷}......رمضان سے متعلق کلمات کفر

(۱)......اگر کوئی شخص یہ ہے کہ کاش رمضان فرض نہ ہوتا تو اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ کہنے والے کی نیت پر موقوف ہوگا اگر اس نیت سے کہا کہ رمضان کے حقوق اس سے ادا نہیں ہوسکتے تو کافر نہیں ہوگا۔

(۲)......اگر کوئی رمضان کی آمد پر یہ کہے کہ بھاری مہینہ یا بھاری مہمان آیا تو وہ کافر ہوگا۔

(۳)......جب رجب کا مہینہ آیا اور کسی نے کہا کہ اس کے بعد خرابی میں مبتلا ہوں گے اگر اس نے محترم مہینوں کے لئے یہ حقارت کے طور پر کہا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اپنے نفس پر گرانی ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے تو وہ کافر نہ ہوگا۔

(۴)......اگر ایک شخص نے کہا کہ رمضان کا روزہ جلد گذر جائے تو بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا، بعض علماء کہتے ہیں کہ کافر نہ ہوگا۔

(۵)......اگر کوئی کہے کہ چند از یں روزہ کہ مرا دل بگرفت یعنی اتنے روزے کب تک! میرا تو دل اس سے اکتا گیا ہے تو اس کا یہ کہنا کفر ہے۔

(۶)......اسی طرح کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے طاعت کو ہمارے لئے عذاب بنا دیا ہے اگر اس جملہ کی تاویل کی تو کافر نہ ہوگا، یا اسی طرح کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان طاعات کو ہمارے لئے فرض نہ کرتا تو بہتر ہوتا۔ اگر اس جملہ کی تاویل کی جائے تو کافر نہ ہوگا۔

(۷)......اگر کوئی کہے کہ نماز میرے لائق نہیں یا حلال میرے مناسب نہیں یا اس طرح کہا کہ کس لئے میں نماز ادا کروں کہ بیوی بچے تو میں رکھتا ہی نہیں یا اس طرح کہے کہ نماز کو میں نے طاق پر رکھ دیا تو ان تمام صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔ (عالمگیریہ: ۲/۲۶۹)

{۱۸}......علم وعلماء سے متعلق کلمات کفر

(۱)......جس آدمی نے عالم سے کسی ظاہری سبب کے بغیر بغض رکھا اس پر کفر کا فتویٰ ہے۔

(۲)......صلح کرانے والے عالم کو کہا کہ میرے لئے اس کو دیکھنا سور کو دیکھنے کی طرح ہے اس پر بھی کفر کا خدشہ ہے اسی طرح وہ کسی عالم یا فقیہ کو برا کہے اس کی کوئی ظاہری وجہ نہ ہو تو اس کے کافر ہونے کا خطرہ ہے۔

(۳)......اور اس طرح کہنے سے کہ ''تیرے علم کی مقعد میں زید کا ذکر'' علم سے اگر علم دین مراد ہے تو کافر ہوگیا۔

(۴)......ایک جاہل علم سیکھنے والے سے کہنے لگا علم سیکھنے والے داستانیں سیکھتے ہیں یا جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ میرے وہاں فریب و دھوکہ ہے یا اس طرح کہا کہ میں علم حیلہ کا منکر ہوں یہ سب کفر ہے۔

(۵)......اگر کوئی شخص بلند جگہ بیٹھا اور دوسرے لوگ بطور مذاق مسائل دریافت کریں اور پھر وہ اسے تکیوں سے ماریں اور ہنستے جائیں تو وہ تمام کافر ہو جاتے ہیں۔

(۶)......اگر بلند جگہ تو نہیں بیٹھا مگر ایک شخص مجلس علم سے آرہا تھا اسے ایک اور شخص نے کہا کہ یہ بت خانے سے آرہا ہے تو کافر ہو جاتا ہے۔

(۷)......اگر اس طرح کہا کہ مجھے مجلس علم سے کیا کام یا اس طرح کہا کہ کس کو اس چیز کی ادائیگی پر قدرت ہے جو یہ علماء کہتے ہیں، تو کافر ہو جاتا ہے۔

(۸)......اگر اس طرح کہا کہ علم کو پیالہ اور جیب میں نہیں رکھ سکتا، یعنی علم اس لائق نہیں کہ کھانے کے برتن یا پیالہ وغیرہ میں رکھا جائے اور نہ ہی اس لائق ہے کہ پیسوں کی تھیلی میں رکھا جائے تو کافر ہو جائے گا۔

(۹)......اس طرح کہنے لگا کہ مجھے علم کو کیا کرنا ہے، مجھے تو جیب میں چاندی چاہئے تو کافر ہو جاتا ہے۔

(۱۰)......اگر کوئی یہ کہے کہ مجھ کو اولاد اور بیوی میں اتنی مشغولیت ہے کہ مجلس علم میں میں نہیں جا سکتا تو یہ

انتہائی خطرناک بات ہے اگر اس کے ساتھ علم کی اہانت کا ارادہ کرتا ہے یا کوئی یوں کہے کہ علم کا جاننا اس وقت آسان ہے کہ جب کوئی علم کی بات یا روایت یا کوئی حدیث صحیح صاحب علم ذکر کرے دوسرے نے یہ کہا کہ یہ کچھ نہیں تو روپیہ دے یا یہ کہا اس کلام کا کیا فائدہ آج کل تو عزت چاہئے اور وہ روپے کی ہے علم کس کام کا تو یہ کفر ہے۔

(۱۱)......اگر یہ کہا کہ فساد کرنا بہتر ہے علم کی ان باتوں سے پس یہ کفر ہے

(۱۲)......ایک عورت نے کہا عقلمند علم والے خاوند پر لعنت تو وہ کافرہ ہوگئی۔

(۱۳)......ایک آدمی نے یہ کہا کہ علماء کے افعال کا کھیل تو وہی ہیں جو کافروں کے ہیں وہ شخص کافر ہوا بعضوں نے کہا کہ یہ اس وقت کافر ہوتا ہے کہ جب اس کا ارادہ یہ ہو کہ تمام افعال ان کے مطابق یعنی کافروں کے مطابق ہیں۔

(۱۴......حق و باطل کی بات چیت چل رہی تھی تو ایک عالم نے کوئی شرعی وجہ بیان کی تو اس پر مخالف جھگڑنے والے نے یہ کہا کہ یہ کوئی عقلمندی کی بات نہیں کہ تو یہ پیش کرے یہ یہاں نہیں چلے گی تو اس پر کفر کا خوف ہے۔

(۱۵)......اگر ایک عالم کو کہا اے دانشمندک/ یا عقل والے کو کہا کہ اے علو یک تو اس سے کافر نہ ہوگا بشرطیکہ اس کی نیت دین کی توہین کی نہ ہو۔

(۱۶)......ایک عالم نے ایک کتاب ایک دکان میں رکھی اور وہ چلا گیا پھر اس کا گذر اس دکان پر ہوا تو وہ دکاندار اس سے کہنے لگا اپنا بسولہ یہیں بھول گیا (لکڑی چھیلنے کا آلہ) عالم نے کہا کہ میری کتاب تیری دکان میں ہے بسولہ نہیں تو دکاندار کہنے لگا کہ بڑھئی بسولے کے ذریعہ لکڑی چھیلتا ہے اور کاٹتا ہے اور تم کتاب کے ذریعہ سے لوگوں کے گلے کاٹتے ہو اس عالم نے امام ابو بکر بن فضل کے سامنے اس کا شکوہ کیا تو انہوں نے حکم دیا کہ اس آدمی کو قتل کیا جائے۔

(۱۷)......ایک آدمی کو اپنی بیوی پر غصہ آتا ہے وہ اس طرح کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر اور گناہ سے باز رہ تو بیوی کہنے لگی میں اللہ اور علم کو کیا جانوں میں نے اپنے آپ کو دوزخ میں رکھا ہے تو وہ عورت کافرہ ہوگئی۔

(۱۸)......ایک آدمی سے کہا گیا کہ طالب علم ملائکہ کے بازؤوں پر چلتے ہیں تو وہ کہنے لگا یہ جھوٹ ہے تو یہ شخص کافر ہوا۔

(۱۹)......ایک شخص نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قیاس برحق نہیں تو وہ کافر ہوا (کیونکہ اس نے مطلقاً قیاس کے غلط ہونے کا اقرار کیا ہے)

(۲۰)......اگر ایک شخص نے کہا: **"کاس الثرید خیر من العلم"** ثرید کا پیالہ علم سے بہتر ہے تو وہ شخص کافر ہو جائے گا اور اگر یوں کہا: **"کاس الثرید خیر من اللہ"** تو کافر نہیں ہوا اس لئے کہ اس کی تاویل ہو سکتی ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ ثرید کا پیالہ اللہ کی طرف سے بہتر ہے جبکہ پہلے جملہ کی تاویل نہیں ہو سکتی ہے۔

(۲۱)......ایک شخص نے اپنے دشمن سے کہا کہ میرے ساتھ تم شریعت کی طرف چلو اس نے کہا کوئی سپاہی بلالاؤ تب میں چلوں گا بغیر زبردستی کے میں نہیں جا سکتا تو وہ ایسا کہنے سے کافر ہو گیا کیونکہ اس نے شریعت کا مقابلہ کیا۔

(۲۲)......اگر اس نے اس طرح کہا تو میرے ساتھ قاضی کے پاس چل اس نے کہا کہ سپاہی لاؤ تو چلوں گا تو یہ کہنے سے کافر نہ ہوگا۔

(۲۳)......اور اگر یہ کہا کہ میرے ساتھ شریعت اور یہ حیلے بازیاں نہ چلیں گی یا یہ کہا یہ پیش نہ کی جائیں گی یا یہ کہا کہ میرے لئے کھجور کا حلوہ ہے میں شریعت کیا کروں گا تو یہ ساری صورتیں کفر کی ہیں۔ (اس لئے کہ اس سے شریعت کا استخفاف لازم آتا ہے)

(۲۴)......اگر اس طرح کہا کہ جب تو نے چاندی لی تھی تو شریعت اور قاضی کہاں تھے، تو کافر ہو جائے گا، مگر بعض علماء متاخرین نے کہا کہ اگر شہر کا قاضی مراد لیا جائے تو کافر نہ ہوگا۔

(۲۵)......اگر کسی نے کہا کہ شریعت کا حکم اس صورت میں یہ ہے کہ تو سننے والے نے کہا میں تو رسم پر چلونگا شریعت پر نہیں تو کافر ہو جائے گا بعض مشائخ کے نزدیک۔

(۲۶)...... ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو کیا کہتی ہے حکم شرع کا کیا ہے تو اس نے زور سے ڈکار ماری اور کہنے لگی **"اینک شرع را"** تو کافر ہو جائے گی اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

(۲۷)......ایک شخص کے مخالف کے سامنے آئمہ کا فتویٰ پیش کیا گیا تو وہ کہنے لگا چہ بار نامہ فتویٰ آوردہ ای، بعض نے کہا کہ وہ کافر ہو جاتا ہے، (تو کیا فتوؤں کا بوجھ اٹھا کر لے آیا) کیونکہ اس نے حکم شرع کو رد کیا ہے۔

(۲۸)......اسی طرح اگر اس نے کچھ نہ کہا لیکن فتویٰ زمین پر پھینک دیا اور کہنے لگا یہ کیا شریعت ہے تو کافر ہو جائے گا۔

(۲۹)......اگر ایک شخص نے کسی عالم سے اپنی بیوی کی طلاق کے متعلق فتویٰ پوچھا اس نے فتویٰ دیا کہ طلاق واقع ہو گئی تو فتویٰ لینے والے نے کہا میں طلاق ملاق کو کیا سمجھوں میرے گھر میں تو بچوں کے لئے ماں چاہئے تو ایسا کہنے سے کافر ہو جائے گا۔

(۳۰)......دو جھگڑنے والے آئے اور ہر ایک کی طرف ائمہ کا فتویٰ ہے تو ایک کہنے لگا کہ اس طرح نہیں جیسے ائمہ نے فتویٰ دیا ہے یا اس طرح کہنے لگا کہ ہم اس پر عمل نہیں کرتے کہ جیسے انہوں نے فتویٰ دیا تو اس پر تعزیر آئے گی۔ (فتاویٰ عالمگیریہ: ۲/۲۷۰)

{۱۹}......حلال وحرام سے متعلق کلمات کفر

(۱)......جس کسی نے حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا وہ کافر ہو گیا اور اگر حرام کو حلال اپنے سامان بیچنے کے لئے یا جہالت کے اعتبار سے کہہ دیا تو پھر کافر نہ ہوا مگر اس میں بھی شرط یہ ہے کہ وہ حرام لعینہ ہو اور وہ اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو وہ کفر ہے اور اگر وہ حرام لغیرہ ہے تو پھر کفر نہیں۔

(۲)......جو چیز حرام بعینہ ہے اس میں کافر اس وقت ہوتا ہے کہ جب اس چیز کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اگر اس چیز کی حرمت دلیل قطعی سے نہیں بلکہ خبر واحد سے ثابت ہو تو پھر کافر نہ ہوگا۔

(۳)......ایک شخص کو کہا گیا کہ فلاں حلال چیز تمہیں پسند ہے یا دو حرام چیزیں تمہیں پسند ہیں تو وہ کہنے لگا دونوں میں جو جلدی مل جائے تو اس آدمی کے متعلق کفر کا خطرہ ہے۔

(۴)......اسی طرح جب ایک آدمی نے کہا کہ مجھے تو مال چاہئے خواہ حلال ہو یا حرام تو اس کے متعلق بھی

کفر کا خطرہ ہے کہ اگر اس نے کہا کہ جب تک میں حرام پاؤں تو حلال کے پیچھے نہ جاؤں تو کافر نہیں ہوتا۔

(۵)......اگر کسی فقیر کو حرام مال ثواب کی غرض سے دیا اور اس پر ثواب کی امید لگائی تو وہ کافر ہو گیا اور اگر فقیر کو بھی یہ معلوم تھا کہ یہ مال حرام ہے اور اس کے باوجود اس نے وہ مال لے لیا اور دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے آمین کہی تو وہ کافر ہو گیا۔

(۶)......اگر ایک شخص نے یوں کہا کہ حلال کھایا کرو تو اس نے جواب میں کہا کہ مجھے تو حرام بہت پسند ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس کے جواب میں یہ کہا کہ اس دنیا میں کسی ایک حلال خور کو تو لاؤ تاکہ میں اس کو سجدہ کروں تو اس کہنے سے وہ کافر ہو جائے گا۔

(۷)......اگر کسی شخص نے کہا کہ میاں حلال کھایا کرو تو اس نے جواب میں کہا مجھے تو حرام مطلوب ہے تو یہ کافر ہو گیا۔

(۸)......اگر کسی فاسق کے لڑکے نے شراب نوشی کی پھر اس کے رشتہ دار آئے اور اس پر روپے نچھاور کئے وہ سب کافر ہو گئے اگر انہوں نے روپے نچھاور نہیں کئے بلکہ یہ کہا تمہیں مبارک ہو تو تب بھی کافر ہو جائیں گے۔

(۹)......اگر کسی نے یہ کہا کہ شراب کا حرام ہونا قرآن سے ثابت نہیں تو وہ کافر ہو جائیگا۔

(۱۰)......اگر ایک شخص نے کہا کہ شراب کی حرمت تو قرآن سے ثابت ہے اس کے باوجود تو اسے پیتا ہے توبہ کر لے، تو اس نے جواب میں کہا کسے از شیر مادر شکیبد (کیا کبھی کوئی ماں کے دودھ سے بھی صبر کر سکتا ہے) تو اس کہنے سے کافر تو نہ ہوگا اس لئے کہ یا تو یہ استفہام ہے یا پھر شراب اور دودھ میں پسندیدگی کے لحاظ سے برابری کی گئی ہے۔

(۱۱)......اگر کوئی شخص حالت حیض میں اپنی بیوی سے صحبت کو حلال سمجھے تو وہ کافر ہو جائے گا اسی طرح وہ بھی کافر سمجھا جائے گا جو اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کو جائز قرار دے، کتاب نوادر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں وہ کافر نہیں ہوتا اور زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

(۱۲)......اگر ایک شخص نے شراب پی اور پھر کہنے لگا کہ خوشی تو اس شخص کو ہے جو کہ ہماری اس خوشی میں

ہمارا شریک کار ہے اور جس کو ہماری اس خوشی کے اندر ناراضی ہے وہ نقصان میں ہے، اور وہ آدمی خوش نہیں ہے تو یہ شخص کافر ہو جائے گا۔

(۱۳)......اگر کوئی آدمی شراب پینے میں مشغول تھا اور اس وقت اپنے دوستوں سے یہ کہنے لگا بیائید تا یک خوشی بز نیم (کہ آؤ ایک خوشی تو منالیں) تو ایسا کہنے سے یہ کافر ہو جائے گا۔

(۱۴)......اسی طرح اگر شراب پینے میں مشغول ہو اور کہنے لگا میں تو مسلمانی کو ظاہر کر رہا ہوں یا یہ کہنے لگا کہ مسلمانی اس طرح ظاہر ہوتی ہے تو یہ کافر ہو جائے گا۔

(۱۵)......ایک فاسق آدمی نے کہا کہ اگر اس شراب میں سے تھوڑی سے شراب گر پڑے تو جبرئیل اس کو اپنے پر سے اٹھائے گا تو یہ کافر ہو گیا۔

(۱۶)......اگر ایک فاسق آدمی کو یہ کہا گیا کہ تو ہر روز اس حالت میں صبح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کو ایذاء دیتا ہے تو اس نے کہا کہ میں تو بہت اچھا کام کرتا ہوں تو وہ کافر ہو گیا۔

(۱۷)......اگر کسی شخص نے گناہوں کے بارے میں کہا کہ یہ بھی ایک مذہب ہے اور راستہ ہے تو کہنے والا کافر ہو جائے گا، صاحب محیط نے تو یہی قول نقل کیا ہے، البتہ علامہ طیبی نے تجنیس کے اندر اس بات کو ترجیح دی ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا۔

(۱۸)......اگر کوئی شخص گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا اس کو متوجہ کرتے ہوئے کسی نے کہا کہ اللہ سے توبہ کرو تو وہ کہنے لگا کہ میں نے کیا کیا ہے کہ توبہ کروں تو اس سے وہ کافر ہو گیا۔

(۱۹)......جس نے حرام کھانا کھایا اور کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھی تو علامہ مستملی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر فراغت کے بعد **الحمدللہ** کہا تو بعض متاخرین نے اس کے کافر نہ ہونے کا قول کیا ہے۔

(۲۰)......اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی جام شراب لے اور بسم اللہ کہے اور پی جائے تو وہ کافر ہو جائے گا اور یہی حکم زنا کی مباشرت کے وقت قمار بازی کے وقت بسم اللہ کہنے والے کا ہے۔

(۲۱)......اگر دو شخص آپس میں جھگڑا کریں ایک ان میں سے **"لاحول ولاقوۃ الا باللہ"** کہے تو دوسرا اس کو کہے کہ **"لاحول"** کام نہیں آئے گا یا یہ کہا کہ **"لاحول"** کا میں کیا کروں یا اس طرح کہا کہ

''**لاحول**'' بھوک کے لئے کفایت نہیں کرسکتا یااس طرح کہ''**لاحول**'' کو بکاسۂ اندرثرید نہ تواں کرد (''**لاحول**'' کو پیالہ کے ساتھ ثرید میں نہیں ڈالا جاسکتا) یااس طرح کہ''**لاحول**'' بجائے نان سود ندارد تواں تمام صورتوں میں کافر ہوجاتا ہے اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ تسبیح وتہلیل کے سلسلے میں یہ باتیں کہے اور اس کا حکم بھی یہی ہے کہ کوئی ''**سبحان اللہ**'' کہے تو دوسرا یوں کہے تو نے تو ''**سبحان اللہ**'' کی رونق ختم کردی یااس طرح کہا پوست باز کردی (تو نے ''**سبحان اللہ**'' کی کھال اتار دی) یہ کفر ہے۔

(۲۲)......جس وقت کسی کو کہا تم ''**لا الہ الا اللہ**'' کہو اس نے کہا میں ''**لا الہ الا اللہ**'' نہیں کہتا بعض مشائخ نے اس کو کفر کہا ہے بعض نے اس کی تاویل کی ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ میں تیرے حکم سے نہیں کہتا تو کافر نہ ہوا اور بعضوں نے مطلقاً کافر قرار دیا ہے۔

(۲۳)......اگر اس نے کلمہ پڑھنے کے جواب میں یہ کہا بگفتن ایں کلمہ چہ برسر برآوردی تامن گویم (تجھے اس کلمہ سے کیا فائدہ ہوا کہ مجھے کہنے کی دعوت دیتا ہے) تو کافر ہوجائے گا۔

(۲۴)......ایک بادشاہ کو چھینک آئی کسی نے اس کو ''**یرحمک اللہ**'' کہا تو کسی نے ''**یرحمک اللہ**'' کہنے والے کو یہ کہا کہ یہ ''**یرحمک اللہ**'' بادشاہ کے لئے نہیں ہے تو اس سے یہ کہنے والا کافر ہوجائے گا۔ (عالمگیریہ: ۲/۲۷۲)

{۲۰}......قیامت کے دن سے متعلق امور میں کلمات کفر

(۱)......جس نے قیامت یا جنت یا دوزخ یا میزان یا صراط یا نامۂ اعمال کا انکار کیا وہ کافر ہے۔ اسی طرح ''**بعث بعد الموت**'' کا انکار بھی کفر ہے۔

(۲)......اگر ایک شخص نے یہ کہا کہ میں نہیں جانتا کہ یہود ونصاریٰ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے، یا نہیں یا آگ کے ساتھ عذاب دیئے جائیں گے یا نہیں تو وہ کافر ہوگیا۔

(۳)......جنت میں داخلے کے بعد دیدار الٰہی کا انکار یا عذاب قبر کا انکار یا بنی آدم کے حشر کا انکار کرنے سے

کافر ہوجاتا ہے، البتہ یہ کہنے کے ساتھ کہ عذاب وثواب تو روح کو دی جائے گی کافر نہیں ہوگا۔

(۴)......اگر کسی شخص نے گناہ کرنے والے کو کہا کہ گناہ مت کرو کیونکہ اگلا جہاں ہے تو اس نے جواب میں کہا اس جہان کا کس نے بتلایا؟ تو کافر ہوگیا۔

(۵)......اگر کسی شخص کا کسی پر قرضہ ہوگیا اس نے کہا اگر تو نہیں دے گا تو قیامت کو لوں گا، اس نے کہا ''قیامت برمی تابید کیا قیامت قائم ہوگئی؟ اگر اس نے یہ جملہ قیامت کی تحقیر کیلئے کہا تو وہ کافر ہوگیا۔

(۶)......اگر ایک شخص نے کسی پر ظلم کیا، مظلوم نے کہا ''آخر قیامت ہست'' یعنی آخر قیامت بھی ہے تو ظالم نے کہا ''فلاں خر بقیامت اندر'' فلاں گدھا قیامت میں ہوگا تو وہ اس سے کافر ہوگیا۔

(۷)......اگر ایک شخص نے اپنے قرضدار کو کہا کہ میرے پیسے دنیا میں دے دو، قیامت میں روپیہ میسر نہ ہوگا تو قرض دار نے کہا دس اور مجھے دے دو اور اس جہاں میں لے لینا یا اس جہاں میں میں تمہیں دے دوں گا، تو وہ کافر ہوجائے گا۔

(۸)......اگر اس نے اس طرح کہا کہ مجھے حشر سے کیا کام یا یہ کہا کہ میں قیامت سے نہیں ڈرتا تو وہ کافر ہوجائے گا۔

(۹)......اگر اپنے دشمنوں سے یہ کہا کہ میں حشر میں تم سے اپنا حق لوں گا تو اس نے جواب میں کہا کہ اتنے بڑے ہجوم میں تو مجھے کہاں پائے گا تو اس کے متعلق مشائخ کے قول مختلف ہیں، چنانچہ ابو اللیث کہتے ہیں کہ کافر نہ ہوگا۔

(۱۰)......اگر ایک آدمی نے یوں کہا کہ تمام بھلائیاں اس جہاں میں چاہئیں اس جہاں میں جو ہوگا سو ہوگا تو اس کہنے سے وہ کافر ہوجائے گا۔

(۱۱)......اگر ایک شخص نے کہا کہ دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ دو تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نقد کو ادھار کے بدلے نہیں چھوڑ سکتا تو وہ شخص کافر ہوگیا۔

(۱۲)......جو آدمی اس جہاں میں خیر وعافیت کے ساتھ ہو وہ اس جہاں میں جیب کترے کی طرح ہوگا، امام ابو بکر کہتے ہیں کہ یہ آخرت کے ساتھ تمسخر کے مترادف ہے اس لئے کہنے والے کے کفر کا باعث ہے۔

(۱۳)......اگر کہا تیرے ساتھ دوزخ میں جاؤں گا لیکن اندر نہیں آؤں گا تو کافر ہوگیا۔

(۱۴)......اگر اس طرح کہا کہ جب تک رضوان کے لئے کچھ نہ لے جائے گا تو وہ تیرے لئے بہشت کے دروازے نہیں کھولے گا تو وہ کافر ہوگیا۔

(۱۵)......کسی شخص نے امر بالمعروف کرنے والے کو کہا کہ تو نے کیا شور مچا رکھا ہے اور اگر بطور رد وانکار کے کہا تو اس کے بارے میں کفر کا خطرہ ہے۔

(۱۶)......اگر ایک شخص نے کسی کو کہا کہ فلاں کے گھر جا اور اس کو امر بالمعروف کر اس نے کہا میرا اس نے کیا کیا ہے؟ یا اس طرح کہا مجھے اس سے دکھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے، یا اس طرح کہا کہ میں نے عافیت اختیار کی ہے مجھے اس فضولی سے کیا کام؟ تو یہ تمام الفاظ کفریہ ہیں۔

(۱۷)......اگر تعزیت والے کو کہا: ہر چہ از جان وے بکاست، برجاں تو زیادہ باد، جو کچھ اس کی جان سے گھٹا خدا کرے وہ تیری جان میں بڑھ جائے تو کہنے والے کے متعلق کفر کا خطرہ ہے۔

(۱۸)...... یا اس طرح کہا برجان تو زیادہ کناد، تو یہ غلطی اور جہالت ہے اسی طرح، از جان فلاں بکاست بجان تو پیوست۔

(۱۹)......اور اگر اس طرح کہا ''وے مرد وجاں بتو سپرد'' یعنی وہ تو مرگیا اور جان تیرے حوالے کر گیا، تو اس سے کافر ہو جاتا ہے۔

(۲۰)......اگر ایک شخص اپنی بیماری سے اچھا ہوا تو دوسرے شخص نے کہا: ''فلاں خر باز فرستاد یعنی فلاں گدھا واپس بھیج دیا گیا تو یہ کفریہ کلام ہیں۔

(۲۱)......ایک شخص شدید بیمار ہوا اور اس کی بیماری شدید تر ہوگئی اور بہت طویل ہوئی جس کی وجہ سے مریض کہنے لگا کہ اگر تو چاہے تو مجھے مسلمان مارے اور چاہے تو مجھے کافر مارے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔

(۲۲)......ایک آدمی کئی مصیبتوں میں گرفتار ہوا۔ پھر اللہ کو یوں کہنے لگا تو نے میرا مال بھی لے لیا، تو نے میرا بیٹا بھی لے لیا، تو نے ایسا ویسا بھی کر دیا، بس اب تو کیا کرتا ہے، اور باقی کیا رہ گیا جو تو نے نہیں کیا تو یہ سب کفریہ الفاظ ہیں۔ (عالمگیریہ: ۲/۲۷۴)

{۱۶}......تلقین کفر سے متعلق چند کلمات کفر

اس میں تلقین کفر، اورامر ارتداد وکلمات کفریہ سکھانے، مشابہت کفار، اقرار صریح یا کنائی وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

(۱)......ایک آدمی نے دوسرے کو کفر کا کلمہ سکھایا تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے اگر چہ وہ بطور ہنسی مذاق کے سکھائے۔

(۲)......اگر کوئی شخص کسی عورت کو مرتد ہونے کا حکم دے تا کہ وہ عورت اس سے علیحدگی اختیار کرلے تو یہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ یہ ابو یوسف کی روایت ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے کسی کو کافر ہونے کا حکم دیا تو وہ اسی وقت کافر ہو جاتا ہے خواہ اس کے کہنے سے مخاطب کافر ہو یا نہ، ابو اللیث کہتے ہیں اگر کسی نے دوسرے کو کلمہ کفر سکھایا یا مرتد ہونے کا حکم کیا تو یہ اسی وقت کافر ہو جاتا ہے۔

(۳)......اسی طرح جس نے کسی عورت کو کفر کا کلمہ سکھایا تو وہ سکھانے والا اسی وقت کافر ہو جاتا ہے جب وہ عورت کو ارتداد کا حکم کرے۔

(۴)......امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ کلمہ کفر زبان سے ادا کرے ورنہ ہلاک کر دیا جائیگا یا اسی طرح کی دھمکی دی، پس اس نے کفر کا کلمہ زبان سے بول دیا تو اس کی کئی قسمیں ہیں:

(الف) اس کلمہ کفر کو زبان سے بول دیا مگر اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے اور اس کے دل میں کوئی خیال تک بھی نہ آیا سوائے اس کلمہ کے جو بطور جبر کہلایا گیا تو اس صورت میں اس کے کفر کا حکم نہیں کیا جا سکتا نہ قضاء اور نہ عند اللہ۔

(ب) وہ کہے کہ میرے دل میں یہ خطرہ آیا کہ میں ماضی سے متعلق کفر کی جھوٹی خبر دوں پھر میں نے ان کے کلام کو قبول کرتے ہوئے مستقبل کے کفر کا ارادہ کیا اس صورت میں قاضی اس کے کفر کا حکم

دے گا اور اس کی بیوی سے اس کو الگ کر دیا جائیگا۔

(ج) وہ کہے کہ میرے دل میں خیال گذرا کہ ماضی کے متعلق کفر کی جھوٹی خبر دوں مگر میں نے ماضی سے متعلق کفر کی جھوٹی خبر دینے کے ارادہ کے بجائے ان کے قول کو قبول کرلیا جو مستقبل کے کفر سے متعلق تھا۔ اس صورت میں وہ قضاء اور عند اللہ دونوں طرح کافر ہو جائے گا۔

(۵)...... اگر کسی پر جبر کیا گیا وہ صلیب کا رخ کر کے نماز پڑھے پھر اس نے نماز پڑھی تو وہ تین حالتیں بن جائیں گی۔

(الف) اگر کسی نے کہا کہ میرے دل میں عبادت صلیب کا کوئی خیال بھی نہیں گذرا اگرچہ میں نے صلیب کی طرف نماز پڑھی مگر وہ بطور جبر ہے اس صورت میں وہ قضاء اور عند اللہ کافر نہ ہوگا۔

(ب) اس نے کہا کہ میرے دل میں خیال گذرا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھوں نہ کہ صلیب کے واسطے اس صورت میں نہ قضاءً کافر ہوا نہ عند اللہ۔

(ج) اگر اس نے کہا کہ میرے دل میں خیال گذرا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھوں پھر میں نے اس خیال کو ترک کر دیا اور میں نے صلیب کے لئے نماز پڑھی تو اس صورت میں ظاہر و باطن کے لحاظ سے کافر ہو گیا۔

(۶)...... اگر ایک مسلمان کو کہا گیا کہ بادشاہ کو سجدہ کرو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے اس صورت میں افضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے جبکہ اس نے کلمہ کفر قصداً کہا ہے مگر اعتقاد کفر کا نہیں رکھتا۔ ہمارے بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ اس طرح کافر نہیں ہوتا مگر صحیح قول یہ ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۷)...... اگر کسی شخص نے کلمہ کفر اس حال میں بولا کہ اسے معلوم نہ تھا کہ آیا یہ کلمہ کفر ہے یا نہیں، مگر اس نے اپنے اختیار سے بولا تھا تو وہ کافر ہو جائے گا، اکثر علماء کے نزدیک اور جہل کی وجہ سے معذور شمار نہ ہوگا۔

(۸)...... بیہودہ گو اور مذاق اڑانے والا جب کفریہ کلمہ بطور استخفاف کے بولے تو ٹھٹھے اور خوش طبعی سے بھی سب کے نزدیک کفر ہی شمار ہوگا۔

(۹)...... اگر کسی کی زبان سے بھول چوک کر کلمہ کفر نکلا جب کہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ ایسا کلمہ استعمال کرے جو

کفر یہ نہ ہو، پس اس کی زبان پر کلمہ کفر چوک کر نکلنے سے سب کے نزدیک کافر نہیں ہوتا۔

(۱۰)......مجوسیوں کی ٹوپی سر پر رکھنے کی وجہ سے صحیح روایت کے مطابق کافر ہوجاتا ہے، اور اگر گرمی سردی سے بچنے کیلئے رکھے تو کافر نہ ہوگا۔

(۱۱)......زنار یعنی جنیو پہننے سے مسلمان کافر ہوجاتا ہے لیکن اگر لڑائی میں جاسوسی کے لئے کرے تو کافر نہ ہوگا۔

(۱۲)......اس طرح کہنے سے بھی کافر ہوجائے گا کہ مجوسی جو کچھ کر رہے ہیں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس میں ہم مبتلا ہیں یعنی ان کے افعال ہمارے افعال سے بہتر ہیں اور اس طرح کہنے سے کہ نصرانیہ مجوسیہ سے بہتر ہے، البتہ اس طرح کہنے سے کافر نہ ہوگا کہ مجوسیہ بری ہے نصرانیہ سے۔

(۱۳)......اور اس طرح کہنے سے کہ نصرانیہ بہتر ہے یہودیہ سے کافر ہوجاتا ہے۔

(۱۴)......اس طرح کہنے سے بھی کافر ہوجاتا ہے کہ کفر کرنے والا اس بہتر سے بہتر ہے جو کچھ تو کرنے والا ہے بعض کے نزدیک اس سے مطلقاً کافر ہوجاتا ہے، ابوالليث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس وقت کافر ہوگا جب کہ اس نے قصداً کفر کو اچھا جانا ہو۔

(۱۵)......جو کچھ مجوس نوروز کے دن کرتے ہیں اگر کوئی مسلمان ان کی موافقت میں نوروز کے دن نکلے اور وہ چیزیں خریدے جو کبھی نہ خریدتا تھا یہ خریداری نوروز کی تعظیم کے لئے ہو تو کافر ہوجائے گا، اگر کھانے پینے اور ضروریات زندگی کے لئے ان چیزوں کو خریدا ہو تو کافر نہ ہوگا۔

(۱۶)......اس دن کوئی مسلمان اگر مشرکین کو اس دن کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کوئی تحفہ بھیجے خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو تو وہ کافر ہوجائے اور اگر ان کی رسم بچوں کے بال منڈوانے میں جانے کی دعوت قبول کرے تو اس سے کافر نہ ہوگا۔

(۱۷)......کفار کی باتوں اور معاملات کو اچھا جاننے والا کافر ہوجاتا ہے، مثلاً یہ کہے کہ کھانے کے وقت مجوس کا یہ مذہب بہتر ہے کہ اس وقت گفتگو نہ کی جائے یہ ان کے یہاں اچھا ہے کہ حالت حیض میں بیوی کے ساتھ لیٹنے بھی نہ دیا جائے کہنے سے وہ کافر ہوجائے گا۔

(۱۸)......کسی آدمی کی عزت وجاہ کی وجہ سے اس کے لباس پہننے کے وقت جانور ذبح کیا تو وہ کافر ہو جائے گا یا اسی طرح اس موقعہ پر اخروٹ یا اور کوئی چیز لی تو بھی یہی حکم ہے اور ذبیحہ مردار ہے اور

اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

(۱۹)......اسی طرح غیر اللہ کی عظمت کے اظہار کے لئے گائے اونٹ کا ذبح کرنا یا حجاج اور غزاۃ کی واپسی پر ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرنا علماء کی ایک جماعت کے نزدیک باعث کفر ہے۔

(۲۰)......جو جانور نامزد کر دیا گیا غیر اللہ کے نام پر اور اس کی تعظیم اور تقرب کے لئے اس کو شہرت دے دی جیسا کہ بدعقیدہ لوگ کوئی جانور مثلاً بکرا چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بکرا شیخ سدو کے نام کا ہے یا گائے احمد کبیر کے نام کی ہے یا یہ بکرا توپ کا ہے یا یہ مرغا مدار صاحب کا ہے یا یہ جانور بزرگوں کی قبروں پر ذبح کے لئے ہے یا دریا کے کنارہ پر جانور ذبح کرنا یا کسی دیوی دیوتا (بابا خضر خواجہ) کو بھوگ دینا یا جنات کے لئے ذبح کرنا یہ تمام کام ایسے ہیں کہ ان کے کرنے والا مرتد اور کافر ہو جاتا ہے اور ذبیحہ مردار اور حرام ہے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہو، یعنی بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہو تو بھی حرام ہے، اس لئے کہ پہلے سے یہ جانور غیر اللہ کے لئے نامزد ہو چکا اب ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

(الاشباہ والنظائر، تنویر الابصار، درمختار، فتح الغفار، فتاویٰ عالمگیری، مطالب المؤمنین میں مذکور ہے) بلکہ درمختار میں شرح وہبانیہ اور ذخیرہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ان افعال کا کرنے والا جمہور علماء کے نزدیک کافر ہے اور مطالب المؤمنین میں لکھا ہے کہ ابو حفص کبیر اور ابو علی دقاق اور عبد اللہ کاتب اور عبد الواحد، ابو الحسن نوری وغیرہ علمائے معروف نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اس کا ذبح کرنے والا کافر ہے اور اس کا ذبیحہ حرام ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں مذکور ہے کہ تمام علماء کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ جو مسلمان کسی جانور کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے تقرب اور تعظیم کے لئے ذبح کرے وہ مرتد ہے اور اس کے ذبیحہ کا حکم مرتد کے ذبیحہ والا ہے، اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے لئے جانور ذبح کرے۔ (مشکوۃ)

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں **"ما اهل لغير الله"** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا

ہے کہ وہ جانور جو غیر اللہ کے نام کے ساتھ شہرت دیا گیا ہو وہ خنزیر سے بدتر اور مردار ہے، جن کو مزید تفصیل کی ضرورت ہو وہ تفسیر عزیزی کا مطالعہ کریں تو ان کی تسلی ہو جائے گی مگر انصاف شرط ہے، باقی دل کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہی ہدایت دینے والا ہے۔

(۲۱)......اگر کسی عورت نے اپنی کمر پر رسی باندھ کر یہ کہا کہ یہ زنار جیسی ہے تو وہ کافر ہوگئی۔

(۲۲)......اگر کسی شخص نے اس طرح کہا کہ خیانت کرنے سے بہتر کافر ہو جانا ہے، اکثر علماء کہتے ہیں کہ وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا اور ابوالقاسم صغار رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔

(۲۳)......اگر ایک شخص نے کسی عورت کو مارا اس عورت نے کہا کہ تو مسلمان نہیں ہے، مرد نے یہ سن کر کہا کہ ہاں میں مسلمان نہیں ہوں تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا۔

(۲۴)......ہمارے بعض علماء سے منقول ہے کہ اگر ایک شخص کو کہا گیا کہ تو مسلمان نہیں تو اس نے کہا نہیں تو یہ کفر ہے۔

(۲۵)......اگر عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ تم میں دینی حمیت وغیرت نہیں ہے کیونکہ تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ میں اجنبی مردوں سے خلوت اختیار کروں، خاوند نے جواب میں کہا کہ ہاں مجھ میں اسلامی غیرت اور دینی حمیت نہیں ہے تو وہ اس سے کافر ہو جائے گا۔

(۲۶)......ایک مرد نے اپنی بیوی کو اس طرح مخاطب کیا اے یہودیہ! اے مجوسیہ! اے کافرہ! عورت نے یہ سن کر کہا میں ایسی ہی ہوں یا کہا ایسی ہی ہوں تو مجھے طلاق دیدو، یا کہا کہ اگر ایسی نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ نہ رہتی یا کہا اگر ایسی نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ صحبت نہ کرتی یا کہا تو مجھے نہ رکھتا، تو اس کہنے سے وہ عورت کافرہ ہو جائے گی۔

(۲۷)......اور اگر اس کے جواب میں اس طرح کہا کہ اگر میں ایسی ہوں تو تم مجھے نہ رکھو تو اس سے کافر نہ ہوگی۔

(۲۸)......اگر کسی عورت نے اپنے خاوند سے کہا اے کافر، اے یہودی اے مجوسی، تو شوہر نے اس کے جواب میں کہا اگر ایسا نہ ہوتا تو تم کو نہ رکھتا یا کہا تو مجھے نہ رکھتی یا کہا ایسا ہی ہوں میں، تو وہ کافر ہوگیا اور اگر اس نے اس طرح کہا کہ اگر ایسا ہوں میں تو میرے ساتھ مت رہ، صحیح یہ ہے کہ

کافر نہیں ہوتا اور اگر کہا یک راہ چلیم با من مباش ایک راہ میں اختیار کرتا ہوں تو میرے ساتھ مت رہ، ظاہر تو یہ ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۲۹)......اور اگر کسی اجنبی کو کہا اے کافر! اے یہودی!! اس نے جواب میں کہا کہ میں ایسا ہی ہوں، میرے ساتھ تم مت رہو یا کہا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ نہ رہتا تو اس کا حکم خاوند بیوی والے مسئلے کی طرح ہے کہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۳۰)......اگر کسی شخص نے ایک کام کا ارادہ کیا تو اس کی بیوی نے کہا اگر تم یہ کام کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے، خاوند نے اس کی بات کی طرف التفات نہ کیا اور وہ کام کر ڈالا تو وہ شوہر کافر نہ ہوگا، اگر کسی نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا اے کافرہ! پھر عورت نے کہا میں نہیں بلکہ تو ہے یا عورت نے اپنے خاوند سے کہا اے کافر! تو خاوند نے کہا کہ میں نہیں بلکہ تو کافرہ ہے تو اس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع نہ ہوگی۔

(۳۱)......اگر کسی مسلمان اجنبی کو کہا اے کافر! یا اجنبی عورت کو کہا اے کافرہ! اور مخاطب مرد و عورت نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

(۳۲)......یا کسی شوہر نے اپنی بیوی کو کہا اے کافرہ! مگر اس عورت نے اسے کچھ جواب نہ دیا یا عورت نے اپنے شوہر کو کہا اے کافر! اور خاوند نے کچھ جواب نہ دیا تو فقیہ ابو بکر اعمش بلخی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا کہنے والا کافر ہے۔ دیگر علماء بلخ کا قول کافر نہ ہونے کا ہے، مختار جواب یہ ہے کہ اگر کہنے والے کا ارادہ برا بھلا کہنا ہے اور اس کے کافر ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا تو وہ کافر نہیں ہوتا اگر اس کا اعتقاد بھی یہی ہے کہ یہ مسلمان کافر ہے اور پھر اس مسلمان کو کافر سے خطاب کرتا ہے تو وہ اس سے کافر ہو جائے گا، اگر کوئی عورت اپنے بچے کو اے کافر کے بچے کہہ کر خطاب کرے تو یہ باعث کفر نہیں ہے اور بعض نے کہا یہ کفر ہے اور یہی حکم ہے۔

(۳۳)......اگر مرد نے اپنے بچے کو یہ الفاظ کہے تو علماء کا اس میں اختلاف ہے، صحیح قول یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا، اگر اپنے نفس کے کفر کا ارادہ نہ کرے۔

(۳۴)......اگر اپنے جانور کو کہا کافر خداوند (اے کافر مالک والے) تو کافر نہ ہوگا بالاتفاق۔

(۳۵)......اگر اپنے علاوہ کسی دوسرے کو کہا اے کافر! یا اے یہودی! یا اے مجوسی! اور اس نے کہا **لبیک** تو وہ کافر ہو جائے گا۔

(۳۶)......جس وقت کہے، آری ہم چنین، کافر ہو جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۲/۲۷۸)

(۳۷)......اگر اس طرح کہا تو ئی خودا، اور کچھ نہیں کہا بلکہ خاموشی اختیار کی تو کافر نہیں ہوگا۔

(۳۸)......کسی سے کہا کہ بیم بود، کہ کافر شدی یا یہ کہا کہ میں ڈرا کہ کافر ہو جاؤں تو اس سے کافر نہیں ہوتا، اگر کہا کہ تو نے اتنا ستایا ہے کہ میں نے کافر ہونا چاہا تو کافر ہو گیا۔

(۳۹)......ایک شخص نے کہا کہ یہ زمانہ مسلمانی اختیار کرنے کا نہیں کافری کا ہے بعضوں نے کہا یہ کافر ہوا، مگر صاحب محیط رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہوا، اور یہی درست ہے۔

(۴۰)......ایک مسلمان اور ایک مجوسی ایک جگہ بیٹھے تھے ایک آدمی نے مجوسی کو آواز دی اے مجوسی تو مسلمان نے اس کو جواب دیا اگر دونوں ایک کام میں مصروف تھے جس میں کہنے والے نے ان دونوں کو لگا رکھا تھا اور مسلمان نے سمجھا کہ اسے آواز دے رہا ہے تو پھر اس کام کی وجہ سے کفر لازم نہ آیا اور اگر دونوں الگ الگ کام میں تھے تو پھر اس کے بارے میں کفر کا خطرہ ہے۔

(۴۱)......ایک مسلمان نے کہا **انا ملحد** یعنی میں ملحد ہوں تو یہ کافر ہو گیا اور اگر کہا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کفر ہے تو اس میں معذور شمار نہ ہوگا کیونکہ ایک شخص نے ایک ایسا کلمہ بولا جس کو وہ لوگ کفر گمان کرتے تھے اور واقعہ میں کفر نہیں تھا اور اس کو بتلایا گیا کہ تو کافر ہو گیا اور تیری بیوی تجھ سے الگ ہو گئی یہ کہنے لگا کافر شدہ گیر بطّن تا یک شدہ گیر تو اس سے کافر ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی اس سے الگ ہو جاتی ہے۔

(۴۲)......اگر ایک شخص نے کہا کہ میں فرعون ہوں یا ابلیس ہوں تو اس سے کافر ہو جاتا ہے۔

(۴۳)......اگر ایک آدمی نے ایک فاسق آدمی کو نصیحت کی اور توبہ کے لئے بلایا تو اس نے کہا از پس ایں ہمہ کلاہ مغاں برسر نہم (ان تمام پگڑیوں کے پیچھے ان کے سر پر شراب رکھتا ہوں) تو کافر ہو جاتا ہے۔ (عالم گیری: ۲/۲۷۹)

(۴۴)......ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ تیرے ساتھ رہنے سے کافر ہونا بہتر ہے تو وہ کافر ہو گئی۔

(۴۵)......ایک عورت نے کہا کہ کافرم گرچنیں کارکنم (کافر ہوں اگر میں ایسا کام کروں) تو شیخ ابو بکر بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ عورت کافر ہوگئی اور اس وقت ہی خاوند سے الگ ہوگئی اور قاضی امام علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہ تعلیق او ریمین (قسم ہے) کفر نہیں۔

(۴۶)......اگر ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ اگر تو آج کے بعد مجھ پر ظلم کرے گا یا میرے لئے فلاں چیز نہ خریدے گا تو میں کافر ہو جاؤں گی تو اسی وقت کافر ہو جائے گی۔

(۴۷)......ایک شخص کہنے لگا کہ میں مجوسی تھا مگر میں مسلمان ہوگیا بطریق تمثیل میں نے اس کا اعتقاد اختیار نہیں کیا تو اس کے کفر کا حکم کیا جائے گا۔

(۴۸)......اگر کسی نے کسی دوسرے آدمی کو تعظیمی سجدہ کیا تو اس سے کافر نہیں ہوگا۔

(۴۹)......اگر کسی نے کسی مسلمان کو کہا کہ اللہ تیری مسلمانی ختم کردے دوسرے نے کہا آمین، آمین کہنے والا کافر ہوگیا۔

(۵۰)......ایک شخص نے دوسرے کو ایذا دی اس نے کہا میں مسلمان ہوں مجھے نہ ستا تو اس دکھ دینے والے نے کہا چاہے مسلمان رہو چاہے کافر، تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۵۱)......اگر کسی نے کہا کافر باشی چہ زیاں (میرے کافر ہونے سے کیا نقصان ہے) تو اس سے کفر لازم آتا ہے۔

(۵۲)......ایک کافر مسلمان ہوا لوگوں نے اس کو چیزیں دیں تو ایک مسلمان کہنے لگا کاش میں بھی کافر ہوتا پھر مسلمان ہوتا تاکہ لوگ مجھے بھی کچھ دیتے یا اس کی دل میں تمنا کی تو یہ کافر ہو جائے گا۔

(۵۳)......ایک آدمی نے یہ آرزو کی کہ اللہ تعالیٰ شراب کو حرام نہ کرتا تو اس سے کافر نہ ہوگا اور اگر یہ تمنا کی کہ اگر اللہ تعالیٰ ظلم، زنا قتل نفس ناحق کو حرام نہ کرتا تو اس سے کافر ہوگیا کیونکہ یہ تینوں چیزیں کسی بھی شریعت میں حلال نہیں تھیں اور اس سے جو پہلی صورت میں ہے اس میں اس میں ایسی چیز کی تمنا ہے جو محال نہیں اور دوسری صورت میں محال کی تمنا ہے اور اسی بنیاد پر کوئی آرزو کرے کہ بہن بھائی کے درمیان نکاح حرام نہ ہوتا تو اس سے کافر نہیں ہوتا، کیونکہ اس نے اسی چیز کی آرزو کی جو محال نہیں بلکہ ابتدا میں حلال تھی، تو حاصل کلام یہ ہے کہ جو چیز ایک زمانے میں حلال ہو کر پھر حرام ہوگئی اور اس کے بارے میں حرام نہ ہونے کی آرزو کرتا ہے تو کافر نہیں ہوتا۔

(۵۴)......ایک مسلمان نے ایک حسین وجمیل نصرانیہ کو دیکھا اس کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ یہ بھی نصرانی ہوتا تا کہ اس کافرہ سے نکاح کرتا تو یہ بھی کافر ہو گیا۔

(۵۵)......ایک آدمی نے کسی سے کہا کہ میری مدد کرو اس نے کہا کہ حق پر ہر کوئی مدد کرتا ہے میں تیرے ناحق پر مدد کروں گا تو کافر ہو جائے گا۔

(۵۶)......اگر اس نے اس طرح کہا کہ میں نے اس درخت کو پیدا کیا ہے تو اس سے کافر نہیں ہوگا، کیونکہ اس سے مجازی معنی بولنا مراد لیا جاتا ہے، اور اگر حقیقی معنی مراد لے گا تو کافر ہو جائے گا۔

(۵۷)......ایک آدمی نے کہا کہ جب تک پر جا (مخلوق) ہے یا کہا کہ جب تک میرے یہ بازو ہیں مجھ کو روزی کم نہ آئے گی، بعض مشائخ نے کہا کہ کافر ہوتا ہے، اور بعض نے کہا کہ کفر کا خطرہ ہے۔

(۵۸)......اگر کسی نے یہ کہا کہ درویشی بد بختی ہے تو یہ بڑی غلطی ہے۔

(۵۹)......اگر کسی نے چاند کے گرد دائرہ دیکھا اور کہنے لگا کہ بارش ہوگی اگر اس کو علم غیب کا دعویٰ ہے تو اس طرح کہنے سے کافر ہو گیا۔

(۶۰)......اگر کسی نجومی نے کہا کہ تیری بیوی حاملہ ہے تو اس نے اس کے کہنے پر اعتقاد کر لیا تو یہ کافر ہو گیا۔

(۶۱)......الو کے بولنے پر کسی نے کہا کہ بیمار مر جائے گا یا بڑی مصیبت آئے گی یا سیاہ کوا بولا تو اس نے کہا کوئی مسافر آیا ہے تو مشائخ نے اس کے کفر میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کہ یہ غلط بات ہے۔

(۶۲)......ایک آدمی نے کوئی غلط بات کہی تو دوسرے نے سن کر کہا تو کیا کہہ رہا ہے تجھ پر کفر لازم آتا ہے تو وہ سن کر کہنے لگا میں کیا کروں اگر مجھ پر اس وقت کفر لازم آتا ہے تو آتا رہے تو کافر ہو جاتا ہے۔

(۶۳)......اگر کسی شخص نے ضاد کی بجائے ز پڑھ دی اور اصحاب جنت کی جگہ اصحاب نار پڑھ دیا اگر جان بوجھ کر کیا تو کافر ہو گیا ورنہ اس پر کفر کا خوف ہے اور ایسے آدمی کی امامت جائز نہیں ہے۔

(۶۴)......اس آدمی پر بھی کفر کا خطرہ ہے جو کہتا ہے کہ میری زندگی کی قسم تیری زندگی کی قسم یا اسی طرح کے کلمات کہے، جب یہ کہے کہ رزق اللہ کی طرف سے ہے لیکن بندے کو حرکت کرنی چاہئے تو بعضوں نے کہا یہ مشرک ہے۔

(۵۶)......ایک شخص نے کہا میں عذاب وثواب سے بری الذمہ ہوں علماء نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو

جاتا ہے۔

(۶۶)......ایک آدمی نے کہا کہ فلاں آدمی جو کہے میں وہ کروں گا، اگر چہ وہ کفر ہی کیوں نہ کہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۶۷)......ایک آدمی نے کہا کہ میں مسلمانی سے بیزار ہوں، علماء نے کہا وہ کافر ہو جاتا ہے۔ مامون کے زمانہ میں ایک فقیہ سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا کہ جس نے ایک جولاہے کو قتل کیا تھا تو فقیہ نے کہا کہ تعزیر واجب ہے تو مامون نے حکم دیا کہ اس فقیہ کی پٹائی کی جائے یہاں تک کہ مر جائے، مامون کہنے لگا کہ اس نے شریعت کا مذاق اڑایا ہے اور احکام شرع کا مذاق کفر ہے۔

(۶۸)......اگر کوئی فقیہ کو اس وقت مدثر کہے جب وہ کالا کمبل اوڑھنے والا ہو تو یہ کفر ہے۔

(۶۹)......جس نے ہمارے زمانے کے ظالم بادشاہ کو عادل کہا وہ بھی کافر ہے، **"کذا قال الامام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ"** بعضوں نے کہا کہ کافر نہیں ہوتا۔

(۷۰)......اگر ایک ظالم کو کہا اے خدائی (میرے خدا) تو کافر ہو جاتا ہے اور اگر اس طرح کہا اے بار خدا! تو کافر نہیں ہوتا اور یہی قول درست ہے۔

(۷۱)......علامہ ابو القاسم صغار رحمۃ اللہ علیہ سے ان خطباء کے بارے میں جو جمعہ کے دن یہ خطبہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں **"سلاطین دو العادل الاعظم شھنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم سلطان ارض اللہ مالک بلاد اللہ معین خلیفۃ اللہ"** کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو علامہ صغار رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے اس کے بعض الفاظ کفریہ ہیں اور بعض معصیت اور کذب ہیں مثلاً شہنشاہ کا لفظ یہ خصائص الٰہیہ میں سے ہے بغیر اعظم کی صفت کے اور انسانوں کے لئے وہ صفات بیان کرنی جائز نہیں جو اللہ کی صفات ہیں اسی طرح "**مالک رقاب الامم**" یہ محض جھوٹ ہے اسی طرح "**سلطان ارض اللہ**" یہ بھی جھوٹ ہے۔

(۷۲)......امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر کوئی کسی کے آگے زمین کو چومے یا اس کے واسطے جھکے یا اپنے سر کو جھکائے تو وہ کافر نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ارادہ تعظیم کا ہے عبادت کا نہیں

مگر ان کے علاوہ دیگر مشائخ نے یہ بات فرمائی ہے کہ اگر کوئی ان جابر بادشاہوں کو سجدہ کرے تو اس کا یہ فعل بڑے کبیرہ گناہوں میں سے تو ہے البتہ اس کے کافر ہونے میں اختلاف ہے بعضوں نے مطلقاً کافر کہا ہے اور اکثر نے یہ کہا کہ اس کی کئی جہتیں ہیں اگر اس نے عبادت کا ارادہ کیا تو کافر ہوا اگر تعظیم کا ارادہ کیا تو کافر نہ ہوا مگر حرام کا ارتکاب کیا اور اگر اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی ارادہ نہ ہو تو اکثر اہل علم کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے۔ زمین بوسی یہ سجدہ کے بالکل قریب ہے مگر یہ رخسار اور پیشانی رکھنے سے کم درجہ ہے یہ اعتقاد رکھنے کی صورت میں کافر ہو جائے گا کہ یہ خراج سلطان کی ملکیت ہے۔ (فتاوی عالمگیری:۲۸۱/۲)

(۷۳)...... اگر کوئی برائی کرے اور وہ کہے کہ میں یہ برائی تیری طرف سے سمجھتا ہوں حکم خدا سے نہیں تو یہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۷۴)...... اگر بادشاہ کے جوڑا بدلنے کی مبارکبادی دیتے ہوئے اس کو خوش کرنے کے لئے کسی جانور کو ذبح کرے گا تو کافر ہو جائے گا اور یہ ذبیحہ مردار ہے اور اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔

(۷۵)...... ہمارے زمانے میں اکثر مسلمان عورتیں چیچک نکلنے کے وقت اس کی ایک شکل مقرر کرتی ہیں اور اس شکل اور صورت کو وہ پوجتی ہیں اور اس سے اپنے بچوں کو شفا چاہتی ہیں اور ان کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ پتھر اس لڑکے کو شفا دیتا ہے جو عورتیں اس فعل کو اسی اعتقاد سے کرتی ہیں وہ کافر ہو جاتی ہیں اور ان کے جو خاندان کی اس غلط حرکت پر راضی اور خوش ہیں وہ بھی کافر ہو جاتے ہیں۔

(۷۶)...... اسی طرح ایک اور چیز رائج ہے کہ عورتیں پانی کے کنارہ پر جا کر پانی کو پوجتی ہیں اور پانی کے کنارہ پر بکرا ذبح کرتی ہیں چنانچہ جو عورت یہ حرکت کرتی ہے وہ کافر ہو جاتی ہے وہ بکری مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔

(۷۷)...... گھروں میں بعض عورتیں شکل بناتی ہیں جیسا کہ آتش پرستوں کے یہاں پوجنے کے لئے صورتیں بنائی جاتی ہیں اور اس کو پوجتی ہیں اور اس کو پوجا کرنے کے وقت لڑکے پر شنگرف کے نشان لگاتی ہیں اور تیل ڈالتی ہیں اور بھوانی بت کے نام وہ تیل دیتی ہیں اسی طرح کی اور

رسومات کرنیوالیاں کافر ہو جاتی ہیں اور خاوند سے نکاح ان کا نہیں رہتا۔

(۷۸)......اگر کوئی یہ کہے کہ آج کل کے زمانہ میں جب تک خیانت نہ کروں یا جھوٹ نہ بولوں تو دن نہیں گذرتا یا یہ کہا کہ جب تک خرید و فروخت میں جھوٹ نہ بولوں تو روٹی کھانے کو نہ ملے گی یا کسی کو کہے کیوں تو خیانت کرتا ہے یا کیوں جھوٹ بولتا ہے وہ کہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں تو ان الفاظ سے کافر ہو جاتا ہے۔

(۷۹)......اگر کسی نے کہا کہ جھوٹ نہ بول، اس نے کہا یہ تو **"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"** کے کلمہ سے زیادہ سچی بات ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۸۰)......اگر کوئی غصہ میں آیا دوسرے نے کہا تیرے اس کام سے کافری بہتر ہے تو یہ کہنے والا کافر ہو گیا۔

(۸۱)......اگر کوئی ممنوعہ بات کہنے لگا دوسرے نے اس کو کہا کیا تو کہتا ہے اس پر کفر لازم آتا ہے تو اس کے جواب میں کہے اگر مجھ پر کفر لازم آئے گا تو تو کیا کرے گا تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا۔

(۸۲)......اگر کسی کے دل میں یہ بات گذری کہ یہ فلاں چیز باعث کفر ہے اگر اس کو اس حالت میں زبان پر لائے کہ اسے قبیح سمجھتا تھا تو خالص ایمان ہے اور اگر کفر کے قصد سے زبان پر لائے خواہ سو برس کے بعد ہو تو اسی وقت کافر ہو جائے گا۔

(۸۳)......ایک شخص نے اپنی زبان سے بخوشی کفریہ کلمہ بولا اور دل اس کا ایمان پر ثابت ہے تو اس سے کافر ہو جائے گا اور وہ عند اللہ بھی مومن نہ ہوگا اور اگر وہ ایسا کلمہ ہے کہ جس کے کفر میں اختلاف ہے تو اس کو تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا توبہ اور رجوع کی تاکید کی جائے گی اور یہ بطور احتیاط کے ہوگا۔

(۸۴)......جو الفاظ بھوک چوک سے نکل گئے ہیں وہ کفر کا باعث نہ ہوں تو ان کا بولنے والا اپنی حالت پر مؤمن ہے اس کو تجدید نکاح یا توبہ کی طرف رجوع کا حکم نہ دیا جائے گا۔ (عالمگیریہ: ۲/۲۷۵)

{۲۲}......ایک اہم قاعدہ

(۱)......بحر الرائق میں لکھا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کئی وجوہ کفر کی نکلتی ہوں اور ایک وجہ کفر سے مانع نکلتی ہو تو مفتی کیلئے ضروری ہے کہ اس ایک وجہ کی طرف رجوع کرے مگر جب وہ تصریح کیساتھ اپنے ارادے کو ظاہر کر دے تو اس وقت یہ ایک وجہ بطور تاویل کے کام نہ دے گی۔(۶/۱۳۳)

(۲)......اگر کہنے والے کی نیت میں وہ وجہ ہو جو کفر کے لئے مانع ہے تو وہ شخص مسلمان ہے اور اگر اس کی نیت میں وہ وجہ ہو جو تکفیر کا باعث ہے تو پھر مفتی کا فتویٰ اس کے کام نہ آئے گا، پھر اس کو توبہ، رجوع، تجدید نکاح وغیرہ کا حکم دیا جائے گا۔

(۳)......مسلمان کو چاہئے کہ صبح و شام اس دعا کو روزانہ کفر سے بچنے کے لئے وعدہ نبوت کے مطابق پڑھے۔ دعا یہ ہے۔ **"اللھم انی اعوذ بک من ان اشرک بک شیئا و انا اعلم واستغفرک لما لا اعلم"** اے اللہ! میں اس چیز سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ جان بوجھ کر تیرے ساتھ کسی چیز کو شریک کروں اور جن چیزوں کو میں نہیں جانتا ان سے بھی تجھ سے استغفار کرتا ہوں۔(فتاویٰ عالمگیریہ:۲/۲۸۳)

{۲۳}......ارتداد کی سزا کی بنیاد

حضرت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **"من بدل دینه فاقتلوه"** جو شخص اپنا دین یعنی دین اسلام بدل دے یعنی اس کو چھوڑ دے اس کو قتل کر دو۔(بخاری شریف، مشکوۃ شریف:۳۶۳۳)

ارتداد کی یہ سزا اس لئے ہے کہ ملت چھوڑنے پر سخت نکیر ضروری ہے، ورنہ ملت کی بے حرمتی کا دروازہ کھل جائے گا، اور اللہ کی مرضی یہ ہے کہ دین سماوی لوگوں کے لئے اس فطری امر کی طرح ہو جائے، جس سے جدا نہیں ہوا جاتا یعنی جو شخص اسلام قبول کرے وہ دل و جان سے قبول کرے، اور فطری امور کی طرح اس کو اپنائے رہے، پس جو اللہ کی مرضی کی خلاف ورزی کرے وہ سخت سزا کا مستحق ہوگا۔

{۲۴}......ارتداد کے تحقق کی صورتیں

(۱) اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا۔ (۲) رسولوں کا انکار کرنا۔

(۳) نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنا۔

(۴) قصداً کوئی ایسا فعل کرنا، جس سے دین کا کھلا استہزا ہو۔

(۵) دین کی بنیاد اور موٹی موٹی باتوں کا انکار۔

ارتداد کی پہلی تین صورتیں بدیہی ہیں جو محتاج دلیل نہیں چوتھی صورت کی دلیل یہ ہے کہ: سورۃ التوبہ آیت ۱۲ر میں ارشاد پاک ہے،''اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے لڑو''اس سے معلوم ہوا کہ اسلام پر طعن کرنے والا، اگر ذمی ہو تو اس کا عہد و پیمان ختم ہو جاتا ہے، اور مسلمان ہو تو اس کا قتل واجب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت حضرت نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی، اور آنحضرت ﷺ کی برائی کیا کرتی تھی، ایک شخص نے اس کا گلا دبا دیا، یہاں تک کہ وہ مر گئی، پس حضرت نبی کریم ﷺ نے اس کا خون رائیگاں کر دیا۔(مشکوۃ شریف:۳۵۵۰)

دین اسلام پر طعن کرنے حضرت نبی کریم ﷺ کو گالیاں دینے اور مسلمانوں کو برملا تکلیف پہنچانے کی وجہ سے اس عورت کا عقد ذمہ باطل ہو گیا، اور اس کو قتل کرنا جائز ہو گیا۔ اس لئے نہ اس کا قصاص دلوایا، نہ دیت ادا کروائی، یہی حکم مسلمان کا بھی ہے اس حرکت سے اس کا ایمان ہی ختم ہو جاتا ہے۔

{۲۵}...... بغاوت کی سزا کی بنیاد

سورۃ الحجرات آیت ۹ر میں ارشاد پاک ہے:''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم طرف لوٹ آئے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو خلیفوں سے بیعت کی جائے تو ان میں سے بعد والے کو قتل کردو! (مشکوۃ شریف: ۳۶۷۶)

حکومت اور بادشاہت فطری طور پر مرغوب فیہ ہے اور بڑے ملکوں میں جہاں لوگ بڑی تعداد میں ہوتے ہیں بعض لوگ حکومت حاصل کرنے کے لئے قتل وقتال سے بھی گریز نہیں کرتے، اور ان کو مددگار بھی مل جاتے ہیں پس اگر بعد والے بادشاہ کو قتل نہیں کیا جائے گا تو وہ پہلے بادشاہ کو قتل کردے گا، پھر کوئی اور اس دوسرے کو قتل کردے گا، اور یہ سلسلہ چل پڑے گا، اور اس میں مسلمانوں کی تباہی ہے اور اس کے سدباب کی یہی صورت ہے کہ یہ طریقہ رائج ہو کہ جب ایک خلافت مکمل ہو جائے تو جو بھی اس سے مزاحمت کرے اس کو قتل کردیا جائے، یہی اس کی سزا ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس سلسلہ میں پہلے خلیفہ کی مدد کریں۔

{۲۶}...... بغاوت کی دو صورتیں ہیں

ایک وہ لوگ ہیں جو کسی تاویل پر بغاوت کرتے ہیں: مثلاً

(الف) ان کا خیال ہے کہ ان پر یا ان کی قوم پر خلیفہ ظلم کر رہا ہے، بغاوت سے ان کا مقصد خلیفہ کے ظلم کو اپنی ذات سے یا اپنی قوم سے ہٹانا ہے۔

(ب) یا وہ لوگ اس لئے بغاوت کرتے ہیں کہ وہ خلیفہ میں کوئی کمی پاتے ہیں اور وہ اس کی حجت پیش کرتے ہیں، اگرچہ وہ دلیل عام مسلمانوں کے نزدیک قابل پذیرائی نہیں ہوتی اور قرآن وحدیث سے اس کی کوئی ایسی مضبوط دلیل نہیں ہوتی جس کی تردید کی جاسکے، مثلاً خوارج نے بغاوت کی، ان کی دلیل یہ تھی کہ قضیہ صفین میں حکم بنانا درست نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **"ان الحکم الا للہ"** یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا حکم کسی کا نہیں (سورۃ الانعام) پس حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم مقرر کر کے اس حکم کی مخالفت کی اس لئے دونوں کافر ہو گئے۔

دوسرا وہ شخص جو زمین میں بگاڑ پھیلانے کے لئے یا حکومت حاصل کرنے کے لئے بغاوت

کرتا ہے وہ تلوار سے فیصلہ کرنا چاہتا ہے، شریعت سے فیصلہ کرانا نہیں چاہتا، ان دونوں قسم کے باغیوں کا حکم یکساں نہیں۔

{۲۷}......پہلی قسم کے باغیوں کا حکم

یہ ہے کہ امیر المؤمنین ان کے پاس کسی عقل مند خیر خواہ عالم کو بھیجے، جو ان کے شبہات کو دور کرے یا ان سے ظلم ہٹائے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خوارج کے پاس بھیجا تھا، پھر افہام و تفہیم سے باغی مطیع ہو جائیں تو فبہا، ورنہ ان سے جنگ کرے، مگر واپس جانیوالے کو قیدیوں کو اور زخمیوں کو قتل نہ کرے، کیوں کہ مقصد شر دفع کرنا اور ان کی جمعیت کو منتشر کرنا ہے، جو حاصل ہو گیا۔

اور دوسری قسم کے باغیوں کا حکم یہ ہے کہ وہ درحقیقت راہ زن ہیں اس لئے ان کو راہ زنی کی سزا ملے گی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (فیض المشکوۃ:۶/۴۰۶)

{۲۸}......تکفیر مسلم میں احتیاط

مسلمانوں کے کلام کو بہتر معنی پر محمول کر کے امکانی حد تک اسے تکفیر سے بچایا جائے گا، خواہ اس کے لئے مذہب کی ضعیف روایت کو اختیار کرنا پڑے۔

{۲۰}......یہ کوئی مذاق نہیں

کسی شخص کو کافر بنا دینا یہ کوئی ہنسی کھیل اور مذاق نہیں کہ ذرا سا بہانہ ملے اور تکفیر کا فتویٰ داغ دیا جائے، بلکہ یہ انتہائی اہم اور خطرناک چیز ہے۔ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق باب المرتد ۵/۱۲۴، میں فتاوی صغریٰ سے نقل کیا ہے کہ کفر بڑی بھاری چیز ہے، مجھے اگر کوئی بھی روایت ملجائے (گو وہ ضعیف ہو) تو میں کسی صاحب ایمان کو کافر نہیں بناؤں گا، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ مسلمان کے کلام کو امکانی حد تک ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو اس کی تکفیر کا موجب نہ ہو، اور اگر کسی مسلمان کو کفر سے بچانے کے لئے

مذہب کی کسی ضعیف روایت کا سہارا لینا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے گا۔ (رسم المفتی "السابعة مالفی البحر من باب المرتد، ۸۳/ص: ۳، الی قوله، ولو روایة ضعیفة: ۸۳، ص ۴)

{۳۰}......تکفیر میں احتیاط کی چند مثالیں

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ خیریہ سے نقل کیا ہے کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص سے قاضی نے کہا کہ: **"اقبل الشرع"** حکم شریعت کو مان لے، اس نے جواب دیا **"لا اقبل"** میں نہیں مانتا، تو ایک مفتی نے اس پر کفر کا حکم لگایا اور اس کی بیوی کو جدائیگی کی ہدایت کی، تو کیا وہ شخص واقعۃً اپنے قول **"لا اقبل"** کی وجہ سے کافر ہو گیا؟ علامہ رملی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس شخص کو فوراً کافر نہ کہیں گے، بلکہ اسے سزا دی جائے گی، کیونکہ اس کے کلام **"لا اقبل"** کے متعلق یہ تاویل ممکن ہے کہ اس کا مقصد حکم کے فیصلہ کا انکار رہا ہو نہ کہ نفس شریعت کا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کی تکفیر میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ (شامی: ۲۳۰/ ۴، شامی زکریا: ۳۶۷/ ۶)

{۳۱}......مسلمان سے کہا: "تیرا دین بہت خراب ہے"

ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان سے کہا تیرا دین بہت خراب ہے، بظاہر یہ مذہب اسلام کی توہین ہے، جو موجب کفر ہے، لیکن اس میں یہ تاویل کی جاسکتی ہے، کہ متکلم کا مقصد اسلام کی توہین کا نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد مخاطب کے خراب اخلاق پر نکیر کرنا تھا۔ اس معنی کے اعتبار سے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اور فتویٰ دیتے وقت مفتی یہی تاویل سامنے رکھے گا۔ (شامی: ۲۳۰/ ۴، شامی زکریا: ۳۶۷/ ۶)

{۳۲}......کہا "نماز نہیں پڑھوں گا"

کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ نماز پڑھ لے، اس نے جواب دیا "نہیں پڑھوں گا" تو اگر چہ یہ نماز کا انکار ہے، جو کفر ہے مگر یہ ممکن ہے کہ کہنے والے کی مراد آمر کا حکم نہ ماننے کی رہی ہو اور اصل

حکم نماز کا انکار اس کے پیش نظر نہ ہو، لہٰذا مفتی اسے کافر قرار نہ دے گا۔(البحر الرائق: ۱۳۳/۵)

{۳۳}......ضروری تنبیہ

یہاں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہنی چاہئے کہ مفتی نے کفر سے بچانے کیلئے جو تاویل اختیار کی ہے اگر قائل کی نیت وہی تھی تو وہ یقیناً مسلمان رہیگا، لیکن اگر اس کی نیت کفر کی تھی، اور حسن ظن کی وجہ سے تکفیر کا فتویٰ دے دیا تو یہ فتویٰ اس شخص کو دیانۃً کفر سے نہیں بچا سکے گا، اور اس پر تجدید ایمان لازم ہوگی، "**زاد فی البزازیۃ: الا اذا صرح بالارادۃ فوجب الکفر**" (البحر الرائق: ۱۳۳/۵)

تنبیہ: ارتداد سے متعلق مزید وضاحت کتاب القصاص کی پہلی حدیث کی شرح کے ذیل میں دیکھی جا سکتی ہے۔

الفصل الاول

زندیق کو قتل کرنے کی تاکید

{۳۳۷۹} عَنْ عِكْرِمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ اُتِيَ عَلِيٌّ بِزَنَادِقَةٍ فَأَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحْرِقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللهِ وَلَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۲۳/۲، باب حکم المرتد، کتاب استتابۃ المرتدین، حدیث نمبر: ۶۹۲۲۔

ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو جلوا دیا، اس واقعہ کی اطلاع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے کہا

کہ اگر میں ہوتا تو ان کو جلاتا نہیں اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب مت دو، اور میں ان کو قتل کر دیتا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بدل ڈالے اس کو قتل کر دو۔ (بخاری)

تشریح: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو جلا دیا جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، بعض روایات میں آتا ہے کہ جن لوگوں کو آپ نے جلایا تھا، یہ 'سبائی'' تھے، عبد اللہ بن سبا کے پیروکار تھے، اور یہ وہ شخص ہے جو سارے فتنوں کی جڑ ہے، اور اس نے سازش کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں میں ظاہر کیا تھا، اور بعد میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دعویٰ کیا تھا کہ یہ خدا ہیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے توبہ کرانی چاہی تو ان لوگوں نے توبہ نہیں کی، جس کے نتیجہ میں آپ نے ان کو جلا دیا، اور اس زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو مشاجرات ہوئے، ان کے پیچھے بھی درحقیقت انہی سبائیوں کی سازش تھی، اور یہ شیعہ فرقہ بھی درحقیقت انہی کی معنوی نسل ہے، بحر حال، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو ان کو قتل کر دیتا حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا دین بدل دے اس کو قتل کر دو، اور میں ان کو جلاتا نہیں، اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے خاص عذاب کی طرح عذاب مت دو، یعنی جلانے کا عذاب اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں دوسروں کو یہ عذاب دینا جائز نہیں، بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے میرے جلانے پر یہ تبصرہ کیا ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سچ کہتے ہیں، واقعتہً حضور اقدس ﷺ نے آگ کا عذاب دینے سے منع فرمایا ہے، اس لئے مجھے ان کو آگ میں جلانا نہیں چاہئے تھا، بلکہ قتل کرنا چاہئے تھا۔ (درس ترمذی: ۱۱۱/ ۵)

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہنچا تو انہوں نے فرمایا: **''ویح ابن عباس''** کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کیسی عمدہ بات فرمائی چنانچہ ترمذی کی روایت میں، **''ویح''** کے مصداق ابن عباس ہیں اکثر علماء کی رائے یہی ہے **''کماقال القاری لفظ ویح''** اظہار پسندیدگی اور مدح کے لئے آتا ہے۔ (بذل المجہود: ۲۱۱/ ۱۲)

اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ یہ **"ویح"** کلمۂ ترحم ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے ابن عباس کے اعتراض کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک **"لاتعذبوا بعذاب الله"** یہ نہی تنزیہی کے لئے تھی، بخلاف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کہ انہوں نے اس کو تحریم پر محمول کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نکیر فرمائی۔ اسلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے اعتراض کو ناپسند فرمایا، اور فرمایا: **"ویح ابن عباس"** کہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، لیکن پہلے معنی زیادہ راجح ہیں جیسا کہ بذل میں اکثر علماء کی رائے نقل کی گئی ہے۔

قتل مرتد و مرتدہ میں اختلاف ائمہ

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: **"هذا حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند اهل العلم فى المرتد، واختلفوا فى المرأة اذا ارتدت عن الاسلام فقالت طائفة من اهل العلم تقتل وهو قول الاوزاعى واحمد واسحاق، وقالت طائفة منهم تحبس ولا تقتل وهو قول سفيان الثورى وغيره من اهل الكوفة"** یعنی مرتد اگر مرد ہے تو اس کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ اس کی سزا قتل ہے آیا **"قبل الاستتابة ام بعده"** اب یہ کہ **استتابة** جس کے جمہور قائل ہیں وہ بطریق وجوب ہے یا بطریق استحباب؟

مالکیہ کے یہاں معروف وجوب ہے اور حنفیہ کے یہاں استحباب، **كذا فى اللامع**، اور شافعیہ وحنابلہ کے یہاں دونوں روایت ہیں وجوب، استحباب۔ (تراجم بخاری)

مرتدہ کے بارے میں اختلاف ہے **ائمہ ثلاثة** کے نزدیک، **كما فى اللامع عن الموفق**، مرد و عورت کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی فرق نہیں دونوں کا حکم قتل ہی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **"يجبر على الاسلام بالحبس والضرب ولا تقتل لقوله صلى الله عليه وسلم لا تقتلوا امرأة، ولانها لاتقتل بالكفر الاصلى فلا تقتل بالطارى كالصبى"** یعنی کافرہ حربیہ کے بارے میں جب یہ ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جاتا ہے جس کا کفر اصلی ہے اسی طرح مرتدہ کو بھی قتل نہیں کیا

جائے گا، جس کا کفر طاریٔ ہے ایسے ہی حنفیہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نساء بنو حنیفہ کا استرقاق فرمایا تھا اور ان کو قتل نہیں کیا تھا، چنانچہ ان ہی میں سے ایک عورت انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی تھی جس سے محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (الدر المنضود: ۳۰۵/۶)

مرتد کی سزا قتل ہے، تمام فقہاء کا اتفاق

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ کسی بھی انسان یا جانور کو جلانے کا عذاب دینا جائز نہیں، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مرتد کی سزا قتل ہے، اور تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، اور تیرہ سو سال تک اس پر اجماع منعقد رہا ہے، کسی کو اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔

(والتفصیل فی المبسوط للسرخسی: ۹۸/ ۱۰، بدائع الصنائع: ۱۳۴/ ۷، شامی: ۲۲۶۴)

مغرب کی طرف سے مرتد کی سزا پر اعتراض

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی زید مجدہم درس ترمذی میں فرماتے ہیں:

لیکن ہمارے اس آخر دور میں جب سے مغربی تہذیب سے متاثر جو نئی تحریک چلی ہے اس نے مرتد کے قتل کے حکم پر بہت شور مچایا اور کہا کہ مرتد کو قتل کرنا آزادیٔ فکر کے خلاف ہے، آج کی مغربی تہذیب نے خود اپنا دین گھڑ رکھا ہے، جس کا ایک کلمہ طیبہ یہ ہے کہ ''ہر شخص کو آزادی فکر حاصل ہے، اور آزادی اظہار رائے حاصل ہے، اور یہ ہر انسان کا بنیادی حق ہے، اسی کی بنیاد پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ ایک شخص مسلمان ہوگیا لیکن اسلام اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ (العیاذ باللہ) وہ دین اسلام کو غلط سمجھتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ اپنا دین تبدیل کرتا ہے، تو اس کو کیوں سزا دی جائے؟ اور یہ دین تبدیل کرنا دنیوی جرم کی بات نہیں ہے، آخرت میں جو کچھ ہونا ہوگا وہ ہو جائے گا لیکن دنیا کے اندر دین تبدیل کرنے سے کسی کو کیوں روکا جائے اور اس کو کیوں سزا دی جائے، اس لئے کہ اگر اس پر سزا جاری کی جائے گی تو یہ اس پر زبردستی ہو جائے گی، اس لئے ایسا کرنا آزادیٔ فکر کے خلاف ہے۔

مرتد کی سزا کے منکرین کا استدلال

ہمارے مسلم معاشرے میں ایک طبقہ ایسا موجود ہے جس کا کام ہی یہ ہے کہ جب مغرب کی طرف سے اسلام پر کوئی شبہ یا کوئی اعتراض وارد کیا جاتا ہے تو وہ طبقہ مغرب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے وہ ہمارے پر صادق نہیں آتا، ہمارے مذہب میں ایسا نہیں ہے، چنانچہ مغرب نے جب مرتد کی سزا قتل پر اعتراض کیا تو اس طبقہ نے کہا کہ یہ تو خواہ مخواہ لوگوں نے منسوب کر دیا ورنہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے، اور قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا کہ: "**لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی**" (البقرہ:۲۵۶)

یعنی دین کے معاملے میں کوئی اکراہ اور زبردستی نہیں ہے، ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکی ہے، لہٰذا اب اس آیت کی رو سے جو چاہے ایمان لائے اور چاہئے ایمان نہ لائے، ہمیں کسی پر زبردستی نہیں کرنی ہے۔ اصل بات یہاں سے چلی تھی کہ آزادیٔ اظہار رائے ہونی چاہئے، لہٰذا اگر کوئی اپنی رائے کی آزادی سے اسلام کو چھوڑتا ہے تو اس پر کوئی سزا جاری نہیں کرنی چاہئے۔

آزادیٔ اظہار رائے کا اصول کیسا ہے

محدث جلیل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں!

پہلے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ آزادیٔ فکر اور آزادیٔ اظہار رائے کا اصول کیسا ہے؟ اور کیا یہ ایسا مقدس اصول ہے کہ اس کے نتیجہ میں جو شخص جو چاہے سوچے اور جو چاہے عمل کرے اور جو چاہئے رائے قائم کرے؟ اس پر میں ایک واقعہ بتاتا ہوں۔

ایک عجیب واقعہ

ایک معروف بین الاقوامی ادارہ ہے، جس کا نام ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' ہے اس کا ہیڈ آفس پیرس میں ہے، آج سے کئی سال پہلے اس ادارے کے ایک ریسرچ اسکالر سروے کرنے کے لئے پاکستان آئے،

خدا جانے کیوں وہ میرے پاس انٹرویو لینے کے لئے آگئے، اور آ کر گفتگو شروع کی کہ ہمارا مقصد آزادیٔ فکر اور آزادی اظہار رائے کے لئے کام کرنا ہے، بہت سے لوگ آزادیٔ فکر کی وجہ سے جیلوں میں بند ہیں، اور ایک ایسا غیر متنازعہ موضوع ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہئے، مجھے اس لئے پاکستان بھیجا گیا ہے کہ میں اس موضوع پر مختلف طبقوں کیلئے لوگوں کے خیالات معلوم کروں، میں نے سنا ہے کہ آپ کا بھی مختلف اہل دانش سے تعلق ہے، اس لئے آپ سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔

آزادیٔ اظہار رائے کی کیا حدود و قیود ہونی چاہئیں؟

جب میں نے ان سے اس سروے کے بارے میں معلوم کیا تو میں نے ان کے سوالات کا جواب دینے سے انکار کر دیا، پھر میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ سے کچھ سوالات کروں؟ انہوں نے کہا کہ سوالات کرنے تو میں آیا تھا، آپ سوالات کرلیں، میں نے کہا کہ آپ کا ادارہ دنیا میں آزادیٔ فکر اور آزادیٔ اظہار رائے کو رواج دینے کے لئے کام کر رہا ہے، میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کا کہنا یہ ہے کہ آزادیٔ فکر ہر انسان کا بنیادی حق ہے تو یہ بالکل مطلق من غیر شرط ہے یا اس پر کوئی حدود و قیود عائد ہو سکتی ہیں؟ مثلاً ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ جتنے دولت مند لوگ ہیں، انہوں نے ناجائز طریقے سے دولت کمائی ہے، لہٰذا ان کی ساری دولت لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کرنی چاہئے، پھر وہ لوگوں کو اس کی دعوت دے کہ میں ایک گروہ بنا رہا ہوں جو دولت مند لوگوں پر ڈاکے ڈال کر ان کی دول چھین کر غریبوں میں تقسیم کرے گا، یہ اس شخص کی رائے ہے تو کیا اس کو اپنی اس رائے کے اظہار کی اجازت دی جائے گی یا اس کو روکا جائے گا وہ صاحب کہنے لگے کہ اس کو روکا جائے گا میں نے کہا کہ کیوں روکا جائے گا، اس لئے کہ جب آزدیٔ اظہار رائے ہے، تو اس کے اظہار سے اس کو کیوں روکا جائے گا؟ اگر اس کو روکا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آزدیٔ اظہار رائے بالکل مطلق نہیں ہے، بلکہ وہ کچھ حدود و قیود کی پابند ہے، کچھ شرائط کی پابند ہے کہ ان شرائط کا لحاظ کرنا ہوگا، ان شرائط کے ساتھ اظہار رائے کی آزادی ہوگی تو کیا آپ اس کو مانتے ہیں کہ کچھ قیدیں ہونی چاہئیں؟ انہوں نے کہ ہاں، کچھ قیدیں ہونی چاہئیں، مثلا

میرا خیال یہ ہے کہ آزادیٔ فکر کو اس شرط کا پابند ہونا چاہیئے کہ اس کا نتیجہ دوسروں پر تشدد کی صورت میں ظاہر نہ ہو، میں نے کہا کہ جس طرح آپ نے اپنی سوچ سے ''آزادیٔ فکر'' پر ایک پابندی عائد کر دی اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص اسی قسم کی اور پابندی اپنی سوچ سے عائد کرنا چاہے تو اس کو بھی اس کا اختیار ملنا چاہیئے، ورنہ کیا وجہ ہے آپ کی سوچ پر عمل کیا جائے اور دوسرے کی سوچ پر عمل نہ کیا جائے جس کی بنیاد پر آپ یہ فیصلہ کریں، کہ آزادیٔ فکر پر فلاں قسم کی پابندی پر آپ یہ فیصلہ کریں کہ آزادیٔ فکر پر فلاں قسم کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اس موضوع پر باقاعدہ غور نہیں کیا، میں نے کہا کہ آپ اتنے بڑے عالمی ادارے سے وابستہ ہیں اور اسی کام کے سروے کے لئے آپ جا رہے ہیں لیکن یہ بنیادی سوال کہ آزادیٔ فکر کی کیا حدود ہونی چاہیئے؟ یہ سوال آپ کے ذہن میں نہیں ہے، آپ کا یہ پروگرام مجھے بار آور ہوتا نظر نہیں آتا، کہنے لگے کہ آپ کے یہ خیالات میں اپنے ادارے تک پہنچاؤں گا، اور اس موضوع پر جو ہمارا لٹریچر ہے وہ بھی فراہم کروں گا، یہ کہہ کر انہوں نے میرا پھیکا سا شکریہ ادا کیا اور رخصت ہو گئے۔

بہر حال، اس واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو لوگ آزادیٔ فکر اور آزادیٔ اظہار رائے کے مجمل نعرے لگاتے ہیں، ان کو خود پتہ نہیں کہ کون سی آزادیٔ رائے مطلوب ہے اور کون سی آزادی مطلوب نہیں اور اس آزادی کی حدود و قیود اور شرائط کیا ہیں؟ لہٰذا ان کی بنیاد پر کوئی شخص قرآن و سنت کی نصوص میں تاویلات کرے تو یہ کوئی دانشمندانہ طرز عمل نہیں ہو سکتا۔

منکرین کے استدلال کا جواب

جہاں تک اس آیت قرآنی **''لا اکراہ فی الدین''** دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ (سورۃ البقرۃ) کا تعلق ہے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو زبردستی اولاً اسلام میں داخل نہیں کیا جائے گا، یہ وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا: **''فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ''** ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا ہے، اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا اس نے

ایک مضبوط کنڈا اتھام لیا، جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔(سورۃ البقرۃ:۲۵۶)

اس آیت کا سیاق بتلا رہا ہے کہ جو شخص ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوا، ہم اس کو مجبور نہیں کریں گے، کہ تم ضرور داخل ہو جاؤ، اور اس آیت کے شان نزول سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے ہوتا یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں اسلام سے پہلے بعض مرتبہ بچوں کو یہودی بننے پر مجبور کیا جاتا تھا، جب اسلام آیا تو انصار نے سوچا کہ جب اسلام سے پہلے ہم اپنے بچوں کو یہودی بننے پر مجبور کرتے تھے، تو اب کیوں نہ ہم ان کو اسلام لانے پر مجبور کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کو مجبور نہ کرو۔

مرتد کے قتل کا حکم کیوں ہے؟

لیکن جب ایک شخص ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام کے محاسن سے وہ آگاہ ہو گیا اب اگر وہ اسلام کو چھوڑنا چاہتا ہے تو دارالاسلام میں رہتے ہوئے اس کا یہ عمل فساد کا موجب ہے۔ اگر اسلام چھوڑنا ہے تو دارالاسلام سے نکل جائے اور دارالحرب چلا جائے اور وہاں جا کر جو چاہے کرے، کیونکہ اس پر وہاں ہماری ولایت ہی نہیں ہے، اور دارالاسلام میں رہتے ہوئے اگر وہ اسلام کو چھوڑے گا، تو وہ ایسا ہے جیسے جسم کا ایک عضو فاسد ہو چکا ہو، اب اگر اس عضو کو باقی رکھا جائے گا، تو اس کا فساد دوسرے اعضا کی طرف سرایت کر جائے گا، اس وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: **"من بدل دینه فاقتلوہ"** جو شخص اپنے دین کو بدل دے (مرتد ہو جائے) اس کو قتل کر ڈالو۔

قتل مرتد پر احادیث تقریباً معنیً متواتر ہیں میں نے تکملہ فتح الملہم میں قتل مرتد کی احادیث کا استقصاء کیا تو سترہ احادیث اور آثار سے قتل مرتد کا ثبوت ملتا ہے، اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ قتل مرتد ثابت نہیں۔

منافق کے قتل کا حکم کیوں نہیں؟

سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر منافق کے قتل کا حکم اسلام میں کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نفاق ایک امر باطن ہے، اور دنیاوی سزاؤں کا مدار ظاہر پر ہوتا ہے، ہم کسی کا دل چیر کر یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ

منافق ہے یا مسلمان ہے، اگر نفاق کو موجب قتل قرار دیا جاتا ہے تو اس کا پتہ لگانا ایک آدمی کے لئے ممکن نہیں، اسی وجہ سے ہر مذہب اور ملت میں احکام ظاہر پر ہوتے ہیں، اس لئے مناق کو واجب القتل قرار نہیں دیا گیا، اور مرتد چونکہ علی الاعلان اپنے ارتداد کا اظہار کرتا ہے، اس لئے اس پر قتل کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ کا منافقین کو باوجود معلوم ہونے کے قتل نہ کرنا

سوال یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو تو وحی کے ذریعہ بہت سے منافقین کے بارے میں بتادیا گیا تھا کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں، پھر آپ نے ان کو قتل کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو قتل نہ کرنے کی وجہ آپ نے بتادی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے آپ سے پوچھا کہ آپ منافقین کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر میں ان کو قتل کروں تو دشمنان اسلام یہ پروپیگنڈہ کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں جو اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اس لئے میں ان کو قتل نہیں کرتا۔

مرتد کی سزا کے منکرین کی طرف سے احادیث میں تاویل

جن لوگوں نے مرتد کی سزا قتل ہونے سے انکار کیا ہے، انہوں نے ان احادیث کی جن میں مرتد کی سزا قتل بیان کی گئی ہے، یہ تاویل کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ احادیث **"باغی محارب"** پر محمول ہیں یعنی وہ شخص قتل کیا جائے گا جو مرتد ہونے کے بعد بغاوت بھی کرے، لیکن یہ تاویل ظاہر البطلان ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں فرمایا: **"من بدل دینه فاقتلوه"** اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی اسم مشتق پر کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو مادہ اشتقاق اس کی علت ہوتا ہے اس حدیث میں **"بدل دینه"** پر **اقتلوه** کا حکم لگایا۔ تو تبدیل دین قتل کی علت بنی نہ کہ بغاوت اور محاربہ اس لئے وہ یہاں مذکور ہی نہیں۔ ایک روایت پیچھے گذری ہے جس میں **"التارک لدینه"** کے ساتھ **"المفارق للجماعة"** کا جملہ بھی موجود ہے، بعض

لوگوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ صرف **"ترک دین"** کافی نہیں بلکہ **"مفارقت جماعت"** ضروری ہے وہاں پر میں نے تفصیل سے جواب دیے دیا تھا کہ **"المفارق للجماعة"** یہ صفت کاشفہ ہے **"التارک لدينه"** کے لئے، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں۔

قتل مرتد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

اسکے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح قتل مرتد کے حکم پر عمل کیا ہے وہ بھی اس کی واضح دلیل ہے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کے گورنر تھے، جب آپ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص وہاں بندھا ہوا ہے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مرتد ہوگیا ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنی سواری سے اس وقت تک نہیں اتروں گا جب تک اس کو قتل نہ کیا جائے چنانچہ اس کو قتل کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ بغاوت اور محاربت شرط نہیں، اسی طرح عبد اللہ بن خطل کا واقعہ بخاری شریف میں آتا ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا اور مرتد ہوگیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دے دیا، حالانکہ اس کی طرف سے کوئی بغاوت کہیں منقول نہیں، یہ سب اس کی دلیلیں ہیں کہ صرف ارتداد پر بھی قتل کر دیا جائے گا۔ (درس ترمذی: ۱۱۱۱ر ۱۱۷/ ۵)

سوال: حدیث باب میں جن زندیقوں کا ذکر ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: (۱) وہ لوگ مراد ہیں جو دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے۔

(۲) یمن کے یہودی خاندان کا ایک فرد عبد اللہ بن سبا تھا، اس نے اسلام میں نت نئے فتنے پیدا کئے تھے، اس کے بعض پیروکار مراد ہیں، یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ خدا کہتے ہیں۔

(بذل المجہود: ۴۰۹/ ۱۲)

(۳) زندیق سے مراد مجوسیوں کی ایک قوم جو زرشت مجوس کی اختراع کی ہوئی کتاب "زند" کی پیروی کرنے والے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت سے مصالح کے پیش نظر ان کو جلوا دیا، اور اس کی صورت یہ اپنائی کہ پہلے ایک گڑھا کھدوایا، پھر اس میں آگ جلوائی، اس کے بعد ان سب کو اسی گڑھے

میں ڈال دیا۔(بذل المجہود:۴۰۹/۱۲)

آگ سے جلانا منع ہے

بخاری شریف میں روایت ہے کہ آگ سے عذاب دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ایک جگہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ چیونٹیوں کے بلوں کو آگ میں جلا دیا گیا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا؟ بعض صحابہ نے اقرار کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: **"انه لاینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار"**۔(۳۶۲/۲)

آگ کے رب یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو آگ کا عذاب دینا جائز نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث پر مطلع ہونے سے پہلے آگ کا عذاب دے چکے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سن کر اس کو تسلیم کیا، شرح السنہ میں روایت ہے کہ **"فبلغ علیا فقال صدق ابن عباس"** حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے یہ سزا تجویز کی تھی اور مجتہد سے اگر خطا بھی ہو جائے تو وہ ماجور ہوتا ہے۔

(مستفاد مرقات،۷/۱۰۴، ایضاح المشکوۃ)

سوال: مرتد کو کیوں قتل کیا جاتا ہے؟

جواب: مرتد کا قتل فتنہ کو ختم کرنے کیلئے کیا جاتا ہے، اسلام پر مجبور کرنے کیلئے نہیں۔

(فیض المشکوۃ:۶/۴۰۸)

زندیق کے معنی کیا ہیں؟

زنادقہ یہ زندیق کی جمع ہے اور اس کے معنی کے اندر مختلف اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد بقاء دہر کا قائل ہے جسکو دہریہ کہتے ہیں۔

(۲) نور و ظلمت کا قائل مراد ہے یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا دو ہیں ایک نور اور ایک ظلمت۔

(۳) بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ایمان ظاہر کرے اور دل کے اندر کفر رکھے۔
(۴) یہ معرب ہے زن دین کا یعنی عورتوں جیسا کمزور دین رکھنے والا۔
(۵) بعض نے کہا کہ یہ معرب ہے زندہ دار کا جسکے معنی ہمیشہ رہنے والا اور اس صورت میں دہریے کے معنی میں ہو جائے گا۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا نوراللہ مرقدہ)

زندیق کی تعریف

زندیق ایسا شخص ہے جو ظاہرا و باطناً اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتا ہے، لیکن ضروریات دین کے بعض امور کی ایسی تفسیر کرتا ہے، جو صحابہ کرام و تابعین و جمہور سلف و خلف کی تفسیر کے خلاف ہو یا جو دلیل قطعی سے ثابت شدہ مسئلہ کے خلاف ہو اگر چہ لغت کے اعتبار سے اس کی تفسیر صحیح ہو جیسا کہ جنت و جہنم کی حقانیت کا اعتقاد رکھتا ہے، اور اقرار بھی کرتا ہے، لیکن اس سے کوئی خاص مقام و جگہ مراد نہیں بلکہ جنت سے قلبی راحت و اطمینان مراد ہے جو ملکات محمودہ سے حاصل ہوتا ہے، اور جہنم سے مراد قلبی حزن و پریشانی جو ملکات مذمومہ سے حاصل ہوتی ہے، خارج میں کوئی جنت و دوزخ نہیں ہے یہ جمہور امت کے خلاف تفسیر ہے۔ بناء بریں ایسا آدمی زندیق و ملحد ہے۔

یا ورفعنا فوقہم الطور: سے پہاڑ اٹھا کر ان کے سر کے اوپر رکھنا مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اونچی پہاڑی کے نیچے سے جا رہے تھے تو گویا پہاڑ ان کے سر کے اوپر رکھ دیا گیا۔ یہ بھی جمہور امت کی تفسیر کے خلاف ہے وہ شخص بھی زندیق ہوگا، اسی پر دوسرے مسائل کو قیاس کرلو۔

(درس مشکوۃ: ۳/۷۷)

آگ میں جلانے کی ممانعت

{۳۳۸۰} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا اِلَّا اللهُ۔

(رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۱۵، باب التودیع، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۹۵۴۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک آگ کے ذریعہ سے صرف اللہ تعالیٰ ہی سزا دے سکتے ہیں۔ (بخاری)

تشریح: آگ کے ذریعہ سے سزا دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، کسی انسان کے لئے قطعاً روا نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کو آگ میں جلانے کی سزا دے۔

ان النار لا یعذب بہا الا اللہ: اسلامی قانون یہی ہے کہ جرم خواہ کتنا ہی سنگین ہو مجرم کو جلانے کا اختیار کسی کو نہیں ہے، آگ کا عذاب سخت ترین عذاب ہے، اس عذاب سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو بندوں کو دو چار کرنے کا حق و اختیار رکھتے ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لا رہی تھی تو دو قریشی لوگوں نے جن میں سے ایک کا نام ہبار بن اسود اور دوسرے کا نام نافع بن عبد قیس تھا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سے گرا دیا تھا، جس سے حمل ساقط ہو گیا تھا، چوں کہ یہ بہت بڑا جرم تھا اس لئے بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا تو ان دونوں آدمیوں کا نام لے کر فرمایا کہ اگر یہ دونوں مل جائیں تو ان دونوں کو آگ میں جلا دینا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم سفر پر رخصت ہونے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں کو آگ میں جلا دینا۔

اصل بات یہ ہے کہ **"ان النار لا یعذب بہا الا اللہ فان اخذتموھما فاقتلوھما"** آگ سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی سزا نہیں دے گا، اس لئے اب اگر تم لوگ ان دونوں کو پکڑ لو تو دونوں کو قتل کر دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلانے کا حکم کیا پھر منع کر دیا، معلوم ہوا کہ جلانے کی اجازت نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر **"احراق بالنار"** کا حکم گویا کہ منسوخ کر دیا گیا۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۰۸)

احراق یعنی جلانے سے متعلق چند ضروری احکام

رسول اللہ ﷺ نے کسی جاندار کو جلانے کی سزا دینے سے منع فرمایا ہے اس لئے جنگ میں بھی اگر دشمن قابو میں آجائے تو اسے جلانا نہیں چاہئے، ہاں اگر دشمن قابو سے باہر ہو اور ان کی سرکوبی کے لئے ان کی آبادیوں پر آگ لگانا ناگزیر ہوجائے تو آگ لگائی جاسکتی ہے، اور اگر اس کی زد میں کوئی جاندار بھی آگیا تو مجاہدین اس معاملہ میں معذور سمجھے جائیں گے۔(ہدایہ:۵۶۰/۲)

لانہ احرق البویرۃ، (مسلم شریف:۵۸/۲،بخاری شریف:۵۷۵/۲)

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے کھٹمل بچھو کے جلانے کو بھی مکروہ لکھا ہے اور چیونٹیوں اور ان کے گھروں کو بھی جلانے سے منع کیا ہے۔(فتاوی عالم گیری:۳۶۱/۵)

ہاں اگر کوئی بدبخت کسی جانور سے خواہشات نفسانی کی تکمیل کرے تو ذبح کے بعد اس جانور کو جلا دیا جائے تاکہ لوگوں کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔(ترمذی شریف:فتاوی عالمگیری:۳۶۱/۵)

جلانے کی وجہ سے پاکی

بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو جلانے کی وجہ سے پاک ہوجاتی ہیں چنانچہ اگر پاخانہ، لید وغیرہ کو جلا دیا جائے اور وہ راکھ بن جائے یا بکری کا سر خون میں شرابور ہو یا ناپاک مٹی کے برتن بنیں اور پکائے جائیں یا تنور کو ناپاک پانی یا گوبر وغیرہ سے لیسا جائے پھر آگ کے ذریعہ سے اس کی تراوٹ بالکل ختم ہوجائے ان تمام صورتوں میں مذکورہ چیزیں پاک ہوجائیں گی۔

(فتاوی عالم گیری:۴۴/۱،قاموس الفقہ:۴۳/۲)

فرقۂ خوارج کی نشانیاں اور ان کے قتل کا حکم

{۳۳۸۱} **وَعَنْ** عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ حُدَّاثُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ إِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَأَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَإِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۲۴، باب قتل الخوارج، کتاب استتابة المرتدین، حدیث نمبر: ۶۹۳۰، مسلم شریف: ۱/۳۴۲، باب التحریض علی قتل الخوارج، کتاب الزکاۃ حدیث نمبر: ۱۰۶۶۔

حل لغات: **البریئة:** خلق خدا، **جاوزہ الطریق:** گذر جانا، پار کرنا، **الحنجرة:** گلا، نرخرہ، سانس کی نالی، جمع، **جناجر، مرق السهم من الرمیة:** تیر کا نشانہ کو چیرتے ہوئے دوسری طرف سے تیزی کے ساتھ نکل جانا، آر پار ہو جانا، **الرمیة:** تیر پھینک کر جسے شکار کیا جائے، شکار۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب آخر زمانے میں ایک قوم نکلے گی، یہ عمر میں کم ہوں گی، اور عقل میں ہلکے ہوں گے، ساری مخلوق کے کلام سے بہتر باتیں کہیں گے، لیکن ان کا ایمان ان کی حلقوں سے نیچے نہیں اترا ہوگا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو، کیوں کہ ان کا قتل کرنا قاتل کے لئے قیامت کے دن باعث ثواب ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ خوارج کے ظہور کی پیشین گوئی فرمائی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی معجزہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فرقہ کے ظہور کی نشاندہی فرمائی تھی، اس کا ظہور بھی ہوا اور جن علامات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ کیا تھا ان علامات سے یہ فرقہ متصف بھی تھا، یہ فرقہ قرآن کریم کی آیات پڑھ کر اس سے غلط استدلال کرتا تھا اور اس کے افراد زبان سے لمبی چوڑی باتیں کرنے والے تھے لیکن ان کے دل ایمان سے خالی تھے، یہ فرقہ دین اسلام سے مکمل طور پر خارج ہوگیا تھا، اور مرتد ہوگیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی، لیکن جب سمجھانے بجھانے سے کام نہیں چلا تو ان سے قتال کیا۔

یقولون من خیر البریة: جاننا چاہئے کہ مشکوۃ کے عام نسخوں میں تو عبارت یوں ہی ہے یعنی "**من خیر قول البریة**" یعنی قول پر بریہ مقدم ہے اور مصابیح میں جو کہ مشکوۃ کی اصل ہے اس میں من قول "**خیر البریة**" ہے۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا قدس سرہ)

علامہ اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "**خیر البریه**" سے مراد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ "**بخیر قول البریه**" سے مراد قرآن کریم ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی مراد اولیٰ ہے اور معنی ہیں "**یاخذون من خیر مایتکلم به البریة**" اس کی تائید ابن عمر کی اس روایت سے ہوتی ہے، "**الخوارج شرار خلق الله**" اور وہ فرماتے ہیں: "**انهم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین**" اور ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "**یدعون الی کتاب الله ولیسوا منه فی شئ**" جملہ کا مفہوم علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا کہ مخلوق جن چیزوں سے بات کرتی ہے ان میں سے بہتر کو نقل کریں گے اور تمام علائق وعوائق سے نجات یافتہ ہونے کا دعویٰ کریں گے یعنی دنیا کے تمام جھمیلوں سے نجات پاچکے ہیں، بس اب پیش نظر آخرت ہی ہے۔

زبان سے ہی ایمان کی لمبی چوڑی باتیں کریں گے لیکن یہ سب منافقت سے ہوگا اور اصل ایمان یعنی قلب کی تصدیق ان کو حاصل نہ ہوگی یہ زبانی ایمان حلق سے تجاوز نہیں کرے گا، یعنی قلب تک نہیں پہنچے گا واللہ اعلم۔

اس حدیث میں یہ صفت اسی فرقہ خارجیہ کی بیان ہوئی ہے یہ فرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں پیدا ہوا۔ یہ امام کی اطاعت سے منحرف تھا اور تلواروں کے ذریعہ لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے، چنانچہ ان کے اسی فساد کے برپا کرنے کی وجہ سے ان میں سے بہتوں کو قتل کیا گیا علماء مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ خوارج مسلمانوں میں کا ایک گمراہ فرقہ ہے اور انہوں نے ان کے یہاں رشتہ مناکحت کی اجازت دی ہے اور ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے اور ان کی شہادت کو قبول کیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کیا خوارج کافر ہیں انہوں نے کہا وہ کفر سے نکل بھاگے ہیں پوچھا گیا تو کیا وہ منافق ہیں تو انہوں نے فرمایا: "**ان المنافقین، الآیه**۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بے شک منافقین اللہ کا ذکر بہت تھوڑا سا کرتے ہیں۔ "**وهولاء یذکرون الله بکرة واصیلا**" یعنی یہ لوگ

اللہ کو صبح وشام یاد کرتے ہیں پوچھا گیا کہ پھر وہ کون اور کیا ہیں؟ فرمایا یہ وہ قوم ہے جن پر فتنہ پہنچا تو یہ بہرے گونگے ہو گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان جوابات سے علماء اسلام کے اجماع کی تائید ہو رہی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ علماء اسلام کا یہی مستدل ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۴/۴۸، شرح الطیبی: ۷/۱۲۲، انوار المصابیح: ۶/۴۹۷)

فرقہ خوارج سے متعلق پیشین گوئی

{۳۳۸۲} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ اُمَّتِیْ فِرْقَتَیْنِ فَیَخْرُجُ مِنَ بَیْنِہِمَا مَارِقَۃٌ یَلِیْ قَتْلَہُمْ اَوْلَاھُمْ بِالْحَقِّ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۳۴۲، باب ذکر الخوارج، کتاب الزکوۃ، حدیث نمبر: ۱۰۶۴۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میری امت دو فرقوں میں تقسیم ہوگی، تو ان دونوں سے ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی، جو نکلنے والی ہوگی، ان کے قتل کا انتظام وہ کرے گا، جو حق کے زیادہ قریب ہوگا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہوا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف زیادہ درست تھا، اور وہ حق کے زیادہ قریب تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی مسلمانوں سے علاحدہ ہو کر مرتد ہونے والی جماعت خوارج سے قتال کیا تھا، اور خارجیوں کو تہہ تیغ کیا تھا۔ عبد الملک فرماتے ہیں کہ ان کو قتل کیا یہاں تک کہ وہ وہاں سے حضر موت اور بحرین کی طرف یہ بھاگ کھڑے ہوئے اور علامہ شرف الدین طیبی نے فرمایا کہ اسکا بھی احتمال ہے کہ حق سے مراد واللہ تعالیٰ کی خلت ہو اس لئے کہ آئندہ حدیث میں یہ مذکور ہے۔ (شرح الطیبی: ۷/۱۱۳)

یکون امتی فرقتین: مسلمان دو فرقوں میں تقسیم ہوں گے، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کا باہم دو جماعتوں میں تقسیم ہونا مراد ہے،

"فیخرج" مسلمانوں کے اختلاف کے موقع پر ایک جماعت مسلمانوں ہی سے کٹ جائے گی اور دین اسلام سے بالکلیہ نکل جائے گی اس جماعت کا مصداق خوارج ہیں، جو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اختلاف کے وقت علاحدہ ہو گئے تھے، اور انہوں نے باطل نظریات اختیار کر لئے تھے، **"یلی قتلهم"** خوارج سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے قتال کیا معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۱۱۰)

حجۃ الوداع میں خاص نصیحت

{۳۳۸۳} **وَعَنْ** جَرِيْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۴۸، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ترجعوا بعدی کفارا، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ۷۰۸۰، مسلم شریف: ۱/۵۸، باب بیان معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ترجعوا بعدی کفارا، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۱۸۔

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ میرے بعد ہرگز ہرگز کافر ہو کر مت پھر جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردن مارنے لگے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مسلمانوں کو قتل کرنا کافروں کا عمل ہے، لہٰذا اگر مسلمان کسی مسلمان کو قتل کرتا ہے تو وہ کافروں کا عمل انجام دیتا ہے، لہٰذا اس گناہ کی وجہ سے کفر میں پڑنے کا خطرہ ہے اس لئے اس عظیم گناہ ہی سے نہیں بلکہ ان اسباب سے بھی بچنا چاہئے جو اس گناہ کا سبب بن سکتے ہوں۔

لا ترجعن بعدی کفاراً: میرے بعد کفر کی طرف مت لوٹ جانا، **"بعدی"** ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ منی کے میدان سے الگ ہونے کے بعد ایسا نہ کر بیٹھنا اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میری موت

کے بعد ایسانہ کرنا، یعنی مسلمانوں کی گردن مار کر کفر نہ اختیار کرنا، اسلام اگرچہ شہادتین کا نام ہے مگر اس کے کچھ مخصوص افعال بھی ہیں، جو اس کی شہادت باطنی کے گواہ کہلاتے ہیں، ان افعال کو شہادتین کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہے گویا یہ افعال ان کا ایک قالب ہیں اس لئے ان کا اختیار کر لینا اسلام اور ان کا ترک کرنا کفر سے موسوم ہوتا ہے، اسی طرح کفر اگرچہ اسلامی عقائد کے برخلاف عقائد کا نام ہے، لیکن کفر کی زندگی کے بھی کچھ لوازم ہیں جو بعض اوقات خود تو کفر نہیں ہوتے، مگر انسان کے کافر ہونے میں ثبوت شمار ہوتے ہیں، حدیث میں اس قسم کے افعال کو بھی کفر کے افعال کہا گیا ہے اور مؤمن کے لئے یہ پسند نہیں کیا گیا کہ اس کی زندگی میں یہ افعال کفر نظر آئیں، اسلام کے بعد اس قسم کے افعال اختیار کرنے سے کافر تو نہیں کہا جا سکتا مگر اس کفر نما اسلام کو اسلام کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، مسلمانوں کو چاہیئے کہ جس طرح وہ کفر وشرک سے بچتا ہے اسی طرح ایسے افعال سے بھی بچتا رہے جن کو کفر کی زندگی کے افعال سے بہت ہی قریبی علاقہ ہو۔ (فتح الملہم)

کافر ہونے کی علماء نے بہت سی توجیہات نقل کی ہیں جن میں چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) کافر ہونے کی ایک صورت یہ بتائی جارہی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو، مطلب یہ ہے کہ تم پر مسلمانوں کا حق ہے تم بجائے اس کا حق ادا کرنے کے اس کو قتل کرنے لگو، یہ سراسر ناسپاسی اور ناشکری ہے، اسی حق ناسپاسی کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، غرض کافر کہنا لغوی معنی کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقتاً۔

(۲) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے خطابی کے حوالے سے یہ توجیہ بھی نقل کی ہے کہ کافر اس صورت میں ہوگا کہ جب کہ ایک دوسرے کی تکفیر کر کے باہمی قتل کو مباح سمجھ بیٹھے۔

(۳) اس سے مراد یہ ہے کہ میرے بعد ایسا عمل یعنی قتل وقتال مت کر لینا جو کفر اور سوئے خاتمہ تک پہنچادے۔

(۴) یہ مراد ہے کہ کافر کی مشابہت مت اختیار کرنا، کہ قتل وخون ریزی کافروں کا فعل ہے قاتل کو کفار سے مشابہت ہو جاتی ہے۔

"قال الطیبی واظھر الاقوال القول الرابع وھو اختیار القاضی عیاض"

(: ۱۲۴/۷، فیض المشکوۃ: ۴/۴۱۲/۶)

قال الشیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ: **"لاترجعن بعدی"** اس کا مطلب کیا ہے؟

جواب (١) اس سے مراد استحلال ہے۔ یعنی قتل مؤمن کو حلال سمجھ کر قتل کرنا۔

جواب (٢) اس کا مطلب ہے کہ کفار جیسے افعال نہ کرو۔

جواب (٣) اسکا مطلب یہ ہے کہ ایسے افعال نہ کرو جو کفر تک مفضی ہوں۔ (تقریر حضرت شیخ قدس سرہ)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک تمام اقوال میں زیادہ پسندیدہ قول یہ ہے کہ "تم میرے بعد کافر مت ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنوں کو مارو" یعنی کفر سے قریب کرنے والا یہ فعل ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ٤٩/ ٤)

قاتل اور مقتول کا حکم

{٣٣٨٤} **وَعَنْ** اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ حَمَلَ اَحَدُھُمَا عَلٰی اَخِیْہِ السِّلَاحَ فَھُمَا فِیْ جُرُفِ جَھَنَّمَ فَاِذَا قَتَلَ اَحَدُھُمَا صَاحِبَہٗ دَخَلَاھَا جَمِیْعًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْہُ قَالَ اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ بِسَیْفَیْھِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ قُلْتُ ھٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ قَالَ اِنَّہٗ کَانَ حَرِیْصًا عَلٰی قَتْلِ صَاحِبِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ١٠١٥/٢، باب اذا توجہ المسلمان، کتاب الفتن، حدیث نمبر: ٢٨٨٨، مسلم شریف: ٣٨٩/١، (الروایۃ الثانیۃ) باب قول اللہ تعالیٰ من حیاھا، کتاب الدیات، حدیث نمبر: ٦٨٧٥۔

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان آپس میں اس طور پر ملیں کہ ان میں سے ایک اپنے بھائی پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں جہنم کے کنارے پہنچ جاتے ہیں پھر اگر ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو دونوں ساتھ

میں جہنم میں داخل ہو گئے، اور ایک روایت میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ باہم لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہیں، میں نے عرض کیا کہ قاتل کی سزا تو معلوم ہے، مقتول کا جرم کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا آرزومند تھا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اگر مسلمان آپس میں قتل وقتال کر رہے ہیں اور مقصود ملک گیری، ذاتی رنجش یا عصبیت وغیرہ ہے تو قاتل ومقتول دونوں جہنمی ہوں گے، دونوں کو اس لئے جہنمی قرار دیا ہے کہ دونوں کا ارادہ اور جرم ایک ہی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ایک اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا اور دوسرا ناکام ہو گیا۔

اذا التقی المسلمان: دو مسلمان باہم جنگ کریں تو دونوں جہنمی ہیں۔

اشکال: صحابہ کرام میں باہمی جنگیں ہوئیں ہیں، اور مسلمان باہم قتل وقتال کے مرتکب ہوئے ہیں، ان کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ جہنمی ہیں؟

جواب: اگر جنگ حق کی بنیاد پر ہے تو قاتل بھی جنتی ہے مقتول بھی جنتی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مابین جو جنگیں ہوئیں ہیں وہ اقتدار یا ذاتی مفادات کی خاطر نہیں ہوئیں ہیں، بلکہ حق کی بنیاد پر ہوئی ہیں، مثلاً جنگ جمل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تو جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق سمجھ کر ان کے ساتھ شریک ہوئے وہ قاتل ہوں یا مقتول جنتی ہیں اور جو لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حق سمجھ کر ان کے ساتھ ہوئے وہ بھی جنتی ہیں خواہ قاتل ہوں یا مقتول، البتہ جو منافق اور بلوائی حق کی بنیاد پر نہیں بلکہ اسلام کو نقصان پہنچانے یا ذاتی رنجش مٹانے کے لئے جنگ میں شریک ہوئے وہ کسی بھی جماعت سے وابستہ ہوئے جہنمی ہیں چاہے وہ قاتل ہوں یا مقتول۔

فائدہ: اگر کوئی شخص غلط کام پر پورے طور پر آمادہ ہو جائے پھر کسی خارجی سبب کی وجہ سے نہ کر سکے تو بھی قابل مواخذہ ہوگا۔ (فیض المشکوۃ: ۶/۴۱۲)

عرنیین کا واقعہ

{۳۳۸۵} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَدِمَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِنْ عُکْلٍ فَاَسْلَمُوْا فَاجْتَوَوُا الْمَدِیْنَۃَ فَاَمَرَھُمْ اَنْ یَاْتُوْا اِبِلَ الصَّدَقَۃِ فَیَشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِھَا وَاَلْبَانِھَا فَفَعَلُوْا فَصَحُّوْا فَارْتَدُّوْا وَقَتَلُوْا رُعَاتَھَا وَاسْتَاقُوْا الْاِبِلَ فَبَعَثَ فِیْ آثَارِھِمْ فَاُتِیَ بِھِمْ فَقَطَعَ اَیْدِیَھُمْ وَاَرْجُلَھُمْ وَسَمَلَ اَعْیُنَھُمْ ثُمَّ لَمْ یَحْسِمْھُمْ حَتّٰی مَاتُوْا وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَسَمَّرُوْا اَعْیُنَھُمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَمَرَ بِمَسَامِیْرَ فَاُحْمِیَتْ فَکَحَلَھُمْ بِھَا وَطَرَحَھُمْ بِالْحَرَّۃِ یَسْتَسْقُوْنَ فَمَا یُسْقَوْنَ حَتّٰی مَاتُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۱۰۰۵، باب المحاربین، من اہل الکفر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۶۸۰۳، مسلم شریف: ۲/۵۷، باب حکم المحاربین، کتاب القسامۃ، حدیث نمبر: ۱۶۷۱۔

حل لغات: **اجتوی الطعام:** ناپسند کرنا، ناموافق آنا، **اصح الشیء صحاً:** بیمار کا تندرست ہونا وغیرہ، **اساقہ:** مضارع، **ساق**، ہانکنے سے، چلنا، پیچھے چلنا، آثار، **جمع الاثر**، کی، نشان، **اثر فی اثرہ**، اس کے پیچھے، **سمل العین:** آنکھ پھوڑنا، **حسم العرق:** رگ کو کاٹ کر خون بند کرنے کے لئے داغ دینا، **سمر الخشب:** لکڑی میں کیل ٹھونکنا، **مسامیر**، جمع ہے، **مسمار**، کی کیل، میخ، **کحل:** سرمہ یا آنکھ میں ڈالی جانے والی کوئی بھی خشک چیز، **استسقی فلانا**، کسی سے پانی مانگنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور وہ مسلمان ہو گئے، مدینہ کی آب وہوا ان کو موافق نہ آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ زکوۃ کے اونٹوں کے پاس چلے جائیں اور وہاں ان کا پیشاب اور دودھ پئیں، چنانچہ انہوں نے یہ کیا تو وہ تندرست ہو گئے، پھر وہ دین سے پھر گئے، اور انہوں نے چرواہوں کو قتل کر دیا، اور

اونٹوں کو ہانک کر لے گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے پیچھے لوگوں کو بھیجا، چنانچہ وہ ان لوگوں کو پکڑ لائے، پھر ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں پھر ابھی انہیں داغا نہیں گیا تھا کہ وہ مر گئے، اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی آنکھوں میں سلائیں ڈالی گئیں، جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سلائیں ڈالنے کا حکم کیا تو انہیں گرم کیا گیا، پھر ان کی آنکھوں میں ان کو پھیرا گیا، اس کے بعد ان لوگوں کو کالے پتھر والے علاقہ میں ڈال دیا گیا، جہاں یہ پانی مانگتے تھے تو ان کو پانی نہیں دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

تشریح: حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس مسئلہ پر مستقل کتاب کا عنوان اختیار کیا ہے، **"کتاب المحاربین من اھل الکفر و الردۃ"** اور پھر اس کے تحت چند ابواب ذکر فرمائے، بظاہر اس لئے کہ یہ مسئلہ کافی وسیع الذیل ہے۔

یہ حدیث حدیث العرنیین کے ساتھ مشہور ہے امام ترمذی نے تو اسکو کتاب الطہارۃ میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ اس میں **"بول ماکول اللحم"** کی طہارت اور نجاست کا مسئلہ ہے اور کتاب الاطعمہ میں بھی مختصراً ذکر فرمایا ہے اور امام ابوداؤد نے اس کو کتاب الحدود میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ اس حدیث میں حد اور مثلہ وغیرہ کا ذکر ہے، اور نسائی میں دونوں جگہ ہے اور صحیح بخاری میں تو دسیوں جگہ ہے۔ **(اخرجه البخاری فی تسع مواضع، انظر،** ۳۶ /۱، ۲۰۳ /۱، ۶۰۲ /۱، ۶۶۳ /۲، ۸۴۸ /۲، ۸۵۲ /۲، ۱۰۰۵ /۲، ۱۰۱۹ /۲)

عکل اور عرینہ یہ مستقل دو قبیلے ہیں اگر چہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں لیکن حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو وہم قرار دیا ہے، اس روایت میں تو شک کے ساتھ ہے اور بعض روایات میں صرف عکل اور بعض میں صرف **عرینہ**، اور بعض میں **"من عکل وعرینہ**" عطف کے ساتھ ہے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہی صواب ہے اس لئے کہ ایک روایت میں طبرانی کی یہ ہے کہ ان میں چار **عرینہ** کے تھے اور تین قبیلہ **عکل** کے اور بعض روایات میں ان کا آٹھ ہونا مذکور رہے۔ **"قال الحافظ لعل الثامن لیس منھما کما فی الفیض السمائی"**

ان لوگوں کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے تو ان کو وہاں کی آب و ہوا موافق نہ آئی، ایک روایت میں ہے، **"فعظمت**

بطونهم کمافی التحفة" کہ مدینہ منورہ کی غذا موافق نہ آنے کی وجہ سے ان کے معدے خراب ہوگئے اور نفخ کی شکایت ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں چند دودھ والی اونٹنیوں کا حکم فرمایا، اور ترمذی کے لفظ یہ ہیں "**فبعثهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ابل الصدقة**" اور آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب پیا کرو، چنانچہ وہ لوگ وہاں چلے گئے اور وہاں جا کر ان کا دودھ اور پیشاب پیا لیکن جب تندرست ہوگئے تو انہوں نے یہ حرکت کی کہ آنحضرت ﷺ کے چرواہے کو قتل کر ڈالا اور ان اونٹوں کو تیزی کے ساتھ ہانک کر لے گئے، جب حضور اکرم ﷺ کو اس قصہ کا علم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ان کے تعاقب میں گھوڑ سواروں کی ایک جماعت کو بھیجدیا، آنحضرت ﷺ نے علی الصباح اس دستہ کو ان کے تعاقب میں بھیجا تھا، تو یہ لوگ ان کو بہت جلد دن چڑھنے سے پہلے پکڑ کر لے آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ ان کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یعنی ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں جیسا کہ ترمذی میں ہے، "**فقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف**" اور دوسری سزا ان کو یہ دی گئی کہ سلائیاں گرم کر کے ان کی آنکھوں میں پھیری گئیں دوسری روایت میں ہے، "**فامر بمسامیر فاحمیت فکحلهم**" یہ مسمار کی جمع ہے، یعنی لوہے کی میخ، اور مقام حرہ میں ان کو ڈالدیا گیا پانی طلب کرتے تھے لیکن ان کی فرمائش پوری نہیں کی گئی۔

اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو پینے کے لئے پانی کیوں نہیں دیا گیا اسلئے یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جس مجرم کی سزا قتل ہو اگر وہ پانی طلب کرے تو منع نہیں کیا جائے گا، اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں۔

بعض نے کہا یہ صحابہ کی جانب سے تھا انہوں نے اپنے اجتہاد سے ایسا کیا تھا نہ کہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے، "**قال الحافظ، وهو ضعيف جدا لان النبي صلى الله عليه وسلم اطلع علی ذالک وسکوته کاف فی ثبوت الحکم**" اس لئے کہ ان لوگوں نے ناشکری کی تھی "**البان ابل**" کے ساتھ جس سے ان کو شفا حاصل ہوئی تھی، یعنی سیرابی کی ناشکری میں یہ سزا دی گئی کہ انکو پیاسا مارا گیا اور سیراب نہیں کیا گیا۔ اسلئے ان کو سزا بھی وہی دی گئی جس کی انہوں نے ناشکری کی، علامہ

سندی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایسا قصاصا کیا گیا کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راعی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا یعنی اسکو پیاسا مارا تھا، چنانچہ نسائی کی ایک روایت میں ہے **"اللھم عطش من عطش آل محمد"**

فائدہ: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اگر صرف وضو کا پانی ہو اور مرتد پیاس سے مر رہا ہو تو وضو کرنا چاہئے اور مرتد کو پیاسا مرنے دینا چاہئے۔ (فیض المشکوۃ: ۳۱۳/۶، مرقاۃ: ۵۱/۴)

قال ابو قلابة فھؤلاء قوم سرقوا وقتلوا وکفروا بعد ایمانھم وحاربوا اللہ ورسوله: ابوقلابہ کا مقصد جو راوی حدیث ہیں عرنیین کی شدت جنایت کو بیان کرنا ہے کہ انہوں نے بہت سے جرائم کا ارتکاب کیا تھا اسی لئے ان کو اتنی سخت سزا دی گئی، چنانچہ ابو داؤد شریف میں ہے: **"وھم الذین اخبر عنھم انس بن مالک الحجاج حین سأله:** یعنی حجاج بن یوسف نے کسی موقع پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سزائیں دی ہیں ان میں تمہارے نزدیک سب سے شدید ترین عقوبت کون سی ہے؟ تو انہوں نے اس پر قصہ عرنیین ہی کو بیان کیا تھا روایت میں ہے، **"فقطع ارجلھم وایدیھم وماحسمھم"** کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں قطع کرنے کے بعد ان کو داغ نہیں دیا تھا، اس لئے کہ سارق کو قطع ید کے بعد جو داغ دیا جاتا ہے وہ تو اس لئے کہ سارا خون بہہ کر وہ ہلاک نہ ہو جائے حالانکہ اس کو ہلاک کرنا مقصود نہیں بخلاف عرنیین کے کہ ان کو ہلاک کرنا ہی مقصود تھا۔

عن انس بن مالک بھٰذا الحدیث فانزل اللہ تعالیٰ فی ذالک، انما جزاءا لذین یحاربون اللہ ورسوله ویسعون فی الارض فسادا: اس بارے میں روایات اور علماء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ آیت محاربہ کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، **"وکتب الشیخ فی الابواب والتراجم: ۲۲۱/۶، ذکر فی ھامش اللامع اختلاف العلماء فی تعیین من نزلت ھٰذہ الآیة فی حقھم بالبسط وابسط منه فی الجزء السادس من الاوجز فقد ذکر فیه ان فی آیة المحاربة ثلاثة مسائل الاولیٰ انه فی الکفرة او فی المسلمین الثانیة فی تعریف المحارب الثالثة ان الاحکام الاربعة فی الآیة علی التخییر والتنویع"** نیز اس میں لکھا ہے **"والجمھور علی انھا نزلت فی قطاع الطریق"** اور قطع طریق کی چار قسمیں ہیں بدائع کے حوالہ سے آگے آرہی ہیں۔

ایک قول تو اس میں یہ ہوا کہ عرنیین کے بارے میں نازل ہوئی حسن رحمۃ اللہ علیہ اور عطا رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول بھی یہی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس میں یہ ہے کہ یہ مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ آگے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں آرہا ہے اور جمہور کی رائے یہ ہے کہ عرنیین کی تخصیص نہیں بلکہ مطلقاً **"قطاع الطریق"** اور **"مفسدین فی الارض"** کے بارے میں ہے، حافظ فرماتے ہیں: قول معتمد یہ ہے کہ آیت کا نزول تو عرنیین ہی کے بارے مین ہوا اولاً جوکہ مرتد تھے لیکن یہ آیت اپنے عموم الفاظ کی وجہ سے مسلمان مفسدین اور قاطعین طریق کو بھی شامل ہے، لیکن سزا دونوں کی الگ الگ ہوگی۔

وضاحت: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت عمدہ بات فرمائی کہ **"فمایسقون"** ان کو پانی نہیں دیا گیا لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا تھا اور نہ یہ ہے کہ ان کو پانی دینے سے منع فرمایا تھا اور یہ دلالت **"یسقون"** کے مجہول ہونے کی وجہ سے بالکل واضح ہے، چنانچہ اس پر اتفاق ہے کہ جس کا قتل کیا جانا واجب ہو چکا ہو اور وہ پانی مانگے تو قصداً پانی سے اس کو روکا نہیں جائے گا، اس لئے کہ اس طرح اس پر دو سزائیں جمع ہو جائیں گی۔

عقوبت قطاع الطریق واختلاف علماء

اولا قطع طریق کی تعریف: اب یہ کہ قطع طریق کی حقیقت کیا ہے؟ جوکہ سرقہ کی ایک بڑی قسم ہے، زیلعی علی الکنز میں باب قطع الطریق کے شروع میں لکھا ہے: **"شرائط قطع الطریق فی ظاھر الروایۃ ثلاثہ"** یعنی **"مایختص بہ دون السرقۃ الصغری ثلاثۃ ان یکون من قوم لھم قوۃ وشوکۃ تنقطع بھم الطریق وان لا یکون فی مصر ولا فی مابین القریٰ ولا بین مصرین وان یکون بینھم وبین المصر مسیرۃ سفر لان قطع الطریق انما یکون بانقطاع المارۃ ولا ینقطعون فی ھذہ المواضع عن الطریق لانھم یلحقھم الغوث من جھۃ الامام والمسلمین ساعۃ بعد ساعۃ فلا یترک المرور والاستطراق وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انھم**

لو کانوا فی المصر لیلا او فیما بینه وبین المصر اقل من مسیرۃ سفر تجری علیهم احکام قطاع الطریق وعلیه الفتوی لمصلحۃ الناس وهی دفع شر المتغلبۃ المتلصصۃ" یعنی قطع طریق کی حقیقت یہ ہے کہ لٹیروں اور مفسدین کی اتنی بڑی جماعت یا قوت وشوکت ایسی ہو جو قطع طریق کرسکے یعنی راستہ چلنا بند کرسکے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے جب یہ کام شہر میں یا دو شہروں کے بیچ میں نہ ہو، ایسے ہی چند دیہاتوں کے بیچ میں بھی نہ ہو نیز یہ کہ ان قطاع الطریق اور شہر کے درمیان فاصلہ مسافت سفر کے بقدر ہو اسلئے کہ یہ مواضع ایسے ہیں جہاں حکومت کی طرف سے اور ایسے ہی عام پبلک کی طرف سے مدد پہنچ سکتی ہے اور مرور منقطع نہیں ہوسکتا اسی لئے یہ قیود لگائی گئیں کہ ایسے مواضع نہ ہوں اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر یہ لوگ شہر میں ہوں اور وقت رات کا ہو یا ان کے اور شہر کے درمیان مسافت سفر سے کم فاصلہ ہو تب بھی ان پر قطاع الطریق کے احکام جاری کئے جائیں گے لوگوں کی مصلحت اور ان باغیوں کے دفع شر کے لئے۔

اصل مقصد کو دیکھئے

اگر یہ قطاع الطریق اور مفسدین کفار ہوں کے اس میں تو امام کو اختیار ہوگا جب ان پر قابو پالے کہ جو چاہے سزا دے اور اگر وہ مسلم ہوں تو امام مالک کی رائے تو یہ ہے کہ وہاں بھی امام کے لئے تخییر ہے، اور جمہور علماء حنفیہ شافعیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ نوعیت جرم کو دیکھا جائیگا اور اسکے اعتبار سے پھر ان کو سزا دی جائے گی لہٰذا آیت کریمہ **"ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض"** ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا انہیں زمین سے دور کر دیا جائے۔ (سورۃ المائدہ) میں لفظ او تفصیل اور تنویع کے لئے ہے بخلاف امام مالک کے کہ ان کے نزدیک للتخییر ہے، چنانچہ بدائع الصنائع میں حنفیہ کے مسلک کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ قطع طریق کی چار صورتیں ہیں:

(۱)...... باخذ المال فقط۔

(۲)...... بالقتل فقط۔

(۳)......باخذ المال والقتل۔
(۴)......بالتخویف فقط۔

احکام

پہلی صورت میں صرف قطع ید اور رجل ہوگا اور دوسری صورت میں صرف قتل اور دونوں کو جمع کرنے کی صورت میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے کہ چاہے تو جمع بین العقوبتین کردے یعنی قطع ید ورجل کے ساتھ قتل یا صلب بھی اور اگر چاہے تو صرف قتل یا صلب کی سزا دے اور قطع نہ کرے۔

زیلعی علی الکنز: ۳/۲۳۲ میں بھی اس مسئلہ کی کافی تفصیل مذکور ہے جمع بین الجنایتین یعنی قتل اور اخذ مال کا حکم اس میں اس طرح لکھا ہے: **"والحالة الرابعة ان یوخذ وقد قتل النفس واخذ المال فان الامام فیه مخیر۔(۱) ان شاء قطع یده ورجله وقتله۔(۲) وان شاء قتله وصلبه۔(۳) وان شاء قطعه وصلبه۔(۴) وان شاء قتله۔(۵) وان شاء صلبه۔(۶) وان شاء قطعه من خلاف وقتله وصلبه"** سزا کی یہ چھ صورتیں ہوئیں جن میں امام کو اختیار رہے۔

صاحبین کا مذہب یہ لکھا ہے: **"قال محمد رحمه الله تعالیٰ یقتل او یصلب ولا یقطع وابویوسف معه فی المشهور، لان القطع حد علی حدة والقتل کذلک بالنص فلایجمع بینهما بجنایة واحدة وهی قطع الطریق اذلایجوز الجمع بین الحدین بجنایة واحدة ولابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ورضی عنه انه وجد الموجب لهما وهو القتل واخذ المال فیستوفیان الی آخر مابسط"۔**

گویا صاحبین کی رائے یہ ہے کہ یہ قطع طریق جس کو سرقہ کبری بھی کہہ سکتے ہیں ایک بہت جامع جنایت ہے، جس میں کبھی صرف اخذ مال ہوتا ہے کبھی صرف تخویف ہوتی ہے اور کبھی اخذ مال اور قتل دونوں پائے جاتے ہیں **"وفیه ایضاً والحالة الثالثة ان یوخذ وقد قتل النفس ولم یاخذ المال فان**

الامام یقتله حدا حتی لو عفا الاولیاء لم یلتفت الی عفوهم الی آخر ماذکر"۔

حضرات صاحبین کے نزدیک جمع بین الجنایتین کی صورت میں سزا صرف قتل ہے بدون القطع اور جس شخص نے نہ اخذ مال کیا اور نہ قتل بلکہ صرف تخویف کی تو اس کی سزا نفی من الارض ہے۔

نفی سے کیا مراد ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے **"قال الحافظ قال مالک والشافعی یخرج من بلد الجنایة الی بلدة اخری، زاد مالک فیحبس فیها وعن ابی جنیفة بل یحبس فی بلده وتعقب بان الاستمرار فی البلد ولو کان مع الحبس اقامة وهو ضد النفی فان حقیقة النفی الاخراج من البلد وحجة انه لا یومن من استمرار المحاربة فی البلد الاخری، فانفصل عنه مالک بانه یحبس بها"** یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفی سے مراد شہر بدر کرنا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مع الحبس، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً اور امام صاحب کے نزدیک اس سے مراد صرف حبس ہے شہر بدر کرنے کے ساتھ وہاں قید بھی کر دیا جائے گا، تاکہ یہ خطرہ نہ رہے، کیونکہ نفی کی حقیقت تو اخراج من البلد ہے جو صرف حبس سے حاصل نہیں ہوتی۔

عن ابی الزناد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قطع الذین سرقوا لقاحه وسمل اعینهم بالنار عاتبه اللہ فی ذلک فانزل اللہ تعالیٰ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسوله۔ الآیه۔

یہ روایت مرسل ہے: **"قال المنذر هذا مرسل واخرجه النسائی مرسلاً"۔**

ابوالزناد کہہ رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کے ساتھ جو معاملہ فرمایا قطع اور سمل اعین کا تو اس پر آیت محاربہ کا نزول ہوا بطور عتاب کے۔ بذل المجہود میں لکھا ہے کہ ایک قول اس تفسیر کی آیت میں یہی ہے، اگر یہ قول صحیح ہے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے عدم انتظار الوحی ومساعۃ الاجتہاد فی الحکم، اور دوسرا قول اس میں یہ ہے عرنیین اس آیت کریمہ میں داخل نہیں۔ **"لان جرمهم فوق ماذکر فی هذا الآیة"** لہٰذا عتاب والا قول صحیح نہیں ہے۔

عن محمد بن سیرین قال کان هذا قبل ان تنزل الحدود یعنی حدیث انس۔

مثلہ وغیرہ کی توجیہ اور جوابات

عرنیین کیساتھ جو معاملہ کیا گیا ان کو مختلف سزائیں دی گئیں ان کا مثلہ کیا گیا وغیرہ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔یعنی آپ نے جو اس قوم کے ساتھ جو مثلہ کیا اور تعذیب بالنار کی سزا دی یہ منسوخ ہے اور یہ واقعہ نزول حدود سے پہلے کا واقعہ ہے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر فرمایا ہے،اور اس سے پہلے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تخریج کی ہے جس کے لفظ یہ ہیں،**"انما سمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعینھم لانھم سملوا اعین الرعاۃ قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث غریب لا نعلم احدا ذکرہ غیر ھٰذا الشیخ (یحییٰ بن غیلان) عن یزید بن زریع وھو معنی قولہ والجروح قصاص"۔**

اس کا حاصل یہ ہوا کہ عرنیین کے ساتھ جو مثلہ وغیرہ کیا گیا وہ قصاصاً کیا گیا تھا کیونکہ ان لوگوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راعی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا،اور ابن سیرین کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ عرنیین کے ساتھ جو مثلہ کیا گیا وہ نزول حدود اور نسخ مثلہ سے پہلے کا واقعہ ہے بعد میں اس میں نسخ واقع ہوگیا لیکن پہلے جواب کے بارے میں جس میں یہ ہے کہ یہ معاملہ ان کے ساتھ قصاصاً کیا گیا کیونکہ ان لوگوں نے بھی آپ کے رعاۃ کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا،امام ترمذی نے اس کو غریب قرار دیا ہے،کما تقدم آنفاً۔

یہ بات کہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راعی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا صحیح بخاری کی رایت میں تو یہ نہیں ہے لیکن مسلم کی روایت میں ہے،**"قال العینی السوال الثانی ما وجہ تعذیبھم بالنار؟ الجواب انہ کان قبل نزول الحدود ایۃ المحاربۃ والنھی عن المثلۃ فھو منسوخ وقیل لیس بمنسوخ وانما فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم قصاصا لانھم فعلوا بالرعاۃ مثل ذلک، وقد رواہ مسلم فی بعض طرقہ"۔**

حاصل یہ ہے کہ عرنیین کے ساتھ جو مثلہ کیا گیا تو قصاصاً کیا گیا اور یا یہ کہ یہ نسخ مثلہ سے پہلے کا واقعہ ہے اور منسوخ ہے،حافظ فرماتے ہیں کہ نسخ کی دلیل یہ ہوسکتی ہے کہ بخاری کی کتاب الجہاد میں حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جواز "مثلہ ثم النهی عنه" یہ دونوں چیزیں ان کے سامنے پیش آئیں گویا اسلام ابوہریرہ کے بعد پیش آئیں، اور عرنیین کا قصہ اسلام حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے کا ہے۔ حافظ کی عبارت یہ ہے، **"ویدل علیه ای علی النسخ ماروا ه البخاری فی الجهاد من حدیث ابی هریرة فی النهی عن التعذیب بالنار بعد الاذن فیه، و قد حضر الاذن ثم النهی وقصة العرنیین قبل اسلام ابی هریرة"**

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال، انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوا من الارض الی قوله غفور رحیم" بیچ کی آیت یہ ہے، **"ذلک لهم خزی فی الدنیا وفی الآخرة عذاب عظیم، الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم فاعلموا ان الله غفور رحیم"**

نزلت هذه الآیة فی المشرکین فمن تاب منهم قبل ان یقدر علیه لم یمنعه ذلک ان یقام فیه الحد الذی اصابه۔

آیۃ المحاربۃ کی تفسیر عند الجمہور

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے سے قطع نظر کرتے ہوئے جمہور نے جو معنی اس آیت کریمہ کے لئے ہیں اولاً ان کو سمجھایا جائے، اس آیت کی تفسیر معارف القرآن ادریسی میں یوں ہے، گذشتہ آیت میں فساد فی الارض اور قتل ناحق کی شناعت بیان فرمائی چونکہ فساد کی ایک صورت قطع طریق یعنی رہزنی اور ڈکیتی بھی ہے اس لئے اب اس آیت میں فساد کے انسداد کیلئے اول قطع الطریق یعنی رہزنوں کی شرعی سزا کو بیان فرماتے ہیں اور اس کے بعد کی آیت میں سارق (چور) کی سزا کو بیان کرتے ہیں جو اسی حکم سابق کا تتمہ اور تکملہ ہے کیونکہ چوری بھی ایک قسم کا فساد ہے۔

جز این نیست کہ سزا ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں یعنی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کی علانیہ مخالفت کرتے ہیں اور زمین میں بارادۂ فساد دوڑتے پھرتے

ہیں یعنی قتل اور قطع طریق (رہزنی) کرتے پھرتے ہیں ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور مخالف جانب کے پاؤں کاٹے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پیر یا جلاوطن کردیئے جائیں۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ آیت رہزنوں اور ڈاکوؤں کے متعلق ہے خواہ مسلمان ہوں یا کافر، اور **"الذین یحاربون"** میں محاربہ سے رہزنی مراد ہے۔

بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی اور آیت میں محاربہ سے مراد ارتداد ہے، اور **"ان یقتلوا او یصلبوا الی آخرہ"** میں جو لفظ **"او"** وارد ہوا ہے وہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک تخییر کے لئے ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ ان چار سزاؤں میں سے بلحاظ نوعیت جرم جونسی سزا مناسب سمجھے دے۔

جمہور علماء کے نزدیک **"او"** تقسیم اور تنویع کے لئے ہے، یعنی مختلف حالات میں اختلاف احکام کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ سزائیں جرائم پر منقسم ہیں جس نوع کے جرم کا ارتکاب کیا ہے ایسی نوع کی سزا ہوگی مثلاً اگر کسی نے کسی کو صرف قتل کیا ہے تو اس کی سزا صرف قتل ہوگی اور اگر قتل کیساتھ مال بھی لوٹا ہے تو وہ قتل بھی کیا جائے گا اور سولی بھی دیا جائے گا، یعنی قتل کر کے عبرت کے لئے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے گا اور اگر صرف مال لوٹا ہے تو صرف ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ کر چھوڑ دیا جائے گا، اور اگر صرف راہ روؤں کو ڈرایا اور دھمکایا ہے تو اس کو جلاوطن کر دیا جائے گا، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یا قید میں ڈال دیا جائے گا، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک **"ینفوا من الارض"** سے جلاوطن مراد ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد قید اور حبس ہے، کیونکہ ان لوگوں کو اگر مسلمانوں کے کسی دوسرے شہر کی طرف بھیج دیا گیا تو وہاں کے مسلمانوں کو ایذاء پہنچائیں گے، اور اگر کفار کے ملک میں بھیجا جائے گا تو مرتد ہونے کا اندیشہ ہے، **"ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم"** یہ حدیں اور سزائیں ان کے لئے دنیا میں ذلت اور رسوائی ہیں اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے مگر جو لوگ تمہارے پکڑنے اور گرفتار کرنے سے پہلے ہی اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف کرنے

والا ہے اور مہربان ہے، باقی حقوق عباد بغیر بندوں کے معاف کئے ساقط نہیں ہوتے۔

آیت کریمہ میں ایک اور مسئلہ فقہیہ

مطلب یہ ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں تو حد جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ تو معاف ہو جائے گا، لہٰذا اخذ مال کی صورت میں قطع ید و رجل نہ ہوگا، اور قتل نفس کی صورت میں قتل حداً نہ ہوگا تو قصاصاً ہوگا اگر ولی مقتول چاہے، اور اگر گرفتاری سے پہلے توبہ نہ کریں تو یہ حد جو کہ حق اللہ ہے یعنی قطع ید رجل اور قتل لا محالہ ہوگا اور صاحب مال یا ولی مقتول کے معاف کرنے سے معاف نہ ہوگا۔ اور حد ان سے ساقط ہو جائے گی، البتہ حق العبد باقی رہے گا، پس اگر مال لیا ہے تو اس کا ضمان دینا پڑے گا، اور اگر کسی کی جان لی ہے تو قصاص لازم ہوگا مگر اس ضمان اور قصاص معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہوگا، اور ولی مقتول اگر اس کو قتل کرے تو وہ قتل بطور قصاص کے ہوگا نہ کہ بطور حد خوب سمجھ لو۔

تنبیہ: اس حد کے سوا اور باقی حدود مثلاً حد زنا اور حد خمر اور حد سرقہ اور حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہوتے کذا فی البنایہ۔

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قطاع الطریق یعنی رہزنوں کے بارے میں نازل ہوئی خواہ وہ فاسق و فاجر مسلمان ہوں یا کافر اور بعض علماء (جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی مگر یہ قول شاذ ہے اور پہلا ہی قول صحیح ہے۔ (اس لئے کہ قتل مرتد ہر حال میں واجب ہے محاربہ اور اظہار فساد پر موقوف نہیں۔

دوم یہ کہ مرتد کا قتل ہی واجب ہے مرتد کا فقط ہاتھ کاٹ دینا یا اس کو جلاوطن کر دینا کافی نہیں۔

سوم یہ کہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حد اس وقت ساقط ہو جاتی ہے کہ جب مجرم گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلے اور اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرے تو حد ساقط نہ ہوگی سو یہ حکم قاطع طریق کا تو ہے مگر مرتد کا یہ حکم نہیں اسلئے کہ مرتد کی حد ہر حال میں توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے مرتد چاہے گرفتاری سے قبل توبہ کرے یا

بعد گرفتاری کے اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

چہارم یہ کہ مرتد کا حکم قتل ہے نہ کہ صلب (سولی)۔

پنجم یہ کہ آیت کے الفاظ عام ہیں جو ارتداد اور رہزنی اور ناحق قتل سب کو شامل ہیں، **"غایة مافی الباب"** اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی تو اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا نہ کہ خصوص مورد کا، (دیکھو تفسیر کبیر: ۴۰۷/ ۳، احکام القرآن للجصاص: ۴۰۷/ ۲، معاف القرآن ادریسی۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کی تشریح

اس آیت کریمہ کی تفسیر سامنے آجانے کے بعد آپ سمجھئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابو داؤد میں ہے وہ مختصر ہے ابن عباس کی مفصل اور واضح روایت سنن نسائی میں ہے، اس میں اس طرح ہے، **"نزلت هذه لآية فی المشر کين فمن تاب منهم قبل ان يقدر عليه لم يكن عليه سبيل، وليست هذه الآية للرجل المسلم فمن قتل وافسد فی الارض وحارب الله ورسوله ثم لحق بالكفار قبل ان يقدر عليه لم يمنعه ذلك ان يقام فيه الحد الذی اصاب"** اس نسائی کی روایت کے پیش نظر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت کریمہ میں جو وارد ہے **"الا الذين تابوا من قبل ان تقدروا عليهم الآيه"** کہ ان قطاع الطریق میں جو ایسے ہوں گے کہ وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کرلیں گے تو ان سے مواخذہ یعنی حق اللہ معاف ہو جائیگا یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ قاطع طریق مشرک ہو کیونکہ یہ آیت شریفہ مشرکین ہی کے بارے میں ہے لیکن اگر وہ قاطع طریق مسلمین میں سے ہو اور گرفتاری سے پہلے قطع طریق کر کے دارالحرب بھاگ جائے تو اسکا حکم یہ نہیں ہے اس پر اگر حد جاری کرنے کا موقع نکل آئے بایں طور کہ وہ پھر دارالاسلام میں کسی وقت آجائے تو اس پر حد شرعی نافذ کی جائے گی یعنی وہ سزا جو قطاع الطریق کی ہوا کرتی ہے ایک صورت میں صرف قطع ید و رجل اور ایک صورت میں قتل یا دونوں، وہ اس پر جاری کی جائے گی۔

وانت تعلم ان هٰذا ليس هو مسلك الجمهور فان عندهم هٰذه الآية والحكم

المذکور فیھا لیس مختصا باھل الشرک بل ھو عام سواء کانوا ای قطاع الطریق مسلمین او مشرکین"۔

لیکن بذل میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کی توجیہ یہ نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس کے قول: **"لم یمنعه ذلک ان یقام فیه الحد الذی اصابه"** میں اس حد سے مراد حد شرعی نہیں بلکہ حق العبد مراد ہے، مثلاً وہ مال جو اس قاطع طریق نے لیا ہے یا جان ہی سہی لیکن اس صورت میں یہ قتل قصاص کے طور پر ہوگا حد کے طور پر نہیں ہوگا کما تقدم عن معارف القرآن لیکن نسائی کی روایت مفصلہ سامنے آنے کے بعد حضرت کی یہ توجیہ **"توجیه القول بما لا یرضی به القائل"** کی قبیل سے ہو جائے گی (ویسے اس روایت ابوداؤد کی روایت مجملہ کے پیش نظر دیکھا جائے تو یہ ایک عمدہ توجیہ تھی حضرت کے طبع لطیف کے موافق اس لئے کہ حضرت کا ذوق اس قسم کے مواقع میں تنقید کا نہیں بلکہ توجیہ کا ہے) بلکہ یہی کہنا پڑے گا کہ اس مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مسلک جمہور کے خلاف ہے جیسا کہ خود بذل المجہود میں نسخۂ احمدیہ کے حاشیہ سے مولانا شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے: **"لعله مذهب ابن عباس واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وهذا جهد المقل فی توضیح هذا المقام۔**

(الدر المنضود مع حاشیہ: ۳۱۱ تا ۳۱۹/ ۶)

ماکول اللحم جانور کے پیشاب کا مسئلہ

ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، یہ مضمون اگرچہ کتاب الطہارت میں گذر چکا ہے، لیکن اکثر شارحین حدیث باب کے ذیل میں یہ اختلاف لکھتے ہیں، اس لئے اس کو یہاں بھی نقل کیا جا رہا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔

دلیل: حدیث باب ان کی دلیل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم فرمایا

ہے اگر اونٹ کا پیشاب ناپاک ہوتا تو آنحضرت ﷺ ہرگز اس کا پیشاب پینے کا حکم نہیں فرماتے اور جب اونٹ کا پیشاب پاک ہے تو اونٹ کے مانند جو جانور ماکول اللحم ہیں ان کا پیشاب بھی پاک ہوگا۔

جمہور کا مذہب: ماکول اللحم جانور کا پیشاب نجس ہے۔

دلیل: آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، **"استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه"** پیشاب سے بچو اس لئے کہ قبر کا عذاب عامۃً اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ حدیث عام ہے اس میں **"بول مایؤکل لحمه"** بھی داخل ہے۔

جوابات: (۱) ان لوگوں کو جو بیماری لاحق ہوئی تھی اس میں دودھ پیا جاتا ہے اور پیشاب سونگھا جاتا ہے پیا نہیں جاتا ہے، بخاری کی ایک روایت میں صرف دودھ پینے کا ذکر ہے پیشاب کا ذکر نہیں ہے، طب کی کتابوں میں بھی یہی بات لکھی ہے، پس یہاں جو حدیث ہے **"اشربوا من ابوالها والبانها"** اس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی، **"اشربوا من البانها واستنشقوا من ابوالها"** یعنی اونٹوں کا دودھ پیو اور ان کا پیشاب سونگھو، پھر دوسرے فعل کو حذف کرکے اس کے معمول کو پہلے فعل کے ساتھ جوڑ دیا ہے، جیسے **"علفتها ماء وتبنا"** میں نے اس کو بھوسے اور پانی کا چارا دیا، حالاں کہ چارہ صرف بھوسے کا دیا جاتا ہے، پانی سے تو سیراب کیا جاتا ہے اصل جملہ تھا، **"علفتها تبنا وارویتها ماءً"** میں نے اس کو بھوسے کا چارہ دیا اور اسکو پانی سے سیراب کیا۔ پھر دوسرے فعل کو حذف کرکے اس کے معمول کو پہلے فعل کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

(۲) پیشاب پینے کی اجازت علاج کے طور پر تھی، پس اس سے طہارت ثابت نہیں ہوتی جیسے ایک جنگ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو خارش کی وجہ سے ریشم کا کرتا پہننے کی اجازت دی تھی مگر اس سے مردوں کیلئے ریشم کی حلت ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ وہ اجازت علاج کی ضرورت سے تھی، یہی معاملہ یہاں بھی ہے، حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ مضطر کے حکم میں تھے، اور مضطر کے لئے نجس چیز کا استعمال جائز ہوتا ہے۔

تداوی بالحرام کا مسئلہ: کسی حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر حالت اضطراری کی ہو یعنی حرام استعمال کیئے بغیر جان بچنا مشکل ہو تو بقدر ضرورت

تداوی بالحرام بالاتفاق جائز ہے، لیکن اگر جان کا خطرہ نہ ہو، بلکہ صرف مرض دور کرنا ہو تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی طبیب حاذق یہ فیصلہ کر دے کہ تداوی بالمحرم کے بغیر بیماری سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے تو اس صورت میں تداوی بالحرام جائز ہوگا۔

حدیث باب میں ان لوگوں کی دلیل ہو سکتی ہے، جو مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حدیث باب کی یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ان کی شفا اونٹوں کے پیشاب میں منحصر ہونے کی اطلاع ہوگئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے اس کے استعمال کا حکم فرمایا یہ عمومی جواز کی دلیل نہیں ہے۔

اشکال: ابو داؤد شریف میں حدیث ہے: **"ان اللہ تعالیٰ لم یجعل شفاء امتی فیما حرم"** **(اللہ تعالیٰ)** نے میری امت کی شفا محرمات میں نہیں رکھی ہے۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس امت کی شفاء اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں نہیں رکھی ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا کے طور پر ہی سہی پیشاب پینے کی اجازت کیوں دی؟

جواب: اصل بات یہ ہے کہ حدیث مذکورا اگرچہ جملہ خبریہ ہے لیکن انشاء کے معنی میں ہے، مقصد یہ ہے کہ میری امت کے لوگ حرام چیزوں کا استعمال نہ کریں، اس وجہ سے تو حرام چیزیں علاج کی غرض سے پیدا نہیں ہوئی ہیں، لہٰذا جب تک حلال چیز کے ذریعہ علاج ممکن ہوگا اور یہ میسر ہوگی تو حرام سے علاج حرام ہوگا لیکن اگر حرام چیز سے ہی علاج ممکن ہے یا حلال چیز سے علاج ممکن ہے لیکن وہ میسر نہیں ہے تو حرام سے علاج درست ہے، حرام چیزوں سے مطلق شفاء کا انکار تجربات کے خلاف ہے اور حدیث رسول کا منشاء بھی انکار نہیں ہے جیسا کہ صراحت نقل کی گئی ہے۔

اشکال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ **"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحثنا علی الصدقۃ وینھانا عن المثلۃ"** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

صدقات پر ہم کو ابھارتے تھے اور مثلہ کرنے سے ہمیں منع کرتے تھے، اعضاء جسم کو کاٹنے پیٹنے کو مثلہ کہتے ہیں جب آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے تو پھر خود آنحضرت ﷺ نے مثلہ کا حکم کیوں دیا؟

جواب: (۱) حدیث باب میں جو واقعہ ہے وہ مثلہ کرنے کی ممانعت سے پہلے کا ہے۔

(۲) چوں کہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے چرواہے کو سخت اذیتیں دے کر قتل کیا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو بھی قصاصاً اسی طرح قتل کرایا۔

یہاں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قصاص بالمثل کو ثابت کرتے ہیں۔

قصاص بالمثل کا حکم

قصاص میں مماثلت ضروری ہے یا نہیں یعنی قاتل نے جس طرح سے قتل کیا ہے، اس کو بھی اسی طرح قتل کیا جائے گا، یا صرف تلوار سے گردن اڑادی جائے گی اس سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: قصاص میں مماثلت ضروری ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: **"الجروح قصاص"** زخموں کا قصاص لیا جائے گا یہ آیت عام ہے زخم لگنے کے بعد مجروح مر گیا ہو یا زندہ رہا ہو دونوں صورتوں میں زخموں کا قصاص لیا جائے گا۔

(۲) حدیث باب سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قاتل سے پہلے زخموں: کا قصاص لیا جائے گا پھر اس کو قتل کیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: احناف کے نزدیک قاتل سے قصاص تلوار سے لیا جائے گا، زخموں میں مماثلت نہیں کی جائے گی۔

دلیل: لا قود الا بالسیف: قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا، عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اس لئے کہ مقصود قاتل کو ختم کرنا ہے دل کی بھڑاس نکالنا نہیں ہے۔

جواب: قرآن کریم کی آیت **"والجروح قصاص"** حکم عام نہیں ہے بلکہ وہ زخم مراد ہیں جن

سے زخمی شفا پا جائے اور حدیث باب میں جس سزا کا ذکر ہے وہ قانون شرعی نہیں ہے بلکہ یہ سزا سیاسۃ دی گئی ہے، سیاست کا مطلب یہ ہے کہ اگر امیر کسی خاص مجرم کو مخصوص طور پر سزا دینا مصلحت سمجھے تو اسکو یہ حق ہے۔

(مستفاد معارف السنن: ۲۷۷/۱، مرقاۃ: ۵۰/۴، درس ترمذی: ۲۸۹/۴، تحفۃ الألمعی: ۲۱۶/۱، فیض المشکوۃ: ۳۱۴/۶)

مثلہ کرنے کی ممانعت

{۳۳۸۶} **وَعَنْ** عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُثُّنَا عَلَى الصَّدَقَةِ وَيَنْهَانَا عَنِ الْمُثْلَةِ۔

(رواہ ابوداؤد) وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ أَنَسٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۶۲/۳، باب فی النھی عن المثلۃ، کتاب الجھاد، حدیث نمبر: ۲۶۶۷، نسائی شریف: ۱۵۱/۲، باب النھی عن المثلۃ، کتاب تحریم الدماء، حدیث نمبر: ۴۰۴۷۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صدقہ کی رغبت دلاتے تھے، اور مثلہ کرنے سے ہمیں منع فرماتے تھے۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: قاتل کو قصاصاً قتل کرنے سے پہلے اس کے اعضاء کاٹنا یا اس کی آنکھ پھوڑنا یا دانت توڑنا وغیرہ ممنوع ہے جس کو قتل کرنا ہے اس کو تلوار سے قتل کیا جائے، البتہ زخم کا قصاص لینے میں اعضا کاٹنا درست ہے۔

ینھانا عن المثلۃ: اعضاء کو الگ الگ کر کے بری طرح قتل کرنا مثلہ ہے، ابتداء اسلام میں مثلہ کی اجازت تھی، بعد میں اس کی ممانعت ہوگئی لہٰذا مثلہ کا جواز منسوخ ہوگیا، اس حدیث میں تو صراحتاً مثلہ سے منع فرمایا گیا ہے، آپ نے اشارۃً بھی مثلہ سے منع کیا ہے، چنانچہ ابوداؤد میں روایت ہے کہ **"اعف الناس قتلۃ اھل الایمان"** قتل کرنے میں سب سے زیادہ اہل ایمان احتیاط سے کام لیتے ہیں، اس میں اشارۃً مثلہ کرنے کی ممانعت ہے، کافر پر قابو پانے کے بعد اس کا مثلہ ناجائز ہے، البتہ قابو پانے کے لئے

جس طرح سے بھی وار کرنا پڑے، اس کی اجازت ہے، گذشتہ حدیث سے مثلہ کا جواز معلوم ہو رہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سیاست و مصلحت پر مبنی ہے۔ مثلہ سے متعلق مزید وضاحت ما قبل میں گذر چکی ہے۔

آگ سے جلانے کی ممانعت

{۳۳۸۷} **وَعَنْ** عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَاَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَائَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَفْرُشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا قَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ فَقُلْنَا نَحْنُ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۳۶۳/۲، باب کراھیة حرق العدو، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۶۷۵۔

حل لغات: حمرة: چڑیوں کی ایک قسم، چنڈول، یہ ایک خوش آواز چڑیا ہے، **الفرخ:** پرندہ کا بچہ، چوزہ، ہر انڈا دینے والے جانور کا بچہ وغیرہ، **فجعه:** سخت تکلیف دینا، بہت دل دکھانا، مصیبت میں ڈالنا، **قرية النمل:** چیونٹیوں کا مسکن، **الرب:** پروردگار، مالک وغیرہ۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عبداللہ اپنے والد ماجد کا بیان نقل کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، تو ہم نے ایک چڑیا دیکھی، اس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے، ہم نے ان دونوں بچوں کو پکڑ لیا، پھر چڑیا آئی تو وہ اپنے زمین پر پر بچھانے لگی، حضرت نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ چڑیا کو اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے پریشان کیا ہے؟ اس کے بچے اسس کو دے دو، اور آنحضرت ﷺ نے چیونٹیوں کے رہنے کی جگہ کو دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے

فرمایا: کہ اس کو کس نے جلایا ہے، ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا مناسب نہیں ہے سوائے آگ کے رب کے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں دو واقعات مذکور ہیں دونوں میں حضرت نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاس سے ہٹ جانے سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے دو لغزشیں ہوئیں ہیں۔

(۱) ایک چڑیا کے بچوں کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پکڑ لیا جس سے چڑیا پریشان ہوئی، آنحضرت ﷺ نے آخران بچوں کو رہا کرایا۔

(۲) چیونٹیوں کے گھر میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آگ لگادی، آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ آگ سے کسی کو جلا کر مارنا جائز نہیں ہے۔

عبد الرحمن ابن عبد اللہ: حضرات تابعین میں سے عبد الرحمن ابن عبد اللہ نام کے چار حضرات کا ذکر صاحب مشکوۃ نے کیا ہے ان کا ایک دوسرے سے امتیاز ان کے داداؤں کے نام سے ہوتا ہے، اس لئے کہ ہر ایک کے دادا کا نام جدا جدا ہے اس لئے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتایا کہ یہ عبد الرحمن بن عبد اللہ ابن عمار مکی ہیں انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث سنی ہے اور ان سے روایت کرنے والوں کی ایک جماعت ہے صاحب مشکوۃ نے ان کا شمار حضرات تابعین کی فہرست میں کیا ہے، **"عن ابیہ"** صاحب مشکوۃ نے اپنے رسالہ اسماء الرجال میں ان کے دادا کا ذکر نہیں کیا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دنیا میں آگ کے ذریعہ تعذیب کی مخالفت شاید اس لئے ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آگ کو لوگوں کے نفع کے لئے پیدا فرمایا تو اس لئے یہ صحیح نہ ہوگا کہ اس کو دنیا میں لوگوں کو، پس جب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے صحبت کی ضرورت وافادیت کا علم ہوا تو بعد والوں کیلئے صحبت کیوں ضروری نہ ہوگی۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۵۱/ ۴،شرح الطیبی: ۱۲۸/ ۷،انوار المصابیح: ۵۰۴/ ۶)

فائدہ: یہاں پر علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے ایک مسئلہ پر استدلال پیش کیا ہے، یعنی یہ کہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرشد و شیخ کی صحبت مفید ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی برکت کے باوجود آنحضرت ﷺ کی غیبوبت میں آپ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے خلاف صواب دو چیزیں سرزد ہو گئیں۔

آگ کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے کے لئے استعمال نہ کیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا حق حاصل ہے اس لئے کہ وہ اس کا مالک اور اس کا رب ہے، اپنی ملک میں جس قسم کا تصرف چاہے کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **رب النار** فرما کر اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

بدترین جماعت

{۳۳۸۸} وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَیَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اِخْتِلَافٌ وَفِرْقَةٌ قَوْمٌ یُحْسِنُوْنَ الْقِیْلَ وَیُسِیْئُوْنَ الْفِعْلَ یَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِیَّةِ لَا یَرْجِعُوْنَ حَتّٰی یَرْتَدَّ السَّهْمُ عَلٰی فُوْقِهٖ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِیْقَةِ طُوْبٰی لِمَنْ قَتَلَهُمْ وَقَتَلُوْهُ یَدْعُوْنَ اِلٰی كِتَابِ اللهِ وَلَیْسُوْا مِنَّا فِیْ شَیْءٍ مَنْ قَتَلَهُمْ كَانَ اَوْلٰی بِاللهِ مِنْهُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللهِ مَا سِیْمَاهُمْ قَالَ التَّحْلِیْقُ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۶۵۶، باب فی قتال الخوارج، کتاب السنة، حدیث نمبر: ۴۷۶۵۔

حل لغات: الفرقة: جدائی، علیحدگی، **احسن:** اچھا کرنا، اچھا کام کرنا، نیکی کرنا، **تراقی:** یہ جمع ہے، **الترقوة**، کی ہنسلی کی ہڈی، مجازاً گلا، یہ دو ہڈیاں ہوتی ہیں، **فوق:** چکر، کلام کا خاص ڈھنگ، تیر کا سوفائی، (چٹکی) جہاں کمان کا تانت ٹکتا ہے، یہ دو ہوتے ہیں سوفاء تیر کا، **طوبی:** نیکی، خیر، بھلائی، سعادت، جنت کی ہر خوشگوار چیز، **طوبی لک**، خوش رہو، تمہیں سعادت نصیب ہو، **سیما:** علامت، خاص نشان، **حلق:** نشان، **حلق الشعر:** بالوں کا صاف کر دینا، اچھی طرح مونڈنا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ عنقریب میری امت میں اختلاف اور فرقہ بندی ہوگی، ایک فرقہ ہوگا جو گفتگو بہت اچھی کریگا، لیکن عمل کے اعتبار سے بہت خراب ہوگا، یہ لوگ قرآن مجید پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا، یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، یہ لوگ دین کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹیں گے، جب تک کہ تیر اپنے چلے کی طرف نہ لوٹ آئے، یہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں سب سے بدتر ہوں گے، خوش خبری ہے اس شخص کے لئے جو ان کو قتل کرے اور اس شخص کے لئے جس کو یہ قتل کریں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلائیں گے، حالانکہ ان سے ہمارا کچھ بھی تعلق نہ ہوگا، جو ان سے قتال کریگا، وہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ہوگا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: ان کی نشانی کیا ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ سر کے بال منڈانا۔

(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں ایک بدترین فرقہ کا ذکر ہے اور اس کی چند خصوصیات کا بیان ہے۔

(۱) یہ فرقہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کی سازش رچے گا، بظاہر چکنی چپڑی باتیں زبان پر ہوں گی، لیکن باطنی طور پر حد درجہ خباثت کا مظاہرہ کریں گے۔

(۲) قرآن کریم کی تلاوت تو کریں گے لیکن قرآنی ہدایات پر عمل سے خالی ہوں گے، ان کے دل میں ایمانی نور کی کوئی کرن نہ ہوگی۔

(۳) جماعت حق سے کنارہ کش ہو جائیں گے، امام وقت سے بغاوت کرنے والے ہوں گے۔

(۴) دین میں ان کی واپسی تقریباً ناممکن ہوگی۔

(۵) روئے زمین کی یہ سب سے بدترین مخلوق ہوگی، لہٰذا ان کا قاتل غازی بن کر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اور ان کے ہاتھوں قتل ہونے والا شہید بن کر اخروی سعادتوں سے بہرہ ور ہوگا۔

(۶) ظاہری طور پر تو قرآن کریم کی طرف بلائیں گے، لیکن احادیث نبویہ کو ترک کر کے من چاہی تاویلات کرنے والے ہوں گے، لہٰذا شریعت محمدیہ سے ان کا دور کا بھی کوئی تعلق نہ ہوگا۔

(۷) ان سے قتال کرنے والے کو اللہ کا خصوصی قرب میسر آئے گا۔

(۸) ان کی ظاہری علامت یہ ہوگی یہ سر منڈاتے ہوں گے۔

قوم یحسنون القیل: بہت عمدہ بات کریں گے، ایسا لگے گا کہ یہ طبقہ مسلمانوں میں بہت مخلص ہے اور دین وشعائر کا بہت بڑا نگہبان ہے۔

ویسیئون الفعل: یہ جماعت باطنی طور پر نہایت غلیظ اور عمل و کردار کے لحاظ سے حد درجہ خبیث ہوگی۔

یقرؤن القرآن: یہاں قرأت قرآن کے دو مطلب ممکن ہیں۔

(۱) کثرت تلاوت، چنانچہ یہ لوگ بہت عمدہ انداز سے خوب قرآن پڑھتے ہوں گے۔

(۲) قرآن سے کثرت سے استدلال کرتے ہوں گے اور اپنے غلط عقائد ونظریات پر قرآن کریم کی آیات کے ذریعہ استدلال بے جا میں ماہر ہوں گے، چنانچہ واقعہ تحکیم کے موقع پر بھی خارجیوں نے قرآن سے غلط استدلال کرتے ہوئے حکم بنانے کی مخالفت کی تھی۔

لا یجاوز تراقیہم: تراقی ترقوۃ کی جمع ہے ہنسلی کی ہڈی، اس جملہ کے بھی دو مطلب ممکن ہیں۔

(۱) قرآن کریم ان کے دلوں پر اثر انداز نہ ہوگا۔

(۲) ان کی تلاوت بارگاہ الٰہی میں مقبول نہ ہوگی، **"یمرقون من الدین"** اہل عرب تیر اتنی زور سے پھینکتے تھے کہ وہ بندوق کی گولی کی طرح شکار کو چیرتا ہوا نکل جاتا تھا، حدیث کے اس جزء کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور وہ شکار کے خون سے آلودہ نہیں ہوتا اسی طرح اس فرقے کے لوگ بھی امام وقت اور علمائے حق کی اطاعت سے کلی طور پر نکل جائیں گے، بعض روایات میں دین کے بجائے اسلام آیا ہے، یہ الفاظ بظاہر خوارج کے ارتداد کا فیصلہ کرتے ہیں، لیکن جمہور علماء ان کو تغلیظ پر محمول کرتے ہیں اور خوارج پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے ہیں۔

ہم شر الخلق والخلیقۃ، الخلق: سے مراد وہ لوگ ہیں اور **"خلیقة"** سے مراد جانور ہیں یعنی یہ جماعت انسانوں اور جانوروں میں سب سے بدترین جماعت ہے، جمہور تاویل کر کے کہتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بدتیرین جماعت ہے۔

طوبیٰ لمن قتلہم: جو شخص ان کو قتل کرے گا اس کے لئے بشارت ہے اور وہ غازی کہلائے

گا، کیوں کہ اس نے بدترین انسان کو قتل کیا، ابن ماجہ کی رایت ہے کہ "**شر قتلی قتلوا تحت ادیم السماء**" آسمان کے نیچے قتل کئے جانے والے یہ بدترین مقتول ہیں، "**وقتلوہ**" اس کے لئے بھی خوش خبری ہے جس کو یہ خوارج قتل کریں گے، مقتول شہید ہوگا اور جنت کا حقدار بنے گا آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: "**خیر قتیل من قتلوہ**" بہترین مقتول وہ شخص ہے جس کو یہ قتل کریں۔

یدعون الی کتاب اللہ: ظاہر میں تو یہ کتاب اللہ کی طرف بلائیں گے لیکن حقیقت میں ان کو کتاب اللہ سے کچھ بھی تعلق نہ ہوگا، "**قاتلھم کان اولی باللہ منھم**" جو شخص امت محمدیہ میں خوارج سے قتال کریے گا، وہ اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو انسے قتال نہیں کریے گا زیادہ قریب ہوگا، "**التحلیق**" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا انکی ظاہری علامت جس کے ذریعہ وہ پہچان لئے جائیں کیا ہوگی؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سر منڈانا، یعنی وہ سروں پر بالوں کو جمنے ہی نہیں دیں گے، گنجے ہونے میں خوب مبالغہ کریں گے، چوں کہ خوارج کے یہاں سر کے بال منڈوانے کا خاص اہتمام ہوتا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے بطور علامت کے اس کو ذکر کیا ہے، اور علامت سے متعلق امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حلال وحرام دونوں ہوسکتی ہے، مثلاً دجال کی علامت کانا ہونا ہے، حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے کانا ہونا کوئی جرم نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ علامت سے تحلیق کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں ہے، اگرچہ بال رکھنا بہتر ہے، اس لئے یہی آنحضرت ﷺ کا اور اکثر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معمول رہا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی، عون الترمذی: بذل المجھود)

فرقہ خوارج کا مختصر تعارف

شیعہ اور خارج دونوں فرقے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں منصہ شہود پر آئے، یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعوان وانصار میں شامل تھے، اگرچہ فکری اعتبار سے شیعہ کو تقدم زمانی حاصل ہے۔

جنگ صفین میں جب دونوں ہی جانب سے مسلمانوں کا زبردست جانی ومالی نقصان ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت لڑنے والوں کے پے درپے حملوں سے شامی فوجوں کے قدم اکھڑنے لگے

تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایماء پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے شامیوں نے اپنے نیزوں پر قرآن کریم کو بلند کیا اور زور سے کہنے لگے: **"ھذا کتاب اللہ بیننا و بینکم"** ہمارے تمہارے درمیان یہ اللہ کی کتاب ہے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑائی پر مصر رہے، آپ نے سمجھ لیا کہ یہ شامیوں کی ایک چال ہے، لیکن جب آپ کے لشکر کے چند آدمیوں نے آپ کو تحکیم کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا تو چاروناچار آپ نے اسے تسلیم کرلیا اور صلح وصفائی کی جانب پیش رفت ہونے لگی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر فرمایا کہ ان کا فیصلہ دونوں مان لیں گے، اور فیصلہ کے لئے انہیں چھ مہینے کی مہلت دی، اتنا ہونے کے بعد دونوں لشکروں میں کوچ کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو بآسانی اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے، لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۱۳ رصفر ۳۷ھ کو کوفہ کا قصد کیا تو کچھ شرپسندوں نے آپ کو دوبارہ شامیوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اقرارنامے کے بعد اس بدعہدی اور غدر سے صاف انکار کردیا اور کہا فیصلہ کی میعاد تک ہمیں انتظار کرنا چاہئے، عجیب بات یہ ہے کہ اس گروہ میں وہی لوگ لیڈر تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لڑائی ختم کرنے پر مجبور کیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو بار بار یاد دلاتے تھے کہ تم ہی لوگوں نے میرے منشا کے خلاف لڑائی کو بند کرایا اور صلح کو پسند کیا اب تم ہی صلح کو ناپسند کرتے ہو، مگر یہ لوگ بارہ ہزار کی جماعت لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے الگ ہوکر حروراء کی طرف چل دئے، یہ خوارج کا گروہ تھا اس نے حروراء (ایک بستی کا نام) میں جاکر قیام کیا اور عبداللہ بن الکواء کو اپنی نمازوں کا امام شیث بن ربعی کو سپہ سالار مقرر کرنے کے بعد خوارج نے اپنے منشور کا اعلان کردیا۔

بیعت صرف خدا تعالیٰ کی ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق نیک کاموں کے لئے حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا ہمارا فرض ہے اور کوئی خلیفہ اور کوئی امیر نہیں ہے، فتح حاصل ہونے کے بعد سارے کام تمام مسلمانوں کے مشورہ اور کثرت رائے سے انجام دیئے جایا کریں گے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں یکساں خطاکار ہیں۔

اس اعلان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں سمجھانے کے لئے تشریف لے گئے اور بڑی کوشش کے بعد ان کو دوبارہ کوفہ لے آئے اور تمام حضرات حکمین کے فیصلہ کا انتظار کرنے لگے، جب چھ مہینے کی

مہلت ختم ہونے کو آئی تو حکمین اور دونوں جانب کے حامیان مقام اذرح متصل دومۃ الجندل (جو دمشق اور کوفہ کے درمیان دونوں شہروں کے برابر فاصلہ پر ہے اور جہاں فیصلے سنانے کا اعلان ہو چکا تھا) کی طرف روانگی کی تیاری شروع کر دی، جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے اذرح کی طرف روانہ کرنے لگے تو خوارج کی طرف سے حرقوص بن زہیر نے آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے ثالثی فیصلے کو تسلیم کرنے میں بڑی غلطی کی ہے، اب بھی آپ باز آجایئے اور دشمنوں کی طرف لڑائی کے ارادے سے کوچ کیجئے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں اقرارنامہ کے خلاف بدعہدی پر آمادہ نہیں ہوسکتا تم ہی لوگوں نے مجھے صفین میں لڑائی بند کرنے پر مجبور کیا تھا یہ وہی حرقوص بن زہیر ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ قتل کے ہنگامہ میں بلوائیوں کا خاص الخاص سردار تھا اور اب خارجیوں کے گروہ میں بھی سرداری کا مرتبہ رکھتا تھا دونوں گروپ کے لوگ اور حرمین سے بااثر معزز حضرات بھی مسلمانوں کے باہمی اختلاف رفع کرنے کی کوشش میں شریک ہونے کی غرض سے تشریف لائے لیکن جب حکمین نے اپنے اپنے فیصلے سنائے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحال کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حامیان علی نے اس جانبدارانہ فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دوبارہ شامیوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، اب خوارج کو بھی موقع ہاتھ آگیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہنے لگے کہ آپ نے حکمین مقرر کر کے سخت غلطی کی تھی، نیز اس طرح آپ گناہ کے مرتکب ہوئے اور اب توبہ کے بغیر مسلمان نہیں ہوسکتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا حکم مقرر کرنے میں تم ہی لوگوں نے مجھ کو مجبور کیا تھا ورنہ لڑائی کے ذریعہ اسی وقت فیصلہ ہو چکا ہوتا، انہوں نے کہا کہ اچھا ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ہم نے بھی گناہ کیا لہٰذا ہم بھی توبہ کرتے ہیں آپ بھی اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کریں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں گناہ ہی تسلیم نہیں کرتا، تو توبہ کیسے کروں؟ یہ سن کر خوارج طیش میں آگئے، اور **"لا حکم الا للہ"** کے نعرے لگاتے ہوئے اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف چل دئے، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو مسجد کے گوشہ سے ایک خارجی نے **"لا حکم الا للہ"** کی آواز لگائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسکے جواب میں یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: **"کلمة حق ارید بها الباطل"** کلمہ تو حق

ہے مگر اس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اور انہیں ہر طرح سے سمجھایا لیکن ان کے لاکھ سمجھانے کے باوجود یہ کج فہم اور گمراہ لوگ باز نہ آئے اور چھوٹی چھوٹی شکل میں چھپتے چھپاتے مقام نہروان پہنچ کر اپنی بڑھتی ہوئی پچیس ہزار کی تعداد کو منظم کر کے اپنی حکومت قائم کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین پر کفر کا فتویٰ لگایا اور ان کے خون کو حلال قرار دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھانے کے لئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا مگر وہ لوگ نہ مانے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لے گئے، پھر بھی ان لوگوں نے ماننے سے انکار کر دیا، اور بار بار یہی کہتے رہے تم نے قرآن کی نافرمانی کی اور کافر ہوئے اب توبہ کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتے ان کی اس بڑھتی سرکشی کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام کی مہم مؤخر کر دی اور پہلے انہیں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا، آپ نے فوج منظم کرنے کے بعد یہ اعلان کرا دیا کہ جو خارجی بغیر لڑے یہاں سے چلا جائے وہ مامون رہے گا، اور اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، اس اعلان کے بعد دو تہائی سے زیادہ خارجی وہاں سے بھاگ نکلے، بقیہ ایک تہائی کو گھیر کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تہہ تیغ کر دیا، لڑنے والوں میں صرف نو آدمی زندہ بچ سکے اس طرح بروقت یہ فتنہ دب گیا۔

خوارج کے چند عقائد

(۱)......مرتکب کبیرہ کافر ہے اور وہ آخرت میں مخلد فی النار ہوگا۔

(۲)......خوارج کا ہر مخالف کافر اور کبیرہ کا مرتکب ہے اس لئے اس سے قتال ضروری ہے۔

(۳)......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغض وعداوت بھی ان کے عقائد میں داخل ہے۔

(۴)......رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں۔

(۵)......کلام اللہ مخلوق ہے۔

(۶)......صحابہ کرام قطعاً حجت نہیں ہیں۔

(۷)......حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین ومددگار تمام صحابہ وتابعین کافر ہیں۔

(۸)......ظالم وفاسق امام سے خروج نہ کرنیوالے اور سکوت وتوقف اختیار کرنے والے بھی کافر ہیں۔

(۹)......خلیفہ کے لئے کوئی خاص قبیلہ اور خاندان افضل نہیں حتی کہ قریش کو بھی دیگر قبائل پر فوقیت نہیں ہے، کوئی بھی قبیلہ خلافت کا امیدوار ہوسکتا ہے اور غیر قریشی کو خلیفہ بنانا افضل ہے۔

(۱۰)......خلیفہ کا تقرر آزادانہ اور منصفانہ انتخاب سے ہونا چاہئے وہ عدل وتقویٰ پر قائم رہتے ہوئے ہی خلیفہ رہ سکے گا، ظالم یا فاسق ہونے کی صورت میں اس کو قتل کرنا یا معزول کرنا ضروری ہے۔

(۱۱)......خوارج قریش سے بغض وعداوت رکھتے ہیں۔

(۱۲)......وہ ہر اس امر کے منکر ہیں جو ان کے خود ساختہ اصولوں سے ٹکرائے یا ان کی خواہش کے خلاف ہو۔

(۱۳)......بعض خوارج حالت حیض میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے قائل ہیں۔

(۱۴)......خوارج کے فرقہ ازارقہ زانی کو سنگسار کرنے کے منکر ہیں۔

(۱۵)......نیز یہ فرقہ مخالفین کے نابالغ بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کرنا مباح سمجھتے ہیں۔

(۱۶)......خوارج کا ایک فرقہ یزیدیہ کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد عجم میں ایک رسول اور مبعوث ہوگا جس کی رسالت شریعت محمدی کو منسوخ کردے گی۔

(۱۷)......ان کا میمونیہ فرقہ محارم سے نکاح کا قائل ہے اور مجوس کی جانب مائل ہے کیوں کہ مجوس ہی اپنے محرم سے نکاحوں کے جواز کے قائل ہیں۔

(مصباح الزجاجۃ، اسلامی مذاہب، الملل والنحل، الفرق بین الافرق)

کیا خوارج کافر ہیں؟: قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے خوارج کی تکفیر کی ہے مگر علامہ خطابی کہتے ہیں کہ علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خوارج کی جماعت باوجود گمراہی کے مسلمانوں ہی کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے، ان کے یہاں نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا درست ہے، نیز ان کی گواہی بھی معتبر ہے۔ **"وقال ابن بطال، ذهب جمهور العلماء الی ان الخوارج غیر خارجین عن جملة المسلمین"**

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خوارج کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ لوگ کافر ہیں؟

تو انہوں نے فرمایا کہ وہ تو کفر سے بھاگ کر آئے ہیں، اس کے بعد پوچھا گیا آیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا منافق تو اللہ تعالیٰ کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں جب کہ خوارج صبح وشام اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر پوچھا گیا تو آخر وہ کیا ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ (مسلمانوں میں کے) ایک فرقہ کے لوگ ہیں فتنہ وگمراہی میں مبتلا ہو گئے چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ (مرقاۃ: ۷/۱۰۷، مظاہر حق)

لیکن خوارج کے فرقہ یزیدیہ جو ختم نبوت کے منکر ہیں اور فرقہ میمونیہ جو محارم سے نکاح کا قائل ہیں، یہ دونوں فرقے کافر ہیں، نیز فرقہ ازارقہ جو سنگسار کے منکر ہیں وہ کافر ہیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان خوارج کی تکفیر کی ہے، جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہا۔

اکفار الملحدین: میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے: **"والحق ان من انکر متواترا کفر ومن لا فلا والحق ایضا ان حدیث المروق یدل علی ان المارقة اقرب الی الکفر من الایمان"** (اکفار الملحدین: ۳۵، فیض المشکوۃ: ۴۱۸/۶)

قتل مؤمن کے تین اسباب

{۳۳۸۹} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ اِلَّا بِاَحَدٰى ثَلَاثٍ زَنٰى بَعْدَ اِحْصَانٍ فَاِنَّهٗ يُرْجَمُ وَرَجُلٌ خَرَجَ مُحَارِبًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّهٗ يُقْتَلُ اَوْ يُصَلَّبُ اَوْ يُنْفٰى مِنَ الْاَرْضِ اَوْ يَقْتُلُ نَفْسًا فَيُقْتَلُ بِهَا۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۹۸/۲، باب الحکم فیمن ارتد، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۵۳۔

حل لغات: احصن: شادی شدہ ہونا، حاربہ: جنگ کرنا، نفی الحاکم: جلاوطن کرنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کسی مسلمان شخص کا جوگواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں خون بہانا جائز نہیں ہے، مگر تین چیزوں میں سے کسی ایک وجہ سے جائز ہے۔

(۱) جو شخص شادی کے بعد زنا کرے، تو بے شک وہ رجم کیا جائے گا۔

(۲) جو شخص اللہ و رسول سے جنگ کرنے نکلے وہ بلا شبہ قتل کیا جائے گا یا اس کو سولی دی جائے گی، یا اس کو جلا وطن کیا جائیگا۔

(۳) یا وہ شخص کو کسی جان کو ناحق قتل کرے تو بدلہ میں وہ بھی قتل کیا جائے گا۔ (ابو داؤد)

تشریح: جو بھی مسلمان ہے کلمہ شہادت کا اقرار کرتا ہے اس کا خون محفوظ ہے، کسی کے لئے اس کا قتل جائز نہیں ہے، البتہ جو شخص تین گناہوں میں سے کسی ایک گناہ کا ارتکاب کرے گا وہ مباح الدم ہوگا۔

(۱) شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرنے والے کو پتھر مار مار کر ہلاک کیا جائے گا۔

(۲) ڈاکہ ڈالنے والے کو تین میں سے کوئی ایک سزا دی جائے گی۔ (الف) قتل کیا جائے گا (ب) سولی دی جائے گی (ج) قید کر دیا جائے گا۔

(۳) بے قصور شخص کو قتل کرنے کے جرم میں قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ یہ ہیں وہ تین اسباب جن کی وجہ سے مسلمان کا قتل جائز ہو جاتا ہے۔

زنا بعد احصان فانہ یرجم: محصن یا محصنہ سے زنا کا صدور ہوگا تو ان کو رجم کیا جائے گا، رجم کے لئے احصان شرط ہے، احصان کا مطلب یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں عاقل، بالغ آزاد اور مسلمان ہوں اور نکاح صحیح کر کے ہم بستر ہو چکے ہوں۔

سوال: محصن کو زنا کی سزا میں صرف رجم کیا جائے گا یا کوڑے بھی لگائے جائیں گے؟

جواب: بعض احادیث میں رجم کے ساتھ سو کوڑوں کا بھی ذکر ہے، لیکن ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا صرف سنگساری ہے، سو کوڑے سزا میں داخل نہیں ہیں، البتہ امام اگر چاہے تو تعزیراً سو کوڑے بھی لگوا سکتا ہے۔

ورجل خرج محارباً باللہ ورسولہ: وہ شخص جو اللہ و رسول سے جنگ کرنے نکلے، اس سے

مراد ڈاکہ ڈالنے والے ہیں اور یہاں ڈاکوؤں کی تین سزاؤں کا ذکر ہے۔

سوال: ڈاکو تو انسانوں کے ساتھ قتال کرتے ہیں، ان کا مال واسباب لوٹتے ہیں، تو ان کی جنگ انسانوں سے ہوتی ہے، نہ کہ وہ اللہ و رسول سے جنگ کرتے ہیں، پھر حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ کیوں فرمایا کہ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والے۔

جواب: کوئی طاقتور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ انسانوں سے ہوتا ہے، لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ و رسول کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ہی کے مقابلہ میں کہا جائے گا۔

حدیث باب میں ڈاکوؤں کی تین سزاؤں کا ذکر دراصل قرآن کریم کی آیت سے مستنبط ہے،

"انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض" یہی سزا ہے ان لوگوں کی جو لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں، یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کر دیئے جاویں اس جگہ سے، قرآن کریم کی اس آیت میں چار سزاؤں کا ذکر ہے، اس اعتبار سے بظاہر حدیث باب میں **"او ینفی من الارض"** سے پہلے یہ عبارت **"او یقطع یدہ ورجلہ من خلاف"** بھی ہونی چاہئے تھی تاکہ یہ حدیث مذکور آیت کے پورے مطابق ہو جاتی لیکن یہ قوی احتمال ہے کہ اصل حدیث میں یہ عبارت رہی ہو، البتہ یہاں راوی حدیث سے غلطی سے نقل ہونے سے رہ گئی ہو، یا راوی نے اختصار کے پیش نظر قصداً اس کو حذف کر دیا ہو، حدیث باب اور قرآن کریم کی آیت میں ڈاکوؤں کی سزاؤں کو حرف **"او"** کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے، یہ حرف کس معنی میں مستعمل ہوا ہے اس میں اختلاف ہے۔

مذاہب: (۱) حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، داؤد رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ، نخعی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرف **"او"** تخییر کے لئے ہے، یعنی قاضی اور امام وقت کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ان چار سزاؤں میں سے اپنے

اجتہاد کے موافق ہر مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دے چنانچہ عصر حاضر میں اس طرح کے مسلح حملوں میں صرف مال کی لوٹ یا قتل وخون ریزی ہی پر اکتفا نہیں ہوتا، بلکہ اکثر عورتوں کی عصمت دری اور اغواء وغیرہ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں، اور قرآن کریم کا جملہ، **"ویسعون فی الارض فساداً"** اس قسم کے تمام جرائم کو شامل بھی ہے، لہٰذا قاضی اور امام وقت کو اختیار ہے کہ مجرموں کے مناسب حال دیکھ کر سزا دے۔

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت صحابہ وتابعین کے نزدیک حرف او رتنویع اور تقسیم کے لئے ہے، یعنی چار سزائیں چار جرائم پر منقسم ہیں مثلاً:

(۱)......اگر کسی ڈاکو نے صرف کسی کو قتل کیا ہے تو اس کی سزا صرف قتل ہوگی۔

(۲)......اور اگر قتل کے ساتھ مال بھی لوٹا ہے تو اس کو قتل بھی کیا جائے گا، اور سولی پر بھی چڑھایا جائے گا۔

(۳)......اور اگر صرف مال ہوتا ہے اس کا داہنا ہاتھ گٹوں پر سے اور بایاں پاؤں ٹخنوں پر سے کاٹ دیا جائے گا۔

(۴)......اور اگر قتل وغارت گری کچھ نہیں کی صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عامہ مختل ہوگیا تو اسکو جلاوطن کر دیا جائے گا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک، **"ینفی من الارض"** سے مراد یہ ہے کہ مجرم کو قید خانہ میں بند کر دیا جائے گا، تاکہ وہ زمین میں کہیں چل پھر نہ سکے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت فقہائے کے نزدیک جلاوطن کر دینا ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا، اور اگر دارالحرب میں بھیجا جائے تو مرتد ہونے کا اندیشہ ہے، لہٰذا **"ینفی من الارض"** سے قید اور حبس مراد ہونا چاہئے، ان چار جرائم کے علاوہ اگر ان سے عورتوں کی عصمت دری وغیرہ کا واقعہ پایا جائے تو قاضی بحکم شریعت حد زنا وغیرہ جاری کرے۔

وجہ ترجیح مذہب ثانی

حرف او تقسیم کیلئے ہونے پر درج ذیل حدیث دال ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قطاع الطریق اذا قتلوا واخذوا المال قتلوا وصلبوا واذا قتلوا ولم یأخذوا المال قتلوا ولم یصلبو واذا اخذوا المال ولم یقتلوا قطعت ایدیھم وارجلھم من خلاف واذا اخافوا السبیل فقط ولم یأخذوا مالا نفوا من الارض۔ اس حدیث کا شان ورود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بردہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے معاہدہ وصلح کا حکم فرمایا تھا مگر اس نے عہد شکنی کی اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لئے مدینہ طیبہ آرہے تھے، ان پر ڈاکہ ڈالا، اس واقعہ میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام مرقوم الصدر سزا لے کر نازل ہوئے۔

(معارف القرآن: ۱۱۷/۳، مظاہر حق: ۷۳/۳، مرقاۃ المفاتیح: ۵۳/۴، فیض المشکوۃ: ۴۲۱/۶، ایضاح المشکوۃ:)

مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کی ممانعت

{۳۳۹۰} **وَعَنْ** اَبِیْ لَیْلٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّھُمْ کَانُوْا یَسِیْرُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَامَ رَجُلٌ مِنْھُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُھُمْ اِلٰی حَبْلٍ مَعَہٗ فَاَخَذَہٗ فَفَزِعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِمًا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۷۳/۲، باب من یأخذ الشیء علی المزاح، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۰۰۴۔

ترجمہ: حضرت ابولیلی بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت محمد ﷺ کے اصحاب نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کررہے تھے، تو ان میں سے ایک آدمی سوگیا، پس ان میں سے

ایک دوسرا شخص اس کی رسی کی طرف گیا اور اس کو لے لیا تو وہ ڈر گیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو ڈرائے۔ (ابو داؤد)

تشریح: ابی لیلی: صاحب مشکوۃ نے فرمایا کہ انکا نام عبد الرحمن ابن ابی قاسم ابن ابی لیلیٰ یسار الانصاری ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور کے چھٹے سال میں پیدا ہوئے، بعض کے نزدیک یہ قتل کئے گئے اور بعض کے نزدیک نہر میں ڈوب کر وفات ہوئی یہ نہر بصرہ میں ہے اور ڈوبنے کا یہ حادثہ ۸۳ھ میں پیش آیا، انہوں نے بہت سے حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے تابعین کوفہ کے بہت سے تابعین نے حدیث کی روایت کی اور ان کے بیٹے محمد کو بھی ابن ابی لیلیٰ کہا جاتا تھا، یہ فقہ کے مشہور امام اور کوفہ کے قاضی تھے، صاحب مسلک فقیہ تھے، جب حضرات محدثین ابن ابی لیلیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد محمد کے والد ہوتے ہیں، اور جب حضرات فقہاء ابن ابی لیلیٰ بولتے ہیں تو اس سے مراد بیٹے محمد یعنی قاضی صاحب ہوتے ہیں **"قال حدثنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم"** حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب کے سب عادل ہیں **"الصحابة کلھم عدول"** اس لئے ان کے نام کے ذکر کی ضرورت نہیں اور عدم ذکر نام سے حدیث کی قوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

فانطلق بعضھم الی حبل معه: اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ رسی سونے والے صحابی کے پاس ہو اور اسکی طرف یہ چلے ہوں، اور علامہ قاری نے **"الی حبل مع المنطلق"** کے معنی کا احتمال بھی تسلیم کیا ہے، **"فاخذہ"** یعنی اس کے لئے لینے کا ارادہ کیا غالباً صورت حال یہ بنی کہ سونے والے نے یہ سمجھا کہ وہ مجھے رسی سے باندھنا چاہتے ہیں اس لئے **"ففزع"** یہ گھبرا گئے اس صورت حال کو حضرت نبی کریم ﷺ نے خود دیکھا اور یا کسی نے آپ کو بتایا **"فقال النبی صلی اللہ علیہ و سلم لا یحل لمسلم ان یروع"** تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ کسی کو خوف زدہ کرے۔ (مرقاۃ: المفاتیح: ۵۳ / ۴، مستفاد الدار المنضو: ۶۱۳ / ۶، انوار المصابیح: ۵۰۸ / ۶)

ابو داؤد شریف کے اندر ایک دوسری روایت ہے جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ **"لا یاخذن احدکم متاع اخیه لاعباً جاداً"** تم میں سے کوئی شخص اپنے ساتھی کا سامان نہ مذاق میں

لے اور نہ واقعتاً لے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی مسلمان کو خوف زدہ نہ کرنا چاہئے اور ایسے مذاق سے بھی گریز کرنا چاہئے جو کسی مسلمان کے خوف کا باعث بنے۔

کفر کی ذلت قبول کرنے کی ممانعت

{۳۳۹۱} **وَعَنْ** اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِجِزْیَتِھَا فَقَدِ اسْتَقَالَ ھِجْرَتَہٗ وَمَنْ نَزَعَ صِغَارَ کَافِرٍ مِنْ عُنُقِہٖ فَجَعَلَہٗ فِیْ عُنُقِہٖ فَقَدْ وَلَّی الْاِسْلَامَ ظَھْرَہٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۴۳۹، باب ماجاء فی الدخول فی ارض الخراج، کتاب الخراج، حدیث نمبر: ۳۰۸۲۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص نے زمین کو اس کے جزیہ کے ساتھ لیا اس نے اپنی ہجرت ختم کردی، اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال دیا پھر اپنی گردن میں ڈال لیا، تو اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: کوئی شخص دارالاسلام ہجرت کر کے آتا ہے اور وہ مسلمان ہوتا ہے تو مسلمان ہونے کی وجہ سے اس پر جزیہ عائد نہیں ہوتا، لہٰذا مسلمان کو ذمی کی زمین خرید کر اس کے جزیہ کو اپنے ذمہ ہرگز نہیں لینا چاہئے اور جس نے ذمی کی زمین خرید کر اس کے جزیہ کو اپنے ذمہ لیا تو گویا اس نے ذمی کی ذلت کو اپنے سر لے لیا اور گویا کہ اس نے اسلام کو کفر سے بدل لیا، اس لئے کہ اس نے اپنی عزت کو اس کی ذلت سے تبدیل کرلیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے خراج والی زمین کو خریدا تو اس پر اسکا خراج لازم ہوگا، اور یہ درحقیقت وہی خراج ہوگا جو اس مالک زمین یعنی ذمی پر اس زمین پر جزیہ کے طور پر واجب تھا جس کو

زمین خرید کر اس نے اپنے ذمہ لے لیا ہے تو گویا کفر کی ذلت کو اس نے اپنی گردن پر لے لیا اس لئے کہ مسلمان نے جب اپنے آپ کو ذمی پر جو خراج واجب تھا اپنے ذمہ لیکر اپنے آپ کو ذمی کی جگہ پر کر دیا تو وہ ہوگیا **"کالمستقل ای طالب الاقالة لهجرته، ومن نزع صغار کافر"** صاد کو فتحہ ہے یعنی اس کی گردن سے کفر کی ذلت کو علیحدہ کیا، **"فجعله فی عنقه"** اس کے بعد اس کو اپنی گردن پر لے لیا اور وہ اس طور پر کہ کافر کی جزیہ کی زمین خرید کر خراج کی شکل میں اپنے ذمہ لے لیا۔

فقد ولی الاسلام ظهره: تو اس نے اسلام اپنی پیٹھ کے جانب کر دیا یہ جملہ اپنے ماقبل کے جملہ کی وضاحت کر رہا ہے اور مطلب یہ کہ جس نے کافروں کی جزیہ کی ادائیگی کو اپنے ذمہ لے لیا اور اس طرح اس کی ذلت کو اپنے سر منڈھ لیا تو گویا اس نے اسلام کو کفر سے بدل لیا اس لئے کہ اس نے اپنی عزت کو اس کی ذلت سے بدل لیا ہے، خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جزیہ کے معنی یہاں خراج کے ہیں، یعنی کسی مسلمان نے جب کوئی خراجی زمین خریدی کسی کافر سے تو اس سے خراج ساقط نہ ہوگا بلکہ اسکا خراج ادا کرنا ہوگا جب کہ مسلمانوں سے خراج نہیں لیا جاتا ہے بلکہ ان کی زمینوں پر عشر واجب ہوتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہی ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خراج کی دو شکلیں ہیں: ایک تو جزیہ ہے اور دوسری شکل کرایہ اور اجرت ہے جو ان کے رؤساء سے لی جاتی ہے پس ان میں سے جو اسلام قبول کرے تو اس سے خراج ساقط ہو جاتا ہے جیسے اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے اور مسلمانوں ہی کی طرح اس پر اب مسلمان ہونے کے بعد عشر واجب ہوگا۔

(انوار المصابیح: ۵۰۹/ ۶ مرقاۃ المفاتیح: ۵۴/ ۴، شرح الطیبی: ۱۳۱/ ۷)

فائدہ: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ہیں:

(۱) مسلمان کے لئے خراجی زمین خریدنا ممنوع ہے، ابوداؤد میں روایت ہے کہ **"من عقد الجزیة فی عنقه فقد برئ مما علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم"** جو شخص اپنے گلے میں جزیہ کا ہار پہنتا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے دور ہو جاتا ہے۔

(۲) اگر کوئی مسلمان کسی ذمی سے جزیہ والی زمین خریدتا ہے تو اس زمین کا خراج مسلمان کو ادا کرنا ہوگا، حنفیہ کے نزدیک ذمی سے جزیہ والی زمین خریدنا تو جائز ہے، لیکن خراج ادا کرنا پڑے گا، صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم نے خراجی زمینیں خرید کر خراج ادا کیا ہے اس لئے بلا کراہت جائز ہے۔(ہدایہ:۲/۳۴۲)

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بذل میں لکھا ہے کہ **"وھذا علی سبیل التغلیظ والتشدید، فقد ولی الاسلام ظھرہ"** یہ جز ما قبل کی وضاحت کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ جزیہ کو اپنی گردن میں ڈالنے والا اپنے آپ کو رسوا اور ذلیل کرتا ہے اور اسلام کی عطا کی ہوئی عزت کو اپنے ہاتھوں ضائع کر دیتا ہے۔(فیض المشکوۃ:۶/۴۲۴)

کافروں کے ساتھ اختلاط کی ممانعت

{۳۳۹۲} **وَعَنْ** جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلٰى خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالسُّجُوْدِ فَأَسْرَعَ فِيْهِمُ الْقَتْلُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا بَرِيْءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ قَالَ لَا تَتَرَاأٰى نَارَاهُمَا۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف:۲/۳۵۵، باب النھی عن قتل من اعتصم بالسجود، کتاب الجھاد، حدیث نمبر:۲۶۵۴۔

حل لغات: **اعتصم:** پناہ لینا، کسی کا دامن تھامنا، **اسرع العمل،** جلدی کرنا۔

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خثعم کی طرف ایک فوجی دستہ بھیجا، کچھ لوگوں نے سجدوں کے ذریعہ پناہ لی، تو انہیں فوری طور پر قتل کر دیا گیا، جب اس کی اطلاع حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے آدھی دیت کا فیصلہ فرمایا: اور فرمایا: کہ میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ایسا کیوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھیں۔(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں ایک ایسی قوم کا ذکر ہے جو مسلمان تو تھی، لیکن اس کا اختلاط کافروں کے ساتھ خوب تھا، اسلامی لشکر نے جب کافروں پر حملہ کیا تو یہ بھی حملہ کی زد میں آگئے، یہ لوگ اپنے اسلام کے اظہار کیلئے نماز میں مشغول ہو گئے، مسلمان لشکر یہ سمجھا کہ یہ واقعی کافر ہیں، لیکن جان بچانے کے لئے نماز اور سجدہ کی آڑ لے رہے ہیں، لہٰذا بعجلت ان کو قتل کر دیا، آنحضرت ﷺ کو جب خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے آدھی دیت کا ان کے لئے فیصلہ فرمایا، اس لئے کہ کافروں کے ساتھ گھلنے ملنے کی وجہ سے ایک گونا وہ خود بھی اپنی جانوں کو ضائع کرنے کے ذمہ دار تھے، پھر آنحضرت ﷺ نے کافروں کے ساتھ اختلاط رکھنے اور ان کے بے حد قریب رہنے کی ممانعت فرمادی۔

بعث ای ارسل سریة: سریہ فوج کی ایک ٹکڑی اور فوجی دستہ کو کہتے ہیں جس میں پانچ سے تین سو افراد تک ہو سکتے ہیں، اور علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا انکی زائد سے زائد تعداد چار سو ہے، **"الی خثعم"** خاء کو فتحہ اور ثاء کو سکون ہے، یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے اور قاموس میں اس کو ایک پہاڑ بتایا ہے، **"فاعتصم ناس منهم بالسجود، سجود"** سے مراد نماز ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس قبیلہ کے درمیان کچھ مسلمان بھی رہتے تھے انہوں نے جب اسلامی لشکر کو حملہ آور دیکھا تو اپنے مسلمان ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے بطور علامت نماز پڑھنی شروع کر دی یہی تھی سجدوں سے پناہ حاصل کرنے کی شکل، **"فاسرع"** یہ مجہول کا صیغہ ہے **"فيهم القتل"** یعنی لشکر اسلامی نے ان کے قتل میں عجلت سے کام لیکر ان کو قتل کر دیا اور ان کی نمازوں کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ان کو گمان یہ ہوا کہ یہ محض جان بچانے کیلئے نماز کا ڈھونگ رچ رہے ہیں۔ **"فبلغ ذالک"** تو ان کے قتل کرنے کی خبر حضرت نبی کریم ﷺ کو پہنچی **"فامر لهم بنصف العقل"** حضرت خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے باوجود کہ حضرت نبی کریم ﷺ کو ان کا مسلمان ہونا معلوم ہو گیا تھا، پھر بھی ان کی دیت مکمل نہ کی بلکہ آدھی ہی کی اسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کفار کے درمیان رہ کر اپنے قتل میں خود مدد کی ہے یہ لوگ ایسے ہی ہو گئے جیسے کوئی آدمی اپنی جنایت کے ساتھ دوسرے کی جنایت کے شمول کے ساتھ ہلاک ہو جائے اسلئے اسکی جنایت کا حصہ دیت سے ساقط ہو گیا۔ **"وقال انا بریء من کل مسلم یقیم بین اظهر المشرکین"** یعنی مشرکین کے درمیان رہنے والے مسلمان سے میں بری ہوں، علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا احتمال ہے کہ اسکے معنی یہ ہوں

کہ میں اس کے خون سے بری ہوں، اور یا اس سے موالات سے برأت مراد ہو، **"لاتترائ ناراھما، ترائیی، رویۃ"** سے تفاعل کے وزن پر، کہا جاتا ہے: **"تراءی القوم"** جب کہ ان میں کے بعض بعض کو دیکھیں، یہ جملہ متانفہ ہے، یعنی الگ سے مستقل جملہ ہے اور اس میں نفی نہی کے معنی میں ہے۔

اس جملہ اور فرمان کا کیا مطلب ہے اس بارے میں حضرات علماء کرام ومحدثین کے مختلف اقوال ہیں ذیل میں: ملاحظہ فرمائیں۔ (انوار المصابیح: ۵۱۱/۶، مرقاۃ: ۵۵/۴)

(۱)...... حضرت ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ نہ نزول کرے مسلمان ایسی جگہ پر کہ جب وہ آگ روشن کرے تو مشرکین اسکو دیکھ سکیں بلکہ وہ مسلمانوں کے گھر اترے اس لئے کہ مشرک **"لاعهدله ولا امان"** یعنی اس کے کسی عہد وامان کا اعتبار نہیں۔

(۲)...... حضرت ابوالہیثم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مسلمان کفار کا شیوہ اور انکا طریقہ اپنے ماکولات و مشروبات ملابس وملاعیب کے اندر اختیار نہ کریں۔

(۳)...... حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آخرت میں ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اتنا دور ہوگا کہ وہ اس بعد کی وجہ سے جمع نہ ہوسکیں گے۔

(۴)...... فائق میں اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں پر ضروری ہے کہ کفار اور مسلمانوں کے مکانات اتنے دور ہوں کہ جب ان میں آگ روشن ہو تو ان میں سے ایک کی آگ دوسرے کے مکان میں نہ داخل ہو سکے تو اس صورت میں ترائی کی اسناد نار کی طرف اس قول کے قبیل سے ہوگی۔ **"دور بنی فلان متناظرة"**

(۵)...... علامہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ کوئی مسلمان ایسی جگہ سکونت اختیار نہ کرے جہاں کافر رہتا ہو، اور اس کے اتنا قریب نہ رہے کہ ان کی آگ کا مقابلہ ہو اور ان دونوں میں قربت ہو۔

(۶)...... علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے نار الحرب مراد ہے یعنی وہ دونوں اتنے فاصلہ اور دوری پر ہوں کہ اگر مسلمان اللہ اور اس کے رسول کے لئے محاربہ کریں شیطان اور اس کے فوج کے ساتھ اور اللہ کی طرف بلائیں اپنی فوج کے ذریعہ سے اور کافر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سے جنگ کریں اور وہ شیطان کی طرف بلائیں تو یہ دونوں کیسے متفق ہو سکتے ہیں اور ان دونوں کا جمع ہونا کیسے درست ہے۔

(شرح الطیبی: ۱۳۳/۷، تقریر حضرت شیخ زکریا: ۴۴۰، مرقاۃ المفاتیح: ۵۵/۴)

بلا تحقیق قتل کرنے کی ممانعت

{۳۳۹۳} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاِیْمَانُ قَیَّدَ الْفَتْكَ لَا یَفْتِكُ مُؤْمِنٌ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۳۸۲/۲، باب فی العدیؤتی علی غرة الخ، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۷۶۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایمان نے اچانک قتل کرنے سے روک دیا ہے چنانچہ مؤمن اچانک قتل نہیں کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اسلام واقعہ حال کی تحقیق کے بغیر قتل سے منع کرتا ہے، چنانچہ اہل ایمان کی یہی شان ہے کہ وہ کسی کو دھوکے سے خلاف معاہدہ قتل نہیں کرتے ہیں۔

الایمان قید الفتک، فتک کے معنی ہیں "القتل غدر فی حال غفلة العدو" یعنی اچانک کسی دشمن پر خلاف معاہدہ حملہ کر دینا، اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ "**لا یفتك مؤمن**" یہ خبر ہے، لیکن نہی کے معنی میں ہے، یعنی مؤمن کو اس عمل سے بچنا چاہئے۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو دھوکہ دے کر قتل کرنے کی اجازت کیوں دی تھی؟

جواب: (۱) ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(۲) اسکے قتل کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خصوصی اجازت عطا ہوئی تھی۔

(۳) کعب بن اشرف کا قتل اس ممانعت سے نہیں ہے، اسلئے کہ یہ دشمن کو اشتباہ میں ڈال کر

اس کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قتل کرنا ہے، یہ الگ چیز ہے اور یہ جائز ہے اور حدیث میں جس کی ممانعت ہے وہ دوسری چیز ہے دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، جو کہ سطور بالا سے واضح ہو رہا ہے۔
(فیض المشکوۃ: ۶/۴۲۵)

(۴) حضرت نبی کریم ﷺ کے کسی خصوصی فعل پر کسی دوسرے کو قیاس نہ کرنا چاہئے۔
(مظاہر حق: ۴/۴۲۹)

(۵) حدیث شریف میں ممانعت عام لوگوں کے بارے میں ہے لیکن جو لوگ بار بار بدعہدی کر کے اور کفار و مشرکین دشمنان اسلام سے ساز باز کر کے مسلمانوں کے خلاف برابر سازش میں مشغول ہوں اور رات دن مسلمانوں کے خلاف تدبیروں اور حیلوں میں مشغول ہوں اور مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہوں اور موقعے ملنے پر مسلمانوں کو قتل اور ہلاک کر ڈالتے ہوں جس کی وجہ سے امن عامہ ختم ہو چکا ہو وہ لوگ اس ممانعت میں داخل نہیں اسلئے کہ ان شر پسندوں نے اپنے آپ کو قتل کا مستحق اور مباح الدم بنایا ہے ایسے لوگوں کو جس طرح ممکن ہو قتل کیا جا سکتا ہے۔

بھگوڑے غلام کا حکم

{۳۳۹۴} وَعَنْ جَرِيرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَبِقَ الْعَبْدُ إِلَى الشِّرْكِ فَقَدْ حَلَّ دَمُهٗ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شريف: ۲/۵۹۹، باب الحكم فيمن ارتد، كتاب الحدود، حديث نمبر: ۴۳۶۰۔

ترجمه: حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جب غلام شرک کی طرف بھاگا تو اس کا خون حلال ہو گیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: غلام اگر بغیر مرتد ہوئے بھی دار الحرب بھاگ گیا تو اس کا قتل مباح ہو گیا، لہٰذا قاتل

پر دیت نہ ہوگی، اور اگر غلام مرتد ہو کر دار الحرب کی طرف فرار ہوا ہے تب تو وہ واجب القتل ہے ہی لہٰذا اس کا قاتل ثواب کا مستحق ہوگا۔

فقد حل دمه: تو اس کا خون حلال ہے یعنی اس کے قاتل پر قصاص و دیت نہیں ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ اگر مرتد بھی ہو جائے تو بدرجہ اولیٰ وہ قتل کا مستحق ہے اور قاتل پر کچھ نہ ہوگا، اور غالباً یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ وہ ماجور ہوگا۔ واللہ اعلم۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ اگرچہ مرتد نہیں ہوا یعنی حدیث بالا میں مرتد کا حکم بیان نہیں فرمایا گیا بلکہ بلا ارتداد کے بھاگنے والے کا حکم ہے، اس لئے کہ دار الاسلام چھوڑ کر دار الحرب کی طرف بھاگنا خود ایسا جرم ہے جو اسکو مباح الدم بنا دیتا ہے۔ **"لاتتراءی ناراهما"**۔ (شرح الطیبی: ۷/۱۳۷)

گستاخ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سزا

{۳۳۹۵} وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ يَهُوْدِيَّةً كَانَتْ تَشْتِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقَعُ فِيْهِ فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتّٰى مَاتَتْ فَأَبْطَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَمَهَا۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابو داؤد شریف: ۲/۶۰۰، باب الحکم فی من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۳۶۲۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں عیب جوئی کرتی تھی، ایک صاحب نے اس کا گلا گھونٹا، یہاں تک کہ وہ مرگئی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ کا خون رائیگاں قرار دیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی تھے جن کی ایک ام ولد تھی یعنی غیر مسلمہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کیا کرتی اور گالی دیا کرتی تھی، وہ نابینا صحابی اس کے آقا اس کو اس سے منع کرتے تھے لیکن اس سے وہ باز نہ آتی تھی، ایک رات کا واقعہ ہے کہ وہ

حضور ﷺ کی شان میں بک بک کر رہی تھی تو ان صحابی نے یہ کیا کہ ایک دھار دار لوہا لیا اور اس کی نوک کو اس باندی کے پیٹ پر رکھ کر اس پر بوجھ ڈال دیا اور اس کو ہلاک کر دیا، اور چونکہ وہ اس وقت حاملہ تھی ایسا کرنے سے وہ بچہ باہر آ گیا اور ساری جگہ خون سے ملوث ہوگئی، جب صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے اس قتل کا ذکر کیا، آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جمع کیا اور مجمع کو خطاب کر کے آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیکر میں کہتا ہوں اس شخص سے جس نے یہ کام کیا ہے جو اپنے اوپر میرا کچھ حق سمجھتا ہو تو وہ کھڑا ہو جائے، اس پر وہ نابینا صحابی کھڑے ہو گئے اور چونکہ وہ مجلس میں پیچھے بیٹھے تھے اس لئے لوگوں کی گردنوں کو پھاندتے ہوئے اور کانپتے ہوئے آ کر آنحضرت ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اس کا قاتل میں ہوں، اور جو وہ حرکتیں کیا کرتی تھی اس کا ذکر کیا، اور یہ بھی کہا کہ میرے اس سے دو بہت پیارے اور خوبصورت بیٹے بھی ہیں، اور وہ میری پرانی رفیقہ حیات تھی، گذشتہ رات وہ آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگی، تو میں نے مغول لے کر اس کے پیٹ پر رکھی اور بوجھ ڈال دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی، آپ نے یہ ساری بات سنکر فرمایا: **"الا اشهدوا ان دمها هدر"** کہ سب لوگ گواہ رہیں اس عورت کا خون معاف ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۳۰۹)

مذاہب الائمہ

انبیاء کرام علیہم السلام کو گالی دینے والے کا دم ہدر ہے یہ مذہب ائمہ ثلاث کا ہے اور امام صاحب سفیان ثوری، امام اوزاعی کے نزدیک یہ مسلمان کے ساتھ خاص ہے کہ اگر وہ شتم کرے تو دم ہدر ہے کیونکہ وہ گالی دینے کی وجہ سے مرتد ہو گیا اور مرتد کو حداً قتل کیا جاتا ہے باقی رہ گئے نصاری و یہود اور مشرکین ان کا تو شیوہ ہی شتم رسول اللہ ﷺ ہے۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا قدس سرہ)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تحمل و انصاف

حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا وہ کسی شخص پر ناراض ہو رہے تھے اس پر وہ شخص آپ کے ساتھ بدتمیزی پر اتر آیا اور آپ کی شان میں گستاخی کی،

ابو برزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اجازت طلب کی کہ یا خلیفہ رسول کیا میں اس کی گردن ماردوں؟ وہ کہتے ہیں کہ میرے اس لفظ نے ان کا سارا غصہ ٹھنڈا کر دیا، اور ان سے وہاں بیٹھا نہیں گیا، پس کھڑے ہوئے اور اندر چلے گئے اور اندر جا کر ایک آدمی کے ذریعہ بلوایا اور فرمایا کہ کیا تو ایسا کر دیتا اگر میں تجھ کو اجازت دیتا، میں نے کہا ہاں ضرور، انہوں نے فرمایا: بخدا نہیں یہ بات کسی انسان کیلئے جائز نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ مقام ہے کہ اگر آپ کسی پر کسی وجہ سے ناراض ہو کر، اسکے قتل کا حکم فرمائیں تو اس کا قتل جائز ہوگا، اور ایسے ہی اگر کوئی آپ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا قتل بھی جائز ہوگا لیکن آپ کے بعد آپ کے خلفاء میں سے کسی کا یہ مقام نہیں ہے، کہ اس کی وجہ سے اسکا قتل جائز ہو جائے۔ (الدر المنضود: ۶/۳۱۰)

ساحر کی سزا

{۳۳۹۶} وَعَنْ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۷۰، باب ماجاء فی حد الساحر، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۱۴۶۰۔

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جادوگر کی سزا اس کو تلوار سے قتل کر دینا ہے۔ (ترمذی)

تشریح: جادوگری بہت بڑا جرم ہے، اس میں اکثر شیطانی اعمال ہوتے ہیں جو کہ کفر پر مشتمل ہوتے ہیں، لہٰذا جادو ٹونا حرام ہے، جو شخص اس جرم کا مرتکب ہوگا، اس کو تلوار کے وار سے قتل کیا جائے گا اور کوئی جادوگر ایسا سحر کرتا ہے جو کفر تک نہ پہنچتا ہو تو فی نفسہ وہ بھی حرام ہے، لیکن اس پر حد نہیں، البتہ اس کو تعزیزی سزا دی جا سکتی ہے اور امام مناسب سمجھے تو تعزیراً قتل بھی کر سکتا ہے۔

سحر کے معنی لغت میں کسی چیز کو اچک لینے اور ایسے دقیق طریقے پر حاصل کرنے کے ہیں جو عام

لوگوں کی نگاہ سے مخفی رہ جائے۔ **"السحر الأخذة وكل مالطف مأخذه ودق فهو سحر"** (**لسان العرب مادہ سحر**)

سحر چونکہ ایک مخفی اور عام عادت کیخلاف چیز ہے اس لئے اس کی صحیح تعریف وتحدید آسان نہیں، اسی لئے فقہاء اور محدثین کے یہاں اس کی تعریف میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، راقم کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف زیادہ واضح ہے فرماتے ہیں: **"وأما تعريف السحر فهو خارق للعادة صادر من نفس شريرة لا يتعذر مدافعته"** (عمدۃ القاری: ۱۸/۴۱۷)

سحر کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا خرق عادت امر ہے جو بد طینت آدمی سے صادر ہو اور جس کی مدافعت (اہل معرفت کے لئے) چنداں دشوار نہ ہو۔

اہل سنت والجماعت قریب قریب اس بات پر متفق ہیں کہ سحر ایک حقیقت ہے اور واقعی اس کی وجہ سے خلاف عادت امور وجود میں آتے ہیں، معتزلہ اور شوافع میں ابو اسحق استر بازی کا خیال ہے کہ سحر کی حقیقت محض نظر بندی اور تخیل ہے اس لئے زیادہ کچھ اور نہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن: ۲/۴۶)

معتزلہ کی یہ مجبوری ہے کہ وہ کسی خارق عادت شئ کے وجود کے قائل نہیں، اہل سنت کے نزدیک اگر متبع سنت شخص سے خارق عادت واقعات کا ظہور ہو تو "کرامت" ہے اور بد دین شخص سے ظہور ہو تو سحر و جادو ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۲۲۳)

قرآن کریم میں مختلف مواقع پر سحر کا ذکر موجود ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سحر کیا گیا ہے اور آنحضرت کے دنیوی معاملات پر اس کا اثر بھی واقع ہوا ہے۔ (بخاری شریف: ۲/۸۵۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ جادو کا یہ واقعہ ۷ھ میں صلح حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر پیش آیا تھا۔ (فتح الباری: ۱۰/۲۲۶)

ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بھی سحر کا ذکر ملتا ہے، جو ان کی ایک باندی نے کر دیا تھا۔ (بخاری شریف: ۲/۸۵۷)

امام بغوی نے اس حدیث پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، سحر کے حرام اور گناہ کبیرہ ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ (شرح نووی علی مسلم: ۲/۲۲۱)

اور سحر کو حلال خیال کرنا کفر ہے۔ (شامی:۲۹۵/۳)

اسی لئے تمام ہی فقہاء نے اسے قابل تعزیر جرم تصور کیا ہے، خود آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ ساحر کی سزا تلوار سے اس کا خاتمہ ہے، **"حد الساحر ضربه بالسيف"**۔ (ترمذی شریف:۱/۱۷۰)

چونکہ جادو اپنے الفاظ اور اثرات کے اعتبار سے کئی قسموں کا ہوتا ہے اس لئے جادوگر کی سزا کی بابت بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ اگر کسی مسلمان جادوگر نے سحر کے لئے کفریہ کلمات استعمال کئے تو زندیقیت کی بناء پر اسے قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، قرطبی نے اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن:۲/۴۷)

دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے کفریہ کلمات تو استعمال نہیں کئے، لیکن اس کے جادو کے اثر سے مسحور آدمی کی موت واقع ہوگئی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی وہ شخص قتل کیا جائے گا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ امام صاحب کا ایک قول یہ ہے کہ اگر اس نے خود سحر کے ذریعہ قتل کا اقرار کیا ہے تو اسے قتل کیا جائے گا، پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قتل بطور قصاص کے ہوگا اور دوسرے فقہاء کے نزدیک اس کی حیثیت "شرعی حد" کی ہوگی۔ (رحمۃ الائمہ:۳۴۹)

اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں اور محض جادو سیکھا اور استعمال کیا گیا ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اس جرم میں بھی ساحر کو قتل کیا جائے گا، دوسرے فقہاء کے نزدیک اس کی تعزیر کی جائے گی، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جادوگر کی توبہ ناقابل قبول ہے اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جادوگر کی توبہ قابل قبول ہے۔ (حوالہ سابق)

حنفیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ جادوگر اگر اپنے فن کا استعمال کرے تو چاہے اس کی وجہ سے کسی کی ہلاکت ہوئی یا نہیں اور کفریہ کلمات واعتقادات کا مرتکب ہوا یا نہیں؟ ہر صورت میں اسے قتل کیا جائے گا، اور اسی رائے کی طرف محققین کا رجحان ہے۔ (شامی:۲۹۵/۳)

جادو کی وجہ سے قتل کے مسئلہ میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے لئے ایک ہی حکم ہے۔

الفصل الثالث

تفریق پیدا کرنے والے کی سزا

{۳۳۹۷} عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٌ خَرَجَ يُفَرِّقُ بَيْنَ اُمَّتِيْ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ۔ (رواه النسائی)

حواله: نسائی شریف: ۱۴۸/۲، باب قتل من فارق الجماعة، کتاب تحریم الدم، حدیث نمبر: ۴۰۲۳۔

ترجمه: حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جو شخص خروج کرے اور میری امت کے درمیان تفرقہ ڈالے اس کی گردن اڑادو۔ (نسائی شریف)

تشریح: امیر وقت کے خلاف بغاوت کرنا بہت بڑا جرم ہے اس وجہ سے کہ اس کی بنیاد پر امت مسلمہ کا شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے فتنے وفساد وجود میں آتے ہیں۔

عن اسامة بن شریک: یہ ذبیانی ثعلبی ہیں ان سے زیاد بن علاقہ وغیرہ نے حدیث کی روایت کی ہے صاحب مشکوۃ نے ان کا ذکر حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فہرست میں کیا ہے "**قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ایما رجل خرج**" علامہ قاری نے کہا: "**ای علی الامام یفرق بین امتی**" یہ جملہ حال بھی ہوسکتا ہے اور مستانفہ بھی "**فاضربوا عنقه**" یعنی اس کو قتل کردو، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں قتل کا حکم اس شخص کیلئے ہے جس نے امام پر خروج کیا جبکہ ہر مسلمان کے حکم کی تفریق کا ارادہ کیا تو مناسب یہ ہے کہ پہلے اس کو منع کیا جائے اس کے باوجود اگر وہ باز نہ آئے تو قتل کردیا جائے اور اگر صورت حال یہ ہو کہ اسکا فتنہ اس کے قتل کے بغیر دفع نہ ہوتا ہو تو اسکا قتل ہدر ہوگا یعنی اسکے قتل پر دیت وغیرہ واجب نہ ہوگی۔ (شرح الطیبی: ۱۳۸/۷، مرقاۃ المفاتیح: ۵۷/۴)

فرقہ خوارج اور ان کے چند اوصاف

{۳۳۹۸} **وَعَنْ** شَرِيْكِ ابْنِ شِهَابٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَتَمَنّٰى اَنْ اَلْقٰى رَجُلاً مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْأَلُهُ عَنِ الْخَوَارِجِ فَلَقِيْتُ اَبَا بَرْزَةَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فِيْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُذُنِيْ وَرَاَيْتُهٗ بِعَيْنِيْ اُتِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ فَقَسَمَهٗ فَاَعْطٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَمَنْ عَنْ شِمَالِهٖ وَلَمْ يُعْطِ مَنْ وَرَائَهٗ شَيْئًا فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ وَرَائِهٖ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا عَدَلْتَ فِي الْقِسْمَةِ رَجُلٌ اَسْوَدُ مَطْمُوْمُ الشَّعْرِ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَبْيَضَانِ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِيْدًا وَقَالَ وَاللهِ لَا تَجِدُوْنَ بَعْدِيْ رَجُلًا هُوَ اَعْدَلُ مِنِّيْ ثُمَّ قَالَ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَاَنَّ هٰذَا مِنْهُمْ يَقْرَئُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ سِيْمَاهُمُ التَّحْلِيْقُ لَا يَزَالُوْنَ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَخْرُجَ اٰخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ۔ (رواه النسائی)

حواله: نسائی شریف: ۱۵۶/۲، باب من شهر سیفه ثم وضعه فی الناس، کتاب تحریم الدم، حدیث نمبر: ۴۱۰۳۔

حل لغات: **القسمة:** تقسیم، **طم شعرة:** بال کاٹنا یا گرہ لگانا، جڑ سے اکھاڑنا، بقیہ کلمات کی تشریح کے ذیل میں دیکھئے۔

ترجمه: حضرت شریک بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ میری آرزو تھی کہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کے بعض اصحاب سے ملاقات کر کے ان سے خوارج کے بارے میں دریافت کروں،

چنانچہ عید کے دن میری ملاقات حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے ان کے چند ساتھیوں کے ساتھ ہوگئی، میں نے ان سے عرض کیا کہ کیا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا ہے اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ مال آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تقسیم کرنے لگے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف تھے اور ان کو دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے والوں کو کچھ نہیں دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تقسیم کرنے میں انصاف نہیں کیا، وہ آدمی کالے رنگ کا تھا، سر گھٹا ہوا اور دو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت شدید غصہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ کی قسم تم میرے بعد مجھ سے زیادہ عدل کرنے والا قطعاً نہ پاؤ گے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ آخیر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی، ایسا لگتا ہے کہ یہ ان ہی میں سے ہے، وہ قرآن مجید پڑھتے ہوں گے، لیکن قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا، وہ لوگ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے، ان کی نشانی سر منڈانا ہے، وہ برابر نکلتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت مسیح دجال کے ساتھ نکلے گی، تم جب ان سے ملاقات کرو تو سمجھ لو کہ انسانوں اور جانوروں میں یہ سب سے بدترین قوم ہے۔ (نسائی)

تشریح: اس حدیث میں فرقہ خوارج کے کچھ اوصاف کا ذکر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اگر چہ یہ فرقہ موجود نہیں تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ کی جو نشانیاں اور علامات بیان فرمائی تھیں ان اوصاف کا حامل فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ خلافت میں ظاہر ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک منافق مخلص صحابہ میں گھسا بیٹھا تھا، اس کا مقصد چونکہ طلب دنیا تھا، لہٰذا جوں ہی اسے محرومی ہوئی اپنے خبث باطن کو ظاہر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے جس فرقہ کے اوصاف بیان کئے تھے، اس کی ہیئت اس منافق سے ملتی ہوئی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

یہ شخص بھی اسی طبقہ سے محسوس ہوتا ہے۔

شریک بن شهاب: یہ حرثی تابعی ہیں انہوں نے ابو برزہ اسلمی سے حدیث کی روایت کی اور ان سے ازرق بن قیس نے روایت کی **"فلقیت ابابرزہ"** باء مفتوح اور راء ساکن ہے اس کے بعد زاء ہے یہ حضرت نضلہ بن عبید اسلمی ہیں انہوں نے ہی عبد اللہ بن خطل کو قتل کیا حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہمیشہ غزوات میں شریک ہوتے رہے، پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بصرہ چلے گئے خراسان میں غزوہ میں شریک ہوئے اور غزوہ ہی میں "سنہ ۶۰ھ میں انتقال فرمایا رضی اللہ عنہ

قال نعم سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم باذنی: ذال کو ضمہ اور یاء مشدد ہے ایک یاء تثنیہ کی اور ایک متکلم کی اور نون تثنیہ بسبب اضافت محذوف ہوا تو دو یائیں جمع ہوئیں، ان کا ادغام کیا گیا اور یہی حال **"ورأیته بعینی"** میں عینی کا ہے۔

واضح رہے کہ سننا اور دیکھنا تو کان اور آنکھ سے ہی ہوتا ہے پھر ان کے ذکر کا فائدہ یا ضرورت کیا تھی؟ یہ دفع دخل مقدر ہے۔

اس کا جواب علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ان کا ذکر برائے تاکید ہے یہ ایسی ہی تاکید ہے جیسے قرآن کریم کی اس آیت میں **"ولا طائر یطیر بجناحیہ"** اور جتنے پرندے اپنے پروں سے اڑتے ہیں۔ (سورۃ الانعام) ہے پرندہ اڑتا پروں سے ہی ہے اس لئے یہاں بھی **"بجناحیہ"** برائے تاکید ہے۔

اسی طرح یہاں بھی تاکید مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے بغور سنا ہے اور مجھ کو خوب پختہ یاد ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

فقام رجل من ورائه: پیچھے انہیں محرومین میں سے ایک منافق کھڑا ہوگیا۔ **"فقال یا محمد ماعدلت فی القسمة"**۔ حضرات صحابہ **"بالعموم فداك بابی وامی یا رسول الله"** کے لفظوں سے خطاب کرتے تھے، یہ بے ادب بک رہا ہے: اے محمد (ﷺ) آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔

"فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم غضبا شديدا"۔ حضرت رسول خدا ﷺ سخت ناراض ہوئے اسلئے کہ جو دنیا میں دنیا والوں کو عدل وانصاف کا سبق سکھانے کیلئے تشریف لائے یہ کمینہ اسی

پاک ذات پر بے انصافی کا الزام لگا رہا ہے۔

باقی پوری تفصیل خوارج کے بارے میں اوپر گذر چکی ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ بے ہودہ اور ناراضگی کے کام پر ناراض ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

خوارج کا خوفناک انجام

{۳۳۹۹} **وَعَنْ** اَبِیْ غَالِبٍ رَاٰی اَبُوْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ رُءُ وْسًا مَنْصُوْبَۃً عَلٰی دَرَجِ دِمَشْقَ فَقَالَ اَبُوْ اُمَامَۃَ کِلَابُ النَّارِ شَرُّ قَتْلٰی تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ خَیْرُ قَتْلٰی مَنْ قَتَلُوْہُ ثُمَّ قَرَا یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ الْاٰیَۃَ قِیْلَ لِاَبِیْ اُمَامَۃَ اَنْتَ سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَمْ اَسْمَعْہُ اِلَّا مَرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا حَتّٰی عَدَّ سَبْعًا مَا حَدَّثْتُکُمُوْہُ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/ ۱۵۴، باب و من سورۃ آل عمران، کتاب التفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۳۰۰۰، ابن ماجہ: ۱۶، باب ذکر الخوارج، المقدمۃ، حدیث نمبر: ۱۷۶۔

حل لغات: **الادیم:** آسمان کی نچلی سطح، **نصب الشیء:** کھڑا کرنا، گاڑنا، **الدرج:** راستہ۔

ترجمہ: حضرت ابو غالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے چند سر دیکھے جو دمشق کے راستے میں سولی پر لٹکے ہوئے تھے، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جہنم کے کتے ہیں، آسمان کے نیچے سب سے بدترین مقتول ہیں، بہتر مقتول وہ ہے جس کو انہوں نے قتل کیا ہو، پھر آیت پڑھی **"یوم تبیض الخ"** جس دن کتنے ہی چہرے سفید ہوں گے، اور کتنے ہی چہرے سیاہ ہوں گے، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اگر میں نے یہ بات ایک بار، دو بار، تین بار یہاں تک کہ انہوں نے سات بار گنا،

نہ سنی ہوتی تو میں اسکو تم سے ہرگز بیان نہ کرتا۔(ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرقہ خوارج کے چند سولی دئے گئے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ جہنم کے کتے اور بدترین مقتول ہیں، اس لئے کہ ان کا تعلق فرقہ خوارج سے ہے، اور فرقہ خوارج کے بارے میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن چکے تھے کہ روئے زمین کی سب سے بدترین مخلوق اور زیرآسمان سب سے بدترین مقتول اسی فرقہ کے لوگ ہوں گے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی آیت پڑھ کر یہ بھی بتایا کہ وہاں قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

عن ابی غالب: انکا نام حزور الباہلی بصری ہے ان کو عبد الرحمن حضری رحمۃ اللہ علیہ نے آزاد کیا انہوں نے بکر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی روایت کی اور ان سے حمزہ بن ربیعہ نے، **"رأی ابو امامة"** یعنی ابوامامہ باہلی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے مصر میں سکونت اختیار کی تھی، اس کے بعد حمص تشریف لے گئے اور وہیں انکا انتقال ہوگیا، اور یہ حدیثوں کو کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ میں سے ہیں اور ان سے بھی اللہ کے بہت سے بندوں نے حدیث کی روایت کی ہے شام میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین میں سب سے آخر میں انتقال فرمانے والے صحابی ہیں۔

"ثم قرء یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون" (سورہ آل عمران:۱۰۶)

بس وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوگئے۔ ان سے کہا جائے گا کیا تم کافر ہوگئے ایمان لا کر اب چکھو عذاب کو بدلہ میں اس کفر کرنے کے۔

"واما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمة اللہ ھم فیھا خالدون"

(سورہ آل عمران: آیت ۱۰۷)

وہ لوگ کہ سفید ہوئے منھ ان کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ حال حدیث میں مرتدین کا بیان ہوا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اہل بدعت والھواء ہیں اور ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت مذکور ہوئی وہ یہی ہے کہ وہ فرقہ خارجیہ کے لوگ ہیں۔ (شرح الطیبی:۱۴۰/۷)

تم الجزء الثامن عشر من الرفيق الفصيح لمشكوة المصابيح بحمده
واحسانه تعالى ويليه الجزء التاسع عشر ان شاء الله تعالى
اوله كتاب الحدود
ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا
انك انت التواب الرحيم بحرمة حبيبك
سيد المرسلين صلى الله عليه
وعلى آله واصحابه اجمعين
الى يوم الدين
آمين

محمد فاروق غفرلہ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی)
۲۳/ذی قعدہ سنہ ۱۴۳۶ھ